بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیم الایمان

(قرآنی واقعات سے نصیحت)

\Borders\decorative-page-border-vector-1728661.jpg
not found.

بنی اسرائیل اور ہماری زندگی

(قرآن مجید کے تقریباً ایک چوتھائی حصہ کو سمجھانے والی کتاب)

مرتب

عبداللہ صدیقی

(ریسرچ اسکالر آف ایمانیات)

زیر سرپرستی

مولانا امتیاز احمد خان مفتاحی نقشبندی

مولانا محمد کلیم الدین سلمان قاسمی

ناشر

عظیم بک ڈپو، جامع مسجد دیوبند، یوپی

حق طباعت غیر محفوظ

(بغیر کسی تبدیلی کی چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ بنی اسرائیل اور ہماری زندگی

مرتب:۔ عبداللہ صدیقی (ریسرچ اسکالر آف ایمانیات)

زیر سرپرستی:۔ مولانا امتیاز احمد خان مفتاحی نقشبندی

مولانا محمد کلیم الدین سلمان قاسمی

سنہ طباعت:۔ ۲۰۲۰ء

تعداد اشاعت:۔ 500

کمپیوٹر کتابت:۔ النور گرافکس، حیدرآباد، تلنگانہ۔9963770669

ناشر:۔ عظیم بکڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا۔

☆☆ ملنے کے پتے ☆☆

اس کتاب کو اردو کی تمام تفاسیر کے مضامین سے اور بالخصوص مولانا عبدالکریم پاریکھؒ کی کتاب ''قومِ یہود اور ہم'' سے تیار کیا گیا، جو لوگ اس کتاب کے مضامین کو پڑھیں گے انشاءاللہ وہ قرآن مجید کے تقریباً ایک چوتھائی حصہ کو ذہن نشین کرسکیں گے۔

اس کے علاوہ ایمان میں شعور بیدار کرنے کے لئے ہماری کتاب تعلیم الایمان کے تمام حصے ضرور پڑھیں اور اپنے آپ کو باشعور مسلمان بنائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کا چوتھائی حصہ بنی اسرائیل کے حالات بیان کرتا ہے

سَلْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ کَمْ آتَیْنَاهُم مِّنْ آیَةٍ بَیِّنَةٍ وَمَن یُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِن بَعْدِ مَا جَآءَ تْهُ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ o (البقرہ: ۲۱۱)

ترجمہ:۔ آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے ان کو کتنی کھلی نشانیاں دی تھیں! اور جس شخص کے پاس اللہ کی نعمت آچکی ہو، پھر وہ اس کو بدل ڈالے تو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

قرآن مجید بنی اسرائیل کی کوئی تاریخ بیان نہیں کر رہا ہے، مختلف زمانوں میں ان کے واقعات کہیں مختصر اور کہیں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، دنیا کی تمام قوموں میں جن لوگوں کو لمبی مدت تک امام کی حیثیت سے موقع دیا گیا وہ بنی اسرائیل ہی کی قوم ہے، اور اس قوم کو خلافتِ ارضی اور انسانیت کی قیادت عطا کر کے بے انتہاء نعمتوں اور احسانات سے نوازا گیا تھا، لیکن جب اس قوم نے اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کر کے اللہ کی نافرمانی اور بغاوت کی اور نعمتوں کی ناشکری کی تو قیامت تک کے لئے ذلت میں مبتلا کر دی گئی اور تمام انسانوں خاص طور پر امت مسلمہ کے لئے عبرت و نصیحت بھی اسی قوم کو بنا دیا گیا۔

اس کتاب کو تفصیل سے پڑھنے کے بعد ایک انسان قرآن مجید کے ایک چوتھائی حصہ کو ذہن میں رکھ سکتا ہے اور عبرت و نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔

یہود اپنا علمی رعب عربوں پر ڈالے ہوئے تھے:

یہود چونکہ اہل کتاب تھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے اور تورات کو کتابِ الٰہی مانتے تھے اور مشرکین عربوں کے سامنے اپنا علمی رعب پیش کرتے تھے، اس لئے وہ مدینہ کے مشرکوں پر اپنا علمی رعب و دبدبہ رکھتے تھے، اپنے آپ کو آسمانی کتابوں کا حامل ہونے کا احساس دلا کر تمام عربوں کو اُمّی کہتے اور سمجھتے تھے، اور لوگوں کو یہ احساس دلاتے کہ وہی اللہ کے چہیتے اور پسندیدہ قوم ہے، پیغمبروں کی اولاد ہیں، حق انہی کے پاس ہے، وہی جنت میں جانے والے ہیں، دنیا کی دوسری تمام قوموں کو گمراہ اور جہنمی سمجھتے تھے، آج بھی ان کا یہی عقیدہ اور نظریہ ہے۔

حضور ﷺ کی مدینہ ہجرت سے پہلے مکہ کے مشرکوں کو بہکایا گیا:

یہود کو یہ خبریں مل چکی تھیں کہ مکہ میں بنو اسماعیل میں آخری نبی کا ظہور ہو چکا ہے اور مشرکینِ مکہ ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو تکلیف دے رہے ہیں تو یہ لوگ مدینہ میں بیٹھ کر مشرکین مکہ کو گمراہ کرتے رہتے تھے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مختصر ذکر مکی سورتوں میں بھی ملتا ہے، یہ مشرکینِ مکہ سے ساز باز کر کے اسلام کی دعوت کو مشرکین مکہ ہی کے ہاتھوں ختم کرنا اور پھیلنے سے روکنا چاہتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ جہاں سے یہ دعوت اٹھی ہے اُسے طاقت ملنے نہ پائے' اس لئے وہ حق کو چھپا کر مشرکین کو سچا اور حق بجانب کہتے اور محمد رسول اللہ ﷺ کو جھٹلاتے تھے، اور مشرکین کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی سچائی جاننے کے لئے مختلف سوالات کرواتے تھے۔

مدینہ کے مشرک پہل کر کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے:

مگر عجیب اتفاق ہے کہ انہی کی معلومات پر مدینہ کے انصار اہل کتاب ہی سے پیغمبر کے مبعوث ہونے اور علامات ونشانیاں سنی تھیں؟ آپس میں مشورہ کر کے پہل کی اور مکہ پہنچ کر خفیہ طریقے سے ایمان قبول کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کو مدینہ ہجرت کی پیشکش کی اور ہر طرح سے حفاظت کا وعدہ کر لیا، مگر جب رسول اللہ ﷺ مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو مدینہ کے اہل کتاب یہودی جنہیں آخری نبی کا انتظار تھا سب سے پہلے حسد وجلن اور عداوت میں مبتلا ہو کر جھٹلا دیا اور اسلام پر ایمان لانے سے انکار کیا۔

اسلام مدینہ پہنچنے کے بعد یہود کا اثر ختم ہونے لگا:

اسلام مدینہ پہنچنے کے بعد قرآن مجید کی دعوت جیسے جیسے عام ہونے لگی ان کا علمی' اخلاقی' معاشی واقتصادی اور سیاسی مقام ومرتبہ میں کمی واقع ہونا شروع ہو گئی، اور جو مشرک لوگ مسلمان ہوتے انہوں نے خود یہود کو ایمان لانے اور حضرت محمد ﷺ کی اتباع کی دعوت دینے لگے، جس کی وجہ سے ان کی ہر شعبۂ زندگی میں بڑائی و برتری ختم ہونے لگی، اور اسلامی تعلیمات ان سے بہتر ثابت ہونے لگی، اور مسلمانوں کے اخلاق ان سے اعلیٰ نظر آنے لگے۔

ہجرت کے بعد یہود نے مدینہ کے لوگوں کو بھی بہکانا شروع کیا:

یہود نے خود اسلام کا انکار کیا اور ساتھ ہی مشرکینِ مدینہ کو بھی اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کر کے اسلام کے انکار اور اس کے قبول نہ کرنے کی ترغیب دینے لگے،

اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے لوگوں کو دور رکھنے کے لئے اپنی کتاب میں موجود آخری نبی کی نشانیوں کو چھپایا، حق کو باطل کے ساتھ ملا دیا اور حق کو چھپایا، نئے نئے ایمان لانے والوں کے سامنے اسلام اور حضور ﷺ کے خلاف مختلف باتیں کر کے بہکانا شروع کیا۔

اسلام کے مدینہ میں آنے کے بعد اوس وخزرج کی دشمنی ختم ہوگئی:

مدینہ کی آبادی میں اوس وخزرج دو بڑے مشرک قبیلے تھے، رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر ان کی بہت بڑی تعداد اسلام میں داخل ہو کر ایمان قبول کر چکی تھی، ایمان کی وجہ سے وہ بھائی بھائی بن گئے، رسول اللہ ﷺ نے اسلامی تعلیمات سے ان کے اختلافات کو ختم کروا دیا، یہود کے مختلف قبیلے ان دونوں قبیلوں کے حلیف تھے، ان کو بہکا کر ان کے علاحدہ علاحدہ حریف بن کر آپس میں لڑاتے، جنگ کرواتے تھے، اسلام کے قبول کر لینے سے یہ دونوں قبیلے ایک ہو کر طاقتور بن گئے اور اسلام آہستہ آہستہ مدینہ میں مضبوط ہونے لگا اور یہودیوں کی جو پوزیشن تھی وہ کمزور پڑنا شروع ہوگئی، تب یہودیوں نے منافقوں کے ساتھ مل کر اسلام کو کمزور کرنا شروع کر دیا۔

مدینہ میں منافقین و یہود نے مل کر منصوبہ بند مخالفت کی

جب غزوات ہو رہے تھے منافقین مسلمانوں کی کامیابیوں پر اندر سے جلن وحسد میں مبتلا ہو رہے تھے، اور اندر سے یہود و مشرکین سے ساز باز رکھتے اور عین غزوات کے موقع پر ان کے مشورے قبول نہ کرنے کا بہانہ بنا کر درمیانی راستے سے اپنے ساتھیوں کو لے کر الگ ہو جاتے تا کہ نئے مسلمانوں میں کمزوری بزدلی اور گھبراہٹ پیدا ہو جائے اور مسلمان شکست کھا جائیں یا جھوٹے حیلے بہانے بنا کر غزوات میں شریک نہیں ہوتے تھے۔

یہود خاص طور پر مشرکین مکہ سے اندرونی ساز باز رکھتے اور مشرکین کو حق پر ہونے کا احساس دلا کر ان کو لڑائی کے لئے تیار کرتے اور باطل کے مقابلے حق کو سمجھانے کے بجائے محمد ﷺ اور اسلام کو باطل کہتے، مدینہ میں وہ یہ بھی اسکیم بنائے ہوئے تھے کہ دکھاوے کے لئے صبح کو ایمان لانا' پھر شام کو یا کچھ وقفہ کے بعد ایمان سے انکار کر دینا، تا کہ اسلام میں داخل ہونے والے نئے مسلمان شک وشبہ میں مبتلا ہو کر متزلزل ہو جائیں اور اسلام کا ساتھ چھوڑ دیں۔

جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہونے پر منافقین اور یہود نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ محمد بن

عبداللہ (ﷺ) اگر سچے نبی ہوتے تو اللہ کا نبی شکست کیسے کھاتا؟ زخمی کیسے ہوئے؟ یہ پیغمبر نہیں ہیں، اپنی مرضی سے سارے منصوبے بناتے ہیں اس لئے ناکام ہوگئے ہیں، نبی ہوکر عام انسانوں سے مشورہ کیوں لیتے؟ ہمارا مشورہ قبول کرتے تو کبھی نقصان نہ اٹھاتے۔

نبی کی بیوی پر غلط الزام لگا کر مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہا، ان کے اتحاد و اتفاق کو ختم کرنا چاہا، بار بار انصارؓ کو طعنے دے کر چھوٹی چھوٹی باتوں پر مہاجرین سے لڑائی جھگڑا نکال کر انصار مدینہ سے لڑانا چاہتے تھے، یہاں تکہ فتح مکہ کے بعد نئے نئے مسلمانوں کو مالِ غنیمت زیادہ دینے پر انصار کے نوجوانوں کو ورغلایا اور کہا کہ محمد (ﷺ) نے آخر اپنے وطن والوں ہی کو ترجیح دی۔

یہود کو سب سے آگے بڑھ کر ایمان قبول کرنے کی دعوت دی گئی

وَآمِنُوْا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَكُمْ وَلاَ تَكُونُوْا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ. (البقرہ:۴۱)

ترجمہ: اور اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو میں نے اب نازل کی ہے، یہ کتاب اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو تم کو دی گئی تھی، لہٰذا سب سے پہلے منکر نہ بن جاؤ۔

اہل کتاب بنی اسرائیل کی یہ حالت دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی نرمی اور محبت سے سمجھایا کہ تم حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولادیں ہو، جن کا لقب اسرائیل تھا، تمہارے باپ دادا کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ تورات جیسی مقدس کتاب دی گئی، جس کی وجہ سے تم آسمانی کتاب کے حامل بنے اور تم اہل کتاب ہو، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے یہ بھی تمہارے بھائی ہیں، حضرت محمد ﷺ کو میں نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اسی نبی کے تم خود بھی انتظار میں تھے، ان پر سب سے پہلے ایمان لانے کے بجائے تم خود سب سے پہلے ان کے انکار کرنے والے نہ بنو، ورنہ دوسروں کی گمراہی کے تم بھی ذمہ دار بنو گے۔

یہود بداعمالیوں میں رہ کر بڑائی جتلاتے اور شیخی بگھارتے تھے:

جیسے جیسے ایمان اور اسلام کی دعوت یہود کو دی جارہی تھی وہ شیخی بگھارتے اور بداعمالیوں میں مبتلا رہتے ہوئے تورات کی نشانیاں جاننے کے باوجود اپنے ہی کو حق پرست اور سچا کہتے، اپنے آپ کو پیغمبروں کی اولاد کہتے، کسی دوسری قوم اور نسل میں پیغمبر اور کتاب کے آنے کو ماننے سے

انکار کرتے اور سمجھتے کہ پیغمبروں کا سلسلہ انہیں میں ہے، اس طرح شان بگھارتے، حالانکہ ان کے بدترین سیاہ کارناموں کی مثال کسی دوسری قوم میں نہیں ملتی، اس کے باوجود لمبے چوڑے دعوے کرتے کہ صرف وہی ہدایت یافتہ ہیں، وہی اللہ کی منتخب وچہیتی قوم ہے، اور تنہا وہی اللہ کے اجر اور ثواب کے مستحق ہیں، اس پر قرآن نے سب سے پہلے امت مسلمہ کے سامنے یہود کی پول کھول دی، ان کی سازشوں، بداعمالیوں اور نافرمانیوں کو بے نقاب کیا۔

بنی اسرائیل کی داستان بیان کرنا ضروری تھا

اسلام چونکہ مدینہ میں اپنی جڑیں مضبوط کر رہا تھا اور لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہو رہے تھے اس لئے یہ ضروری بھی تھا کہ یہود کے سامنے ان کے باپ داداؤں کی تین ہزار سال پہلے جو حقیقت ہے وہ سامنے آئے اور ان کی اصلاح بھی ہو اور ان کو ان کی بغاوتوں کا احساس بھی ہو امت مسلمہ اور دوسری قوموں کو جو قیامت تک دنیا میں آئے ان کو بہکاوے میں آنے سے بچایا جائے اور یہود کی اصلی تصویر اور ذہنیت بھی ان کے سامنے رہے، اس لئے کہ یہود آج تک بداعمالیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے آپ ہی کو سچا اور حق پرست سمجھتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے آج تک شکلیں بدل بدل کر حق کی مخالفت کو رکھے ہوئے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بنی اسرائیل نے قرآن کے بیان کردہ ان سب باتوں کا کبھی انکار نہیں کیا اور نہ آج کر سکتے ہیں۔

یہود جان بوجھ کر گناہ کے عادی بن گئے!

یہود کی شیخی بگھارنے اور اپنے کو پاک باز ظاہر کرنے اور سب سے اچھا سمجھنے پر ان کی تصویر بتلائی گئی کہ جب اللہ ان کو ایک گناہ کی معافی دے دیتا تو وہ جان بوجھ کر اس سے بڑی نافرمانی اور گناہ کرتے، اللہ ان کے ایک گناہ کو نظر انداز کرتا تو وہ اس سے بڑے گڑھے میں گرتے اور جان بوجھ کر کتاب الٰہی کی نافرمانی کرتے، اصلاح کرنے والوں کو قتل کیا اور حضرت موسیٰؑ کو حد سے زیادہ ستایا، ان پر اعتماد نہیں کیا، ان کی نافرمانی کرتے رہے، اس لئے اس طرح کے عمل سے امت مسلمہ اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

امت مسلمہ کو بنی اسرائیل کے آئینہ میں اپنی صورت دیکھنا ہوگا

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ امت مسلمہ جب دنیا میں پھیلے گی ان میں مختلف فکر مختلف علاقوں کی مشرک قومیں داخل اسلام ہوں گی، اگر صحیح رہبری اور علم نہ ملے تو وہ دین اسلام کے عقیدہ وعمل کے سلسلہ میں اسی طرح کے موقف کو اختیار کرسکتی ہے جو بنی اسرائیل نے اختیار کیا تھا، امت مسلمہ کو سمجھایا گیا کہ وہ یہود کی طرح توحید کا دعویٰ کرنے توحید کو اختیار کرنے کے باوجود توحید اور شرک کا ملا جلا عقیدہ نہ رکھیں اور پیغمبروں میں تفریق نہ کریں۔

ان کا رویہ رسولوں کے زمانہ میں کیسا تھا اور رسولوں کے بعد کیسا رہا، اور کتاب الٰہی کے ساتھ انہوں نے کیا سلوک کیا؟ ان پر کیسے کیسے انعامات کئے گئے؟ اور انہوں نے اس کی ناقدری کرکے کس طرح اللہ کی ناشکری کی؟ نافرمانیوں پر کیسے عذابات سے ان کی پٹائی کی گئی؟ مسلمان اس آئینہ میں اپنی صورت دیکھیں، قرآن مجید کو صرف خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے ہی کے عادی نہ بنیں بلکہ اس سے بنی اسرائیل اور دوسری قوموں کے واقعات سے ہمیشہ ہدایت و نصیحت حاصل کرتے رہیں۔

بنی اسرائیل کی یہ ساری داستان امت مسلمہ کو بتلانا بہت ضروری تھا تاکہ وہ یہود کی بڑائی اور جھوٹی شان بگھارنے سے متاثر نہ ہوں، اور یہود کی طرح خود فخر وغرور میں مبتلا نہ ہوں، یہود کی روش اختیار کرکے خود کو بے عمل نہ بنالیں اور زبردستی بغیر اطاعت وعمل کئے خیالوں کی جنت میں نہ رہیں، دوسری قوموں کے سامنے قول اور فعل سے حق کا مظاہرہ اور دعوتِ دین دیتے رہیں، حق کو نہ چھپائیں، یہود کے تمام حربوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔

اس لئے کہ انہوں نے ہر زمانے میں لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ظاہری اور پوشیدہ طریقے سے حق کو مٹانے کی محنت اور مخالفت کی، امت مسلمہ کتاب الٰہی کے احکام کو ہی نجات سمجھیں اور دل وجان سے ان کو اختیار کریں، کسی بھی حکم کو زیادتی، ظلم اور مشکل نہ سمجھیں، ہر حکم پر دوڑ کر اللہ کی اطاعت کریں، بنی اسرائیل کی طرح کچھ احکام پر عمل اور کچھ احکام کی نافرمانی نہ کریں، خالص توحید کو اختیار کریں، توحید سے ہٹنے نہ پائیں اور دنیا کے سامنے اللہ ہی کی بڑائی اپنے ہر عمل سے ظاہر کرتے رہیں۔

بنی اسرائیل کے حالات بتلا کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کو تسلی دی گئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور قیامت تک آنے والے داعی مسلمانوں کو بنی اسرائیل کے حالات بتلا کر یہ احساس دلایا گیا کہ یہ اپنے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ اور بعد کے پیغمبروں کے ساتھ سرکشی، ہٹ دھرمی، نافرمانی، بے صبری، ناقدری، کٹ حجتی، احکام پر عمل کے لئے تاویلات کرنا، ٹال مٹول کرنا، دنیا کی حرص، دنیا پرستی، مال کی محبت، بزدلی، شرکیہ جذبات وخیالات اور شرکیہ عمل، پھر پیغمبروں پر جھوٹی باتیں بنانا۔

کتاب الٰہی میں تحریف، جادوگری، جھاڑ پھونک، سخت دلی، بار بار اللہ سے بغاوت، اللہ کے پیغمبروں کو قتل کرنا، بزرگوں سے شفاعت کا عقیدہ رکھنے میں گرفتار ہیں، آپ کے ساتھ جو یہودی قوم ہے انہی کی نسل اور اولادیں ہیں، ان سب کی خصلت اور عادت ایک ہی ہے، وہ اگر آپ کا اور قرآن کا انکار کر رہے ہیں تو ان کی قدیم عادت' ہٹ دھرمی اور باپ دادا کی نقل ہے، ان میں بھی وہی خصلتیں اور عادتیں بھری ہوئی ہیں جو ان کے باپ دادا میں تھیں۔

مسلمانوں کو خلافت کی ذمہ داری پر ان کی بداعمالیوں سے آگاہ کیا

بنی اسرائیل کے حالات بیان کر کے قیامت تک امت مسلمہ کو یہ سمجھانا ضروری تھا کہ وہ قوم جس کو دنیا کی تمام قوموں پر خلافتِ ارضی کی ذمہ داری دی گئی تھی وہ اپنی بڑائی، فخر اور غرور و گھمنڈ میں یہ تمام بداخلاقیوں اور نافرمانیوں کا شکار ہو کر اپنی ذمہ داری کو ادا نہ کیا، اس لئے وہ خلافت کے منصب سے معزول کر دی گئی، اور اللہ کی آخری امانت قرآن مجید سے محروم کر دی گئی۔

چنانچہ اب امت مسلمہ کو ان کی جگہ دنیا کی قیادت کے لئے چن کر خلافت کا منصب جو عطا کیا گیا اور اللہ کی آخری امانت قرآن مجید ان کو دی گئی، وہ بحیثیت خلیفۂ زمین ہونے کے اپنے آپ کو صفات الٰہی کا سایہ اور پرَتَو بنیں، اور اپنے آپ کو ان اخلاق رذیلہ سے بچائیں، اس لئے بنی اسرائیل کی ساری نافرمانیوں اور ناشکرے پن سے مسلمانوں کو قیامت تک واقف رہنا ضروری ہے، مگر افسوس وہ کتاب جس کا ایک چوتھائی حصہ بنی اسرائیل کے واقعات سے بھرا پڑا ہے اُسے مسلمان صرف یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے تصور کر کے پڑھتے ہیں، عبرت ونصیحت بھی حاصل

نہیں کرتے، یا پھر امت مسلمہ کی اکثریت ان سے واقف ہی نہیں ہے، وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ بنی اسرائیل کے یہ واقعات کیوں بیان کئے گئے ہیں۔

مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے سارے حالات کا مطالعہ کھلی آنکھوں اور گہری بصیرت کے ساتھ کریں تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کے ساتھ شیطان کی یہ جماعت کس طرح دشمنی کر رہی ہے، اور کس طرح اللہ سے دور اور ایمان و اسلام سے ہٹانا چاہتی ہے، بنی اسرائیل وہ قوم ہے جن کی پوری تاریخ زیادہ تر حق کی مخالفت، سرکشی، نافرمانی اور بغاوت سے بھری پڑی ہے۔

ہر زمانہ میں ان کا اور ان کی نسلوں کا مزاج، عادات و اطوار ایک ہی تھے، اور ایک ہی ہیں، ان کے حالات بیان کر کے امت مسلمہ کو ہوشیار اور آگاہ کیا گیا کہ وہ عمل کئے بغیر دینداری کے جھوٹے دعوے کرتے نہ پھریں اور ناشکرے نہ بنیں اور دوسری قوموں کو گمراہ نہ کریں۔

یوں تو بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کے واقعات ایک ہی طرح کے ہیں، مگر جن جن مقامات پر ان کے واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں مختلف قسم کی نافرمانیاں اور ناشکری اور ان کی بغاوتوں کی تفصیل الگ الگ ہے، ان کو بیان کر کے امت مسلمہ کی تربیت کرنا مقصود ہے۔

مگر افسوس مسلمان تابعین، تبع تابعین کے بعد قرآن مجید سے زیادہ قریب نہیں ہوئے اور گہری بصیرت کے ساتھ غور و فکر کرتے ہوئے قرآن کی تلاوت کرنا چھوڑ دیا، وہ خود بنی اسرائیل کی چالوں اور کلچر کے شکار ہو گئے اور توحید کے ساتھ شرک کی زندگی اختیار کر کے بنی اسرائیل جیسی ہی زندگی اختیار کر چکے، وہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کئے کہ ان کا ایک دشمن شیطان ہے جو چھپا ہوا ہے اور دوسرا دشمن جو ظاہر میں موجود ہے وہ بنی اسرائیل کے گروہ ہیں، ان کی دشمنی کے کیا کیا طریقے ہیں ہمیں جاننا ضروری ہے۔

اپنی اصلاح کے لئے بنی اسرائیل کی نافرمانیاں یاد رکھئے!

☆ پیغمبر کا ادب و احترام نہیں کیا۔ ☆ پیغمبر پر دل سے ایمان نہیں لائے۔ ☆ پیغمبر کی اطاعت کا جذبہ نہیں تھا۔ ☆ پیغمبر کو پہچاننے کے باوجود نسل پرستی کا شکار ہوئے۔ ☆ پیغمبر کی بات پر اعتماد نہیں کیا۔ ☆ دین ابراہیمی کو نظر انداز کر کے ذلت میں مبتلا ہوئے۔ ☆ کھلے معجزات دیکھنے کے باوجود باغی ہی بنے رہے۔ ☆ جہاد کے معاملہ میں بزدلی کا اظہار کیا۔

☆پیغمبروں کی موجودگی میں بت پرستی کی خواہش کی اور غیاب میں بچھڑے کی پرستش کی۔ ☆ کھلے معجزات دیکھنے کے باوجود دلوں میں سختی تھی، عبرت ونصیحت حاصل ہی نہیں کی۔ ☆جان بوجھ کر باطل کو سچا اور حق کو غلط کہتے اور حق کو مٹانے کی کوشش کرتے۔☆مشرک قوم میں رہنے سے مشرکانہ جذبات وخیالات کو اختیار کرلیا۔☆کتاب الٰہی کو اللہ کا حکم ماننے سے انکار کیا۔☆خدا کو آنکھوں سے دیکھنے کی شرط رکھی۔☆کتاب الٰہی پر عمل نہ کرنے کا کھلا اظہار کیا۔☆بغیر محنت کے اللہ کی پرورش پر نعمتوں کی ناشکری کی۔☆پیغمبروں کو اذیت دی۔ ☆اللہ کے احکام کو پورا کرنے میں حیلے بہانے بنائے۔☆اخلاق رذیلہ کی وجہ سے عذابات میں مبتلا ہوئے۔☆غریب انسان کو بادشاہ ماننے سے انکار کیا، امیرِ لشکر کی نافرمانی کی۔ ☆حکم الٰہی کے باوجود ہفتہ کے دن کی بے حرمتی کی۔☆پیغمبروں کی سیرت میں اخلاق رذیلہ کی تہمتیں لگائیں۔☆قرآن کا انکار کرکے خود اپنی کتاب کا انکار کیا۔☆قرآن اور پیغمبر کے سچے ہونے کی دلیل دینے کے باوجود دونوں کا انکار کیا۔☆یہود ونصاریٰ ایک دوسرے کے دشمن ہوکر حق کو مٹانے کے لئے دوست بن گئے۔☆اللہ کی کتابوں میں تحریف کی اور اُسے دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا۔☆نافرمانی کے باوجود دوزخ میں نہ جانے کا یقین رکھا۔☆کتاب کی کچھ باتوں کو مانا اور کچھ باتوں کا انکار کیا۔☆یہود ونصاریٰ نے صرف اپنے ہی کو نجات کا حقدار سمجھا۔☆خدا کے ساتھ اہل وعیال کا تصور قائم کیا۔☆پیغمبروں کو ماننے میں تفریق کی، اصلاح کرنے والوں کو قتل کیا۔☆حق کو چھپانے کی آپس میں تاکید کرتے اور رسول اللہ کی مجلس میں بدتمیزی کرتے۔☆نماز باجماعت کی پابندی ختم کردی۔☆قارون پر دولت نشہ۔ ☆حضرت جبرئیلؑ سے دشمنی کا دعویٰ کیا۔☆اپنی کتاب کے مطابق خود اپنی ہی قوم کے مقدمے حل نہیں کئے۔☆اپنے آپ کو نجات یافتہ سمجھنے کے باجود موت سے ڈرتے۔☆کتاب الٰہی پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے انہیں گدھے سے تشبیہ دی گئی۔☆اللہ سے بڑھ کر بیت المقدس سے محبت کا اظہار کیا۔☆مسجدوں میں اپنے مخالف گروہوں کو نہ آنے دیتے۔☆پوری دنیا میں سودی کاروبار کو عام کیا۔☆کاروبار میں بے ایمانی، وعدہ خلافی، خیانت کی اور مساواتِ انسانی کو ختم کیا۔☆اللہ کو مفلس کہا۔☆حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی اور قتل کی سازش کی۔ ☆کتاب الٰہی کی تعلیم نہ دے کر جادوگری اور غیر شرعی تعویذ گنڈوں کو عام کیا۔

یہودی قوم حضرت یعقوبؑ کی نسل سے تعلق رکھتی ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام جو حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے، یہ بڑے تھے، دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام جو حضرت سارہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے، یہ چھوٹے تھے، حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی پیغمبر نہیں آئے، اور ان کی اولاد بنو اسماعیل کہلاتی ہے، جو مکہ میں قبیلہ قریش کے نام سے آباد تھے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے، حضرت یعقوبؑ کا نام اُس زمانہ کی زبان میں اسرائیل بھی تھا، اسرائیل کے معنیٰ عبداللہ یعنی اللہ کے بندے کے ہیں، ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا گیا' جو شام اور مصر میں آباد ہوئی، حضرت یعقوبؑ کو (۱۲) بارہ لڑکے تھے، ان بارہ لڑکوں میں سب سے بڑے بیٹے کا نام یہودہ تھا، اور حضرت یوسف علیہ السلام' حضرت یعقوبؑ کے بیٹے ہیں۔

بنی اسرائیل نے حضرت یوسفؑ کے بعد مشرکین کا اثر قبول کیا:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد چار سو سال تک مصر اور فلسطین کا اقتدار بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہا اور مصری عوام کو دین ابراہیمی کی صحیح تعلیم خاندانِ بنی اسرائیل کے انبیاء، علماء اور اولیاء سے ملتی رہی اور ان کی دعوت سے جو مصری عوام اسلام لائے ان کا مذہب دینِ ابراہیمی تھا، ان کی تہذیب وتمدن اور طرزِ زندگی مشرکین سے الگ ابراہیمی سنت کے مطابق تھی، اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور شروع ہونے تک بنی اسرائیل کی نسلیں لاکھوں کی تعداد میں بڑھ گئیں۔

آہستہ آہستہ ان میں بگاڑ آنا شروع ہو گیا، ان کے پیشوا اور علماء دنیا کی حرص اور لالچ کا شکار ہونے لگے، اللہ کی آیات پر جب تک پختہ تھے تو ان میں زبردست عظیم دینی رہنماء پیدا ہوئے جو قوم کو اللہ کے احکام پر جمائے رکھتے، مگر ایک لمبے عرصہ تک جب بنی اسرائیل مشرک قوم میں رہے تو توحید کو بھول کر مصر کے مشرکانہ عقائد واعمال اور مصری تہذیب وتمدن میں مبتلا ہو گئے، اور خالص ایمان کو مشرکانہ عقائد واعمال میں خلط ملط کر دیا، اس کے باوجود اللہ نے ان میں اصلاح کے لئے انبیاء کا سلسلہ جاری رکھا، مگر یہ اتنے بے دین اور سرکش ہو گئے تھے کہ مصلحین کی اصلاح کو قبول نہیں کرتے تھے۔

قبطی قوم کا بنی اسرائیل پر مسلط ہونا:

اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی حق پرست قوم کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال کر شرکیہ عقائد واعمال میں گرفتار ہوجائے تو اللہ ان پر ظالم قوم اور ظالم حاکم کو مسلط کر دیتا ہے، ان پر نیک لوگوں کو نہیں ظالم، نا انصافی کرنے والے اور بے رحم لوگوں کو مسلط کر دیتا ہے یا پھر معمولی سی مخلوق کے ذریعہ سزاء دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعد جیسے جیسے مسلمان دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلتے گئے وہ کتاب الٰہی کی تعلیم حاصل نہ کر کے اس سے دور رہ کر دوسری قوموں کے رنگ ڈھنگ اختیار کر کے ان کی تہذیب وتمدن، عقیدہ واعمال سے متاثر ہوتے گئے اور ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود شرکیہ عقائد واعمال میں گرفتار ہوگئے، توحید اور شرک میں فرق جانے بغیر توحید وشرک کا ملا جلا عقیدہ اختیار کیا، شراب، زنا، ناچ گانا، بجانا، جوا، فضول خرچی، سود، رشوت، مالِ حرام، قتل وخون، ظلم، نا انصافی، خیانت، وعدہ خلافی، دھوکہ بازی جیسے اخلاقِ رذیلہ کا شکار ہوتے گئے، اصلاح کرنے والوں کی اصلاح قبول نہ کر کے ان کو گمراہ اور بے دین کا لقب دے دیا، تب اللہ نے سنبھلنے کا موقع دے کر دنیا کے مختلف علاقوں میں ان کو اقتدار سے محروم کر دیا اور کفار ومشرکین نے ان پر حاکم بن کر ان کو غلام بنالیا، ایک زمانہ میں تاتاری قوم مسلمانوں پر مسلط ہوگئی تھی، مغل بادشاہ جب اپنی طاقت اور دولت کو مٹی اور گارے پر صرف کر کے تبلیغِ دین کے بجائے عمارتیں بنانے لگے اور اطاعت الٰہی کے خلاف زندگی گذارنے اور حکومت کرنے لگے تو اقتدار سے محروم کر دئے گئے۔

اسی طرح بنی اسرائیل شرکیہ رسم ورواج اور شرکیہ عقائد واعمال میں گرفتار ہوگئی اور دین ابراہیم کو پس پشت ڈال دیا تو اللہ نے بنی اسرائیل کو اقتدار سے محروم کر دیا اور ان پر خاندانِ فرعون کو مسلط کر دیا، پھر بنی اسرائیل، قبطی قوم کی غلام بن گئی، وہ لوگ جو ان کے استاد ورہبر اور حاکم تھے، انہی کے غلام، نوکر اور محکوم بن گئے، اگر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر نہ بھیجے جاتے تو بنی اسرائیل کا نام ونشان شاید اُسی وقت دنیا سے مٹ جاتا، جس طرح دوسری قومیں دنیا سے مٹ گئیں، ویسے حضرت موسیٰؑ کے بعد اللہ نے پھر ان کی اصلاح کے لئے حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت الیاس علیہم السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبروں کو بھیجتا رہا، اور بنی اسرائیل عروج وزوال کے ساتھ صدیوں تک توحید کے

علمبردار رہی، بڑے بڑے عابد و زاہد بھی پیدا ہوتے رہے، مگر بعد میں بگڑتے بگڑتے یہ بنی اسرائیل یہودی اور نصرانی میں تبدیل ہوگئی۔

دینِ ابراہیمی کو چھوڑنے سے بنی اسرائیل ذلت میں مبتلا ہوگئے:

حضرت یوسف علیہ السلام کا دور گذر جانے کے بعد بنی اسرائیل دین ابراہیم کی خلاف ورزی میں زندگی گذارنے لگی اور جب بداعمالیوں کا شکار ہوئے تو مصر اور شام میں ایسا انقلاب آیا کہ وہاں کی آباد قوم قبطیوں کو دوبارہ اقتدار حاصل ہوگیا اور انہوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا، وہ قوم جو کسی زمانہ میں خود حاکم، رہبر اور قوی تھی وہ محکوم، غلام اور کمزور بن گئی، تلمود میں ہے کہ غلام ایسے بنے کہ تاریخِ انسانی میں ایسی ذلت و رسوائی اور مجبوری ومحتاجی، بزدلی وپستی کسی اور قوم میں نہیں آئی، جب کوئی قوم مسلسل گناہوں کا ارتکاب کرتی ہے تو ان پر اللہ ظالم اور جابر حکمرانوں کو مسلط کردیتا ہے اور وہ عوام پر ظلم وسختی کرتے اور ان کا چین وسکون ختم کردیتے۔

ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جب یہ حالت پیدا ہوجائے تو تم حکمرانوں کو برا بھلا مت کہو! اس لئے کہ حکمرانوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ چاہے تو انہیں تم پر سخت کردے اور چاہے تو نرم کردے، اس لئے حکمرانوں سے التجا اور رحم کی درخواست کرنے کے بجائے اللہ سے رجوع ہوکر مدد مانگو۔ (مگر بے شعور لوگ اللہ سے رجوع ہونے کے بجائے حکمرانوں کے پیر ہاتھ پڑتے ہیں۔)

فرعون قبطی قوم میں سے ہوتے تھے:

قبطیوں کا بادشاہ فرعون خاندان سے ہوتا تھا، یہ کسی بادشاہ کا نام نہیں بلکہ لقب تھا، فرعون کے معنیٰ سورج دیوتا کی اولاد کے ہیں، جو بھی بادشاہ بنتا فرعون کا لقب اختیار کرتا اور اپنے آپ کو عوام میں ربِّ اعلیٰ یعنی مہادیوتا ہونے کا احساس دلاتا، اُسے فرعون کے نام سے پکارا جاتا، جیسے حیدرآباد دکن کے حکمرانوں کو نظامِ دکن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں دو فرعون گذرے ہیں۔

حکمران کمزور طبقوں کو دبا کر رکھنے کے لئے اُن پر ظلم کرتے ہیں:

فرعونیوں کی حکومت نے بنی اسرائیل کی طاقت اور تعداد کو کم کرنے، دوبارہ ناقابلِ اقتدار بنانے کے لئے ان پر طرح طرح کے مظالم، تکالیف کے پہاڑ توڑے گئے اور اس کے منصوبے

بنانے لگے، اسرائیلی قوم جب دین ابراہیمی کی تعلیمات کے ساتھ شرک اور جاہلانہ رسوم ورواج، دنیا پرستی میں مبتلا ہوگئی تو ظالموں کے ہاتھوں ذلت ورسوائی میں گرفتار ہوگئی، اور قبطی قوم نے ان کو اپنا خادم، نوکر اور غلام بنالیا اور مزدوری کے پیشہ پر لگادیا اور کم سے کم اجرت دے کر ان کی معاشی حالت کمزور کردی، ان کی زمینوں، جائیداد اور مکانات پر ناجائز قبضہ کرلیا، مردوں سے مزدوری، کھیتوں میں کام، سڑکیں بنانا، نالیاں صاف کرنا، راستوں کی صفائی، جانوروں کی حفاظت جیسے ادنیٰ درجے کے کام لے کر کم سے کم معاوضہ پر رکھنے لگے، ان کو آپس میں گروپ بنا کر لڑاتے رہے، عورتیں گھروں میں پکوان، برتن اور کپڑوں کی صفائی اور بچوں کو سنبھالنے کا کام کرتی تھیں۔

اللہ کی تقدیر کے سامنے مخلوق کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہوتا

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ o (البقرہ: ۴۹)

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں قومِ فرعون کی غلامی سے نجات دلائی جو تم پر بڑے ستم توڑ رہے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کردیتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے اور اس حالت میں تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان تھا۔

تلمود میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی پیدائش سے قبل اُس وقت کے فرعون بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ بھڑکی جو مصر کے ہر قبطی کے گھر میں گھس کر ان کو جلا ڈالا، وہ آگ سے بنی اسرائیل کے کسی مکان کو نقصان نہیں پہنچا، وہ مکمل محفوظ رہے، نجومیوں نے اس خواب کی تعبیر یہ بتلائی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے، جس کے ہاتھوں فرعون کی حکومت کا تختہ الٹ جائے گا اور فرعون کو خدائی دعوے کی بدترین اور بنی اسرائیل پر ظلم کرنے کی سزاء ملے گی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر سے سے نکل کر جارہے تھے درمیان میں ان کی بیوی حضرت سارہؓ کو بادشاہ نے لونڈی بنانے کی غرض سے پکڑ لیا، مگر اللہ نے ان کی عصمت کی حفاظت فرمائی اور وہ دست درازی نہ کرسکا، اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میری اولاد میں سے ایک لڑکے کے ہاتھوں ملک مصر اور اس قوم کا صفایا ہوگا، بادشاہ ذلت کے ساتھ ہلاک ہوگا، یہ بات پورے مصر میں مشہور ہوگئی تھی، اُسے قبطی بھی سنتے

تھے، اور اس بات کی خبر فرعون کے دربار میں پہنچا دی گئی، اسی وجہ سے فرعون بنی اسرائیل پر ظلم کرنے لگا، اور ان کو ہر طرح کی ذلت اور تکلیف میں مبتلا رکھنا چاہتا تھا تا کہ پھر بنی اسرائیل طاقت وقوت میں دوبارہ برسر اقتدار نہ آسکیں۔

☆ اس میں یہ بھی سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو سزا دینا چاہتا ہے تو سدھرنے سنبھلنے کے لئے اُسے خواب یا کسی دوسرے طریقے سے خبردار کر کے حقیقت عیاں کر دیتا ہے، فرعون کو خواب دِکھا کر یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ بات کو عام کر کے سنبھلنے اور سدھرنے کا الارم دیا کہ وہ اللہ کی بندگی کی دعوت جو آئندہ اُسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملنے والی ہے قبول کر کے عبدیت و بندگی اختیار کر لے، ورنہ تباہ ہو جائے گا۔

☆ اس میں یہ بھی سبق دیا گیا کہ کائنات کا اصل حکمران اللہ ہے، سب اس کے غلام اور بندے ہیں، وہی مسلم اور غیر مسلم سب کا مالک ہے، وہ جب اپنے کسی غلام کو زمین کے کسی حصہ پر اقتدار اور حکومت عطا کرے تو وہ اپنے آپ کو مطلق سب کچھ نہ سمجھے اور اس کے بندوں پر ظلم وزیادتی نہ کرے، اگر اقتدار اور طاقت ملنے پر ظلم کیا تو پھر کائنات کا اصل مالک خاموش نہیں رہے گا، ایک نہ ایک دن ظالم کو ذلت اور بے عزتی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، اس لئے طاقت و قوت اور ہتھیاروں پر اللہ سے نڈر مت بن جاؤ۔

جو لوگ ظالم ہوتے ہیں وہ ظلم ہی کے منصوبے بناتے ہیں اور اپنے اقتدار و کرسی کو بچانے کے لئے انسانی خون سے کھیلنے سے تک نہیں جھجکتے، اللہ کی طاقت وقدرت کو بھول کر اپنے کو خدا سمجھتے اور اللہ سے نڈر بنے رہتے ہیں، ان کو اپنی موت نظر نہیں آتی، حالانکہ انسان اللہ کی طرف سے معمولی پھوڑا پھونسی کی تکلیف، آگ کی جلن اور بھوک و پیاس کا تک مقابلہ نہیں کر سکتا، اللہ کی تقدیر کے سامنے کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا، فرعون نے اپنی ناقص عقل کی تدبیر کی، مگر اللہ کے منصوبے کے سامنے ناکام رہا۔

فرعون کے مظالم بنی اسرائیل کے گناہوں کا کفارہ بن گئے:

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس تعبیر کے بعد فرعون بادشاہ نے بنی اسرائیل کو ذلیل وخوار کرنے ان کے پیدا ہونے والے مرد بچوں کو قتل کر ڈالنے اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کا حکم دیا تا کہ ان کی تعداد گھٹ جائے اور ان کی قوت کمزور ہو جائے اور ان کی لڑکیوں سے قبطی

زنا کر کے اپنے استعمال میں لے آئیں اور اسرائیل کے بجائے قبطی نسل نکلنا شروع ہو۔

اس حکم کے بعد حکومت کی طرف سے جاسوس عورتیں ہر محلے میں چھوڑی گئیں جہاں بنی اسرائیل آباد تھے، وہ جاسوس عورتیں گھروں میں آ کر حاملہ عورتوں کا ریکارڈ رکھتی اور حمل ساقط ہوتے ہی بچہ یا بچی پیدا ہونے کی جانچ کرتی تھیں، یا کسی گھر سے چھوٹے بچے کی رونے کی آواز آتے ہی فوراً اس گھر کی جانچ کی جاتی اور مرد بچہ ہو تو جلادوں کو اطلاع دی جاتی، وہ چھریوں، چاقوؤں اور تلواروں کے ساتھ آ کر مرد بچے کو ماں باپ ہی کے سامنے گھر ہی میں ذبح کر دیتے، یہ بنی اسرائیل کے لئے بہت بڑا ظلم، آزمائش اور عذاب تھا، یہ تماشہ بنی اسرائیل کی بستیوں میں ہر روز ہوتا رہتا تھا، بنی اسرائیل تماشائی بنے صبر و تحمل سے صرف دیکھتے رہتے تھے۔

فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کا دوبارہ قتل عام کیا، یہ ان کے لئے بہت بڑا ظلم تھا اور صبر کو اختیار کرنا بے انتہاء مشکل تھا، مگر اللہ رحمٰن و رحیم ہے، وہ اپنے بندوں کی تکالیف پر دنیا کے گناہوں کی معافی دینا چاہتا ہے، چنانچہ بنی اسرائیل باوجودیکہ وہ بگڑے ہوئے مسلمان تھے، بہر حال فرعون کے اس ظلم پر صبر کئے تو اللہ نے اپنی حکمت سے بچوں کے قتل کو ان کے گناہوں کے معاف ہونے کا کفارہ بنا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مؤمن کو دنیا کی تکالیف اور مصیبت پر گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت دی۔

اللہ کی صفت ''قَادِرٌ'' کی کھلی مثال:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

مگر چونکہ بنی اسرائیل ایمان والے تھے، گناہوں میں مبتلا ہو گئے تھے، تو اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت فرما کر ان کے بچوں کا قتل ان کے لئے توبہ اور معافی کا ذریعہ بنا دیا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو دو جگہ سزا نہیں دیتا، اس طرح سیکڑوں مرد بچوں کو قتل کر دیا گیا، جب فرعون کی عوام نے یہ دیکھا تو فرعون کے دربار میں درخواست کی گئی کہ اگر اس طرح بنی اسرائیل کے مرد بچوں کو ختم کر دیا گیا تو ہمارے گھروں میں نوکری اور محنت مزدوری کرنے والے، نالیاں وغیرہ صاف صفائی کرنے والے، کھیتی کرنے والے اور نوکر و خادم ہمیں نہیں ملیں گے اور ہماری زراعت و تجارت میں نقصان ہوگا اور ہمیں خود چھوٹے چھوٹے کام کرنے پڑیں گے، اس پر شاہی حکم جاری ہوا کہ ایک سال مرد بچوں کو زندہ رہنے دو۔

دوسرے سال پیدا ہونے والے بچوں کو مار ڈالو، اتفاق سے حضرت ہارونؑ جو حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے اور آگے چل کر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ دینے والے بنے، وہ اس سال پیدا ہوئے جس سال مرد بچوں کو زندہ رکھنے کا حکم تھا، روایات میں ہے کہ وہ تین سال بڑے تھے، اور حضرت موسیٰؑ اُس سال پیدا ہوئے جس سال بچوں کو قتل کرنے کا حکم تھا، حضرت موسیٰؑ کی والدہ کا حمل عام عورتوں کی طرح ظاہر نہیں ہوا، جاسوس عورتیں حمل پہچان نہ سکیں اور ان کو حضرت موسیٰؑ کی پیدائش کی خبر بھی نہ ملی، حضرت موسیٰؑ کا نسب عمران بن قامت بن لاوی بن یعقوب ہے۔

اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا!

اس سے ہمیں یہ سبق دیا گیا کہ دنیا کی اس زندگی میں کوئی کسی کو اللہ کی مشیت کے بغیر نہ زندگی دے سکتا ہے اور نہ موت کے گھاٹ اُتار سکتا ہے، جب اللہ کی مرضی نہ ہو تو انسان اللہ کی ایک مخلوق چوہا، جھینگور اور مچھر کو بھی نہیں مار سکتا، انسان چاہے اپنے بچنے کے لئے جتنے منصوبے بنالے وہ تقدیر اور اللہ کی مشیت کے آگے مجبور ہے، اللہ نے حضرت موسیٰؑ کی پیدائش میں اپنے ہر طرح سے قادر ہونے کی تعلیم دی ہے، اللہ کو جس وقت جس کو پیدا کرنا ہے اُسے وہ پیدا کر کے رہتا ہے، اگر ایسا نہ ہو جو انسان کے منصوبوں کے آگے مجبور ہو جائے تو وہ مجبور و محتاج ہو جائے گا، اور جو مجبور ہو وہ خدا نہیں کہلا سکتا، اس لئے ایمان والوں کو اپنی زندگی اور موت کے بارے میں پوری طرح صرف اللہ پر نظر رکھنا ہوگا۔

دنیا کے حالات کی حکمت انسان نہیں سمجھ سکتا، مصیبت بھی رحمت ہوتی ہے:

اس میں یہ بھی سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بعض حالات امتحان اور تکالیف کے پیدا کرتا ہے اور پھر وہ اپنے رحم و کرم سے ان تکالیف کو بندوں کے گناہ معاف کرنے کا ذریعہ بنا دیتا ہے، بنی اسرائیل پر ایک وقت تک بچوں کے قتل ہونے کا وقت گذرا مگر مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ نے ان بچوں کے قتل کو بنی اسرائیل کے گناہ معاف کرنے اور مقتول بچوں کو جنت دینے کا کفارہ بنا دیا ہے، جس کی اطلاع بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ بعد میں دی گئی، وقتی تکلیف کو وہ صبر کے ساتھ برداشت کر گئے، اس لئے ایمان والوں پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ بھی اللہ کی نعمت ہے اس پر صبر کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، زندگی کے حالات کی مشیت ہم نہیں سمجھ سکتے۔

اس قسم کے واقعات سے صحابہ کرامؓ کے ایمان میں جان پیدا ہوتی تھی:

اس قسم کے واقعات کے سننے اور جاننے کے بعد صحابہ کرامؓ کے ایمان میں مضبوطی آجاتی

اور ان کی کیفیت ہی بدل جاتی تھی، وہ موت سے گھبراتے نہیں تھے، بے دھڑک موت کی تمنا کرتے ہوئے تلواروں کے بیچ میں اللہ کی قدرت پر کامل یقین رکھ کر دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے تھے، ان کو دیکھ کر مشرکین کی ہمتیں کمزور پڑ جاتیں اور وہ گھبرا کر کہتے کہ یہ کیسے انسان ہیں کہ موت سے ڈرتے ہی نہیں۔

یہود و نصاریٰ موت سے بہت گھبراتے تھے، ان کو جینے کی بہت خواہش رہتی، ہزار سال بھی عمر مل جائے تو ان کے جینے کی خواہش پوری نہیں ہوتی، مرنے کا ڈر اور اپنے بیوی بچوں کے بے سہارا اور یتیم ہو جانے کا خیال انہیں بزدل بنا دیتا، وہ دنیا اور دنیا کے مال سے بے انتہاء محبت رکھتے، ان کو یہ احساس اور عقیدہ نہیں ہوتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور بغیر اللہ کی مشیت کے موت نہیں آتی، ان کو اللہ سے زیادہ اپنا سامان، ہتھیار، مال و اسباب اور اپنی طاقت پر بھروسہ اور ناز ہوتا ہے، مؤمن کم ہتھیار رکھ کر اللہ کی صفت قادر پر ایمان رکھتا ہے، اور دشمن کی طاقت و ہتھیار سے نہیں گھبراتا اور جانتا ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر موت نہیں آتی اور جب موت کا وقت آتا ہے تو انسان خود بخود گھر سے نکل کر قتل گاہ پر آجاتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی پرورش سے اللہ کی صفت ربوبیت کو سمجھایا گیا:

اللہ تعالیٰ جب کسی کو زندہ رکھنے اور پالنے پر آتا ہے تو دشمن کے گھر میں رکھ کر پالتا ہے، حضرت موسیٰؑ، حضرت یعقوبؑ کے بیٹے لاوِی کی نسل میں پیدا ہوئے، ان کے پیدا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی و الہام کے ذریعہ ان کی ماں کو یہ ہدایت دی کہ وہ جب تک خطرہ نہ رہے، بچے کو اپنے پاس ہی رکھے اور جب بھی خطرہ محسوس ہو، ایک صندوق میں ڈال کر دریائے نیل میں ڈال دے، چنانچہ کتابوں میں ہے کہ تین مہینے تک حضرت موسیٰؑ کو ماں دودھ پلاتی رہی اور خدمت کرتی رہی، پھر اچانک جب خطرہ محسوس ہوا تو ایک ٹوکرے میں صندوق رکھ کر تا کہ پانی میں نہ ڈوب سکے دریائے نیل میں ڈال دیا، جو ان کے گھر کے بازو سے ہی بہتا تھا۔

دریائے نیل فرعون کے محلات کی طرف سے بہتا تھا، فرعون کے ملازمین نے ٹوکرا نکالا تو اس میں لکڑی کے صندوق میں خوبصورت حسین بچہ ملا، فرعون کو جہاں وہ اپنی بیوی کے ساتھ تفریح کر رہا تھا، اطلاع دی گئی، ملازموں نے خدشہ ظاہر کیا کہ یہ ٹوکرا بنی اسرائیل کی طرف سے آیا ہے، شاید کسی نے قتل سے بچانے کے لئے بچہ کو دریا میں ڈال دیا، اُسے قتل کر دینا چاہئے، چونکہ اُس سال

بچوں کو شاہی حکم پر قتل ہی کرنا تھا، اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نگرانی کر رہا تھا۔

اللہ نے فرعون کی بیوی کو حضرت موسیٰؑ کی حفاظت کا ذریعہ بنایا:

اُدھر حضرت موسیٰؑ کی والدہ بے حد پریشان تھیں، اپنی بیٹی کو دریا کے ساتھ ساتھ نگرانی کے لئے چھوڑا تھا، حضرت موسیٰؑ کی بہن جو ۱۲۔۱۴ سال کی تھی' دریا کے ساتھ صندوق کی نگرانی کرتے ہوئے جان لیا کہ صندوق شاہی محل کی نہر میں چلا گیا، اللہ نے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے دل میں اطمینان اور سکون پیدا کیا کہ بچہ ضائع نہیں ہوگا، اللہ حفاظت فرمائے گا اور واپس دلوادے گا، بہن شاہی محل کے باہر حالات جاننے کے لئے پھرتی رہی، اللہ تعالیٰ بچے کو اتنا خوبصورت اور نورانی پیدا کیا تھا کہ جو بھی دیکھے دیوانہ بن کر حاصل کرنا چاہے، ہر دیکھنے والے کو پیار آجاتا تھا۔

فرعون کی بیگم بھی بچے کو دیکھتے ہی دیوانی ہوگئی، بچے سے سب سے زیادہ محبت ہوگئی اور قتل کرنے سے منع کیا، کہا کہ اُسے نہ مارو! رہنے دو، اس ایک بچے سے بنی اسرائیل کی طاقت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، فرعون اس وقت لاولد تھا، بیوی نے کہا کہ ہم اِسے پال لیں گے، بیٹا بنالیں گے، جب ہم اسے پالیں گے اور جب یہ ہمارے درمیان رہ کر پرورش پا کر بڑا ہو جائے گا تو آل فرعون قبطی قوم کا فرد بن جائے گا، اُسے خبر بھی نہیں ہوگی کہ وہ اسرائیلی ہے، چونکہ فرعون نے اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ شاید کوئی اسرائیلی عورت کا بیٹا ہو' جسے ختم کرنے کے لئے میں نے ہزاروں بچوں کو قتل کیا ہوں' اللہ تعالیٰ نے فرعون کے دماغ پر پردہ ڈال دیا اور اس کی عقل کام نہ کرسکی اور اپنی بیوی کی باتوں پر یہ کہتے ہوئے راضی ہوگیا کہ یہ تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو' مجھے ٹھنڈک کی ضرورت نہیں، چونکہ بیوی نے کہا تھا کہ شاید میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک بن کر نفع پہنچائے، چنانچہ اسی قول کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کو ایمان عطا فرما کر جنت کا محل عطا فرما کر نفع پہنچایا اور آنکھوں کو ٹھنڈک بھی عطا فرمائی اور فرعون ایمان سے محروم رہا۔

اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو پھر ان کی ماں کی پرورش میں دے دیا:

محل میں جو دودھ پلانے والیاں آئی تھیں' ان کا دودھ بچہ کو پلایا گیا، مگر حضرت موسیٰؑ نے کسی کی چھاتی کو منہ نہ لگایا، آخر کار خدمت گذاروں سے کہا گیا کہ شہر میں کوئی اچھی پرورش کرنے والی اور دودھ پلانے والیاں ہوں تو بلاؤ، جب محل کے باہر خدمت گذار دایا کو ڈھونڈنے نکلے تو حضرت موسیٰؑ کی بہن نے ان سے کہا کہ میں ایک اچھی دایا کا پتہ بتلاتی ہوں، اس پر فرعون کے

ملازموں کو شک ہوا کہ شاید یہ لڑکی اس بچے کی رشتہ دار ہو اور اس کی ماں کو جانتی ہو، لہٰذا ان کی بہن کو پکڑ کر محل میں لے گئے اور پوچھ تاچھ کی بہن نے بتایا کہ شاہی انعام پانے کے لئے میں اچھی دایا کا پتہ بتلانا چاہتی تھی، اس پر ان لوگوں نے اپنے شک کو غلط سمجھا اور بہن کو چھوڑ دیا۔

بہن، چوکیداروں کو ماں کے پاس لائی، سارا حال سنایا، تب چوکیدار ماں کو شاہی محل لے گئے اور حضرت موسیٰؑ کو ان کی گود میں دیا جاتا ہے تو حضرت موسیٰؑ نے ان کا دودھ پینا شروع کر دیا، اس پر والدہ کو ملازم رکھ لیا گیا اور بچے کو دے کر کہا گیا کہ اس بچے کی پرورش تم ہی کرو اور وقفہ وقفہ سے بچے کو محل لایا کرو، تنخواہ مقرر کر دی گئی۔

کچھ عرصہ بعد فرعون کی بیوی نے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو شاہی محل میں ہی قیام کرنے کے لئے کہا تا کہ وہ بچے سے دل بہلاتی رہے، مگر حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے اپنے شوہر اور بچوں کی پرورش کا بہانہ بنایا اور وقفہ وقفہ سے ملانے کا وعدہ کر کے بچے کو گھر لائیں۔

اس طرح حضرت موسیٰؑ ماں باپ کے پاس اور شاہی محل میں شہزادے کی طرح پرورش پاتے رہے، دودھ چھڑاتے ہی موسیٰ کو شاہی محل میں بلا لیا، شاہی محل میں عمدہ تعلیم سے آراستہ ہوئے، اللہ کی قدرت کو دیکھئے وہ بچہ جو فرعون ہی کو غارت کرنے کے لئے پیدا ہوا، ہزاروں بچوں کے قتل کے باوجود فرعون ہی کے گھر میں پرورش پایا اور تعلیم حاصل کی۔

چنانچہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کی بستیوں میں آتے جاتے، سیر کرتے ہوئے فرعون کی حکومت کے ہر ظلم و زیادتی کو دیکھتے رہتے تھے، حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے ان کو ساری باتوں کا علم آہستہ آہستہ دیتی گئیں، حضرت موسیٰؑ میں اللہ نے غیر معمولی صلاحیتیں دی تھیں، انہوں نے ہی فرعون کو مشورہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے نوکروں کو ہفتہ میں ایک دن آرام دیا جائے تا کہ وہ تازہ دم ہو کر خدمت اچھی طرح کر سکیں، فرعون نے ان کے بہت سارے منصوبوں کو مان کر حکومت میں جاری کیا، جس کی وجہ سے مصر میں آپ اپنی ذہانت سے بہت مشہور ہو گئے تھے۔

حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی گود میں کھیلتے ہوئے اس کی داڑھی پکڑ لی:

بچپن میں حضرت موسیٰؑ سارے دربار کے لاڈلے تھے، ایک مرتبہ جب آپ کو شاہی محل میں چھوڑ دیا گیا تو فرعون اپنی گود میں لئے بیٹھا تھا، آپؑ نے اس کا تاج سر سے اتار کے اپنے سر پر رکھ لیا، یا اس کی داڑھی پکڑ لی، اس پر فرعون کو غصہ آ گیا، پھر اس نے گمان کیا کہ شاید یہی بچہ میرا دشمن

ہے جس کے بارے میں کاہنوں نے مجھے آگاہ کیا تھا، اسے قتل کر دینا چاہئے، کہیں یہ میری موت کا سبب تو نہیں بنے گا؟ بیوی نے کہا: بچے کم عقل ہوتے ہیں، اچھے بُرے کی تمیز نہیں رکھتے، آپ تجربہ کرنا ہو تو آگ اور ہیرہ رکھ کر دیکھ لیں، یہ ہیرے کے بجائے آگ کی طرف بڑھتے ہیں۔

بیوی کی بات پر تجربہ کیا گیا، حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ کو حضرت جبرئیلؑ نے آگ کے ڈلے کی طرف بڑھا دیا، وہ آگ کا انگارا لے کر منہ میں رکھ لئے اور ان کی زبان کو چرکہ لگا، اسی وجہ سے آپؑ کی زبان میں لکنت آ گئی، فرعون کو اطمینان ہو گیا۔

مگر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ بات غیر مستند ہے، اس کی دلیل نہیں ہے، اللہ نے جسے بھی پیغمبر بنایا وہ ہر طرح سے بے عیب' خوبصورت اور تمام صلاحیتوں سے متصف اور تمام انسانوں میں اعلیٰ تھے، ان کے سوچنے سمجھنے اور بات کرنے اور سمجھانے کی صلاحیتیں سب سے اعلیٰ ہوتی ہیں، اس کے باوجود حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے اپنی زبان میں اثر پیدا ہونے کی دعاء فرمائی، اللہ نے آپ کو خطابت میں مہارت عطا فرمائی جس سے فرعون لاجواب ہو جاتا تھا۔

☆ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جب کسی کی حیات باقی رکھنا ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اُسے ہلاک نہیں کر سکتی، اللہ نے فرعون کی عقل پر پہرہ بٹھا کر بیوی کی باتوں سے مرعوب کروا کر بیوی کے مشورے پر عمل کروایا، انسان تقدیر کے سامنے مجبور ہے، تقدیر میں جو ہونا ہے ہو کر رہتا ہے۔

☆ اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر پر اللہ اپنے منصوبے سے وہ تقدیر کے لکھے کو پورا کرتا ہے، چنانچہ اس نے اپنی حکمت سے حضرت موسیٰؑ کو فرعون ہی کے گھر میں رکھ کر پالا، پھر اپنی حکمت سے ماں کے پاس لوٹا دیا، دو مرتبہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنا چاہا مگر بیوی کے دماغ کے مطابق کام کر کے ناکام ہو گیا، اس لئے انسان پر جو حالات آئیں ان کی حکمت کو وہ سمجھ نہیں سکتا، اللہ خیر سے شر اور شر سے خیر نکالتا ہے، انسان چاہے کتنے منصوبے بنا لے تقدیر میں جو لکھا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔

☆ فرعون نے خدائی دعویٰ کیا تھا، اللہ نے بتلا دیا کہ تو کیا؟ تیری حیثیت کیا؟ تیرے گھر ہی میں رکھ کر تیرے ذریعہ ہی بچے کی پرورش کروا کر اسی بچے سے تجھے برباد کیا جائے گا، تو خود کتنا مجبور ہے غور کر لے، اسی طرح جو باغی انسان دنیا میں بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں انہیں اپنی مجبوری و محتاجی پر نظر رکھنا چاہئے۔

☆ دنیا میں فسادی لوگ جب غلط منصوبے بناتے ہیں تو ان کے ساتھ رہنے والے عقلمند و خدا ترس لوگ ان کو فساد اور خون خرابے سے روکنے کے لئے کچھ اس طرح مشورے دیں جس سے فساد اور نقصان ٹل جائے اور لوگوں کو نقصان نہ ہونے پائے، جس طرح فرعون کی بیوی نے فرعون کے دماغ کو تبدیل کیا اور حضرت موسیٰؑ کو بچایا' اسی طرح حضرت یوسفؑ کے بھائی یہودا نے اپنے بھائیوں کو مشورہ دے کر ان کے دماغ کو تبدیل کیا اور حضرت یوسفؑ کو بچایا۔

☆ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انسان اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر پر کامل بھروسہ رکھے، انسان کے غلط منصوبوں اور نقصان پہنچانے والی تدبیروں سے نہ گھبرائے، کیونکہ اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور نہ فائدہ دے سکتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے گھونسے سے قبطی کی موت:

ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ رات کے وقت شہر کی طرف نکلے، لوگ سو رہے تھے، راستے میں سنسان جگہ ایک قبطی اور اسرائیلی کو لڑتے ہوئے دیکھا، دفاع و صلح کی غرض سے ان کے قریب جا کر دونوں کو سمجھانا چاہا، قبطی نے زیادتی کی تھی، حضرت موسیٰؑ نے اُسے پکڑ کر ہٹانا چاہا، اس کے نہ ہٹنے پر ایک گھونسہ مارا، وہ اس مار کی تاب نہ لا کر اسی وقت مر گیا، ان کی نیت قطعی قتل کرنے کی نہ تھی، اپنے دل میں شرمندگی محسوس کی، ان کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ ان کے گھونسے میں اللہ نے اتنی طاقت رکھی ہے کہ سامنے والا مر ہی گیا، انہوں نے اپنے دل میں اس فعل پر شرمندگی محسوس کی اور چونکہ ان کا ارادہ صلح کا تھا قتل کا نہیں' سمجھا کر علاحدہ کرنے چاہتے تھے، تو اس پر انہوں نے کہا کہ یہ تو شیطانی کام ہے، شیطان دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی اور استغفار کیا، اللہ تعالیٰ نے بخش دیا، پھر اللہ سے وعدہ کیا کہ آئندہ کسی نافرمان کی مدد نہیں کروں گا، بہت ڈرتے ڈرتے شہر میں داخل ہوئے۔

دوسرے دن پھر وہی اسرائیلی کو کسی دوسرے قبطی سے لڑ رہا تھا، قریب گئے تو دیکھا کہ وہی اسرائیلی آج دوسرے قبطی سے لڑ رہا ہے، اس سے کہا کہ تو زیادتی کرنے والا ہے، صلح کے لئے آگے بڑھے تو اسرائیلی نے سمجھا کہ حضرت موسیٰؑ اُسے مارنے آ رہے ہیں، حالانکہ انہیں علاحدہ کرنے آ رہے تھے، اسرائیلی نے چیخ کر کہا کہ اے موسیٰ! کل جس طرح تم نے اُس آدمی کو مار ڈالا تھا کیا آج مجھے بھی مارنا چاہتے ہو؟ پہلے جھگڑے کے بعد قبطی کے قتل کی خبر شہر میں پھیل گئی' لیکن قاتل کا پتہ نہ

چلا، فرعون کے درباریوں نے کہا کہ یہ قتل کسی اسرائیلی نے کیا ہوگا، لہٰذا اسرائیلیوں سے بدلہ لیا جائے، فرعون نے کہا کہ قاتل کا پتہ لگاؤ۔

قبطی کے قتل کا راز ظاہر ہوتے ہی حضرت موسیٰؑ کو مصر چھوڑنا پڑا:

دوسرے قبطی نے جب اسرائیلی سے یہ بات سنی کہ کل جس کی موت ہوئی اسے حضرت موسیٰؑ نے مارا ہے، فوراً وہ شاہی محل جا کر بتا دیا کہ اُس قبطی کا قتل موسیٰ نے کیا ہے، فرعون کو جیسے ہی معلوم ہوا تو دربار میں فیصلہ ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے، فرعون کے دربار کا ایک درباری جو حضرت موسیٰؑ کا ہمدرد تھا اور بنی اسرائیل کو حق پر سمجھتا تھا، اس نے گھوڑا دوڑاتا ہوا آ کر اس بات کی اطلاع دی اور آپؑ کو شہر سے نکل جانے کا مشورہ دیا، اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب اللہ کسی کی مدد و نصرت کرنا چاہتا ہے تو دشمنوں اور باطل پرستوں ہی میں سے مظلوم کی مدد کرنے والے کو کھڑا کر دیتا ہے، جیسے فرعون کے درباری کی مثال ہے، جو درباریوں کے ساتھ تھا ان کے قتل کا فیصلہ سنتے ہی حضرت موسیٰؑ کو اطلاع دی، گھبرا کر حضرت موسیٰؑ وہیں سے مصر چھوڑ کر جنگل اور سنسان راستے پر نکل پڑے، اللہ نے غیب سے مدد کی، جنگلوں اور بیابان سے نکل کر شہر مدین کے راستے پر نکل پڑے، اللہ سے امید رکھی کہ وہ سیدھے راستے پر لے جائے گا، چلتے چلتے لمبا سفر طے کر کے تھکے ماندے، بھوک و پیاس کی حالت میں ایک کنویں کے پاس آ کر درخت کے نیچے آرام کے لئے لیٹ گئے اور اللہ سے مدد کی دعاء کرتے رہے۔

حضرت موسیٰؑ نے کنویں سے پانی نکال کر لڑکیوں کی مدد کی:

لیٹے لیٹے دیکھا کہ مختلف چرواہے اپنی اپنی بکریوں کو کنویں سے پانی نکال کر پلا رہے ہیں، دو لڑکیاں دور ٹھہری اپنی بکریوں کے ساتھ اپنی باری کے انتظار میں کھڑی ہیں، اٹھے اور لڑکیوں کے پاس جا کر پوچھا: کیوں ٹھہری ہو؟ انہوں نے بتلایا کہ چرواہے اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے بعد پانی جو بچ جائے ہم اپنی بکریوں کو وہ پانی پلانے ٹھہری ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چرواہوں نے کنویں کے منہ کو ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا جس کو دس آدمی مل کر ہٹا سکتے تھے، حضرت موسیٰؑ نے اکیلے اس پتھر کو ہٹا دیا اور ایک ہی ڈول پانی نکالا، اللہ نے اسی ایک ڈول پانی میں اتنی برکت دی کہ اتنا ہی پانی بکریوں کے لئے کافی ہو گیا، لڑکیاں بکریوں کو لے کر گھر چلی گئیں۔

اللہ کی طرف سے مدین میں ٹھہرنے کا انتظام اور احسان کا بدلہ:

گھر پر والد نے لڑکیوں سے جلد آجانے کی وجہ پوچھی تو لڑکیوں نے سارا واقعہ سنایا، حضرت موسیٰؑ پانی پلا کر بھوکے تو تھے ہی، تھکان دور کرنے پھر درخت کے نیچے ہی لیٹ گئے، لڑکیاں جان گئی تھیں کہ یہ تھکے مارے ہیں، بھوکے ہیں، والد سے بلا کر احسان کا بدلہ ادا کرنے کے لئے کہا، والد نے کہا: بلا لاؤ! لڑکیوں نے آکر حضرت موسیٰؑ سے یہ نہیں کہا ہمارے والد آپ کو بلا رہے ہیں، بلکہ کہا کہ ہمارے والد آپ کو آپ کے احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں، آپ کو مزدوری دینے کے لئے بلایا ہے، جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے۔

حضرت موسیٰؑ احسان کا بدلہ لینا پسند نہیں کرتے تھے، بس لڑکیوں کے والد سے ملنا سمجھ کر چلے، حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے دعاء کی تھی کہ اے میرے رب! میں تیرے احسانوں کا محتاج ہوں، اس بلاوے کو اللہ کی مدد تصور کر کے چلے گئے۔

تقویٰ اختیار کرنے پر منجانب اللہ روزگار اور نکاح کا انتظام:

حضرت موسیٰؑ نے راستہ چلتے چلتے لڑکیوں کو ہدایت دی کہ وہ ان سے آگے نہ چلیں بلکہ پیچھے چلتے ہوئے پتھر پھینک کر راستہ بتائیں، وہ اسی رخ پر چلیں گے۔

حضرت موسیٰؑ کے اس واقعہ میں متقی و پرہیزگار لوگوں کے اندازِ زندگی کو بیان کر کے گویا حضور اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کے ہر مرد و عورت کو شرم و حیاء کا پہلو اپنی زندگی میں قائم رکھنے کا طریقہ سکھایا اور راستہ چلتے وقت غیر عورت کو نامحرم کے پیچھے چلنے کی تربیت دی۔

گھر آنے کے بعد ایک لڑکی نے کہا: ابا جان! انہیں بکریاں چرانے پر ملازم رکھ لیجئے، یہ طاقتور بھی ہیں اور امانت دار بھی، محنت سے کام کریں گے، والد نے پوچھا: تم کو کیسے معلوم کہ یہ طاقتور اور امانت دار ہیں؟ لڑکی نے کہا کہ اکیلے کنویں کے اوپر کا پتھر ہٹایا اور راستے میں ہمیں باوجود شرم و حیاء اور چادر اوڑھے رہنے کے ہمیں پیچھے چلنے کو کہا۔

روایتوں میں ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے یا ان کے بھتیجے تھے، انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے سارا واقعہ دریافت کیا، پھر حضرت موسیٰؑ کو اپنے پاس رہنے اور دونوں میں سے ایک لڑکی کا نکاح ان کے ساتھ کرنے اور آٹھ سال تک بکریاں چرانے کی ملازمت کرنے کی شرط رکھی، چاہے تو دو سال بڑھانے کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا، اور کہا کہ یہاں فرعون کی حکومت نہیں ہے،

تم اطمینان سے بے خوف رہ سکتے ہو۔

حضرت شعیبؑ کے کہنے پر حضرت موسیٰؑ راضی ہوگئے اور ایک لڑکی جس کا نام صفورا تھا سے ان کا نکاح ہوگیا، دوسری لڑکی اولیا تھی، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ تین انسانوں کی دانائی کسی اور میں نہیں پائی جاتی، ایک حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی کی، جس نے اپنے والد سے حضرت موسیٰؑ کی سفارش کی، دوسرے حضرت یوسفؑ کے خریدار مصری کی، جو ایک نظر میں حضرت یوسفؑ کو پہچان لیا، تیسرے حضرت ابوبکرؓ کی، کہ حضرت عمرؓ کو منتخب کیا۔

نکاح کے بعد حضرت موسیٰؑ نے سوچا کہ خاموشی سے وطن جاؤں، رشتہ داروں سے مل لوں، رخصت کی اجازت لی، اور بیوی سے کہا کہ وہ اپنے والد سے چند بکریاں دینے کی گذارش کرے تاکہ سفر آسانی سے طے کیا جاسکے۔

پیغمبروں سے بکریاں چرانے کی حکمت:

دنیا میں اللہ نے اکثر پیغمبروں کو بکریاں چرانے کی تربیت کروائی، اس کی حکمت کو ذہن میں رکھئے، بکری بہت کمزور اور معصوم جانور ہوتا ہے، اور اس پر مسلسل نگاہ رکھنا بہت ضروری ہے، اگر وہ راستہ سے بھٹک جائے یا ریوڑ سے نکل جائے تو بھیڑیئے اور کتوں کا شکار ہوجاتی ہے، چرواہا بغیر آرام کے ان پر مسلسل نظر رکھتا ہے، اور ان کے بار بار ریوڑ سے نکلنے یا اِدھر اُدھر چلے جانے پر مارتا نہیں بلکہ صبر و برداشت کے ساتھ واپس لاکر ریوڑ میں شامل کرلیتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے، کوئی چلنے سے مجبور ہوجائے تو اپنے کندھے پر ڈال کر لے چلتا ہے، خود تکلیف اٹھاتا ہے اور ان کو آرام پہنچاتا ہے۔

انسانوں کا بھی یہی حال ہے، ان کی تربیت اور رہبری کے لئے اصلاح کرنے والے میں بے انتہاء صبر اور برداشت اور حلم و بردباری کا مادّہ ہونا ضروری ہے، اس لئے پیغمبر سے پہلے بکریاں چروا کر ان صفات کی مشق و تربیت کرائی جاتی ہے تاکہ وہ انسانوں کی ہر غلطی کو محبت کے ساتھ برداشت کرکے ان کی اصلاح کریں، عفوودرگذر کا معاملہ کریں۔

حضرت موسیٰؑ کو نبوت وادیٔ طُویٰ میں ملی:

حضرت موسیٰؑ سفر پر تھے، اس درمیان رات کا وقت آگیا، اس وقت سردی بہت تھی، اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا، بیوی کو ایک مقام پر بیٹھایا اور خود راستہ تلاش کرنے کے لئے نکلے، اچانک

ایک ہرے درخت سے آگ نکلتی نظر آئی، تو آگ لینے آگے بڑھے تا کہ سردی سے بیوی کو سیکنے کا موقع ملے اور آگ سے کچھ غذاء تیار کرلیں، درخت کے قریب گئے، آگ دور ہوتی گئی، کوئی پتہ جلتا ہوا نظر نہ آیا نہ کوئیلہ، صرف آگ کے شعلے درخت سے نکلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے، جوں جوں آگ کے لئے آگے بڑھتے آگ کے شعلے دور ہوتے جا رہے تھے، ان کو خوف محسوس ہوا کہ ایک روشنی کو انہوں نے آگ سمجھا، وہ آگ نہیں تجلئ الٰہی کا نور تھا، اس نور میں سے سنائی دینے والی آواز اللہ تعالیٰ کی تھی، آپ نے آواز کو اسی طرح سنا جیسے پیغمبر وحی کو سنتے ہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یکا یک آواز آئی: ''اے موسیٰ! میں ہوں تیرا پروردگار! جو تجھ سے کلام کر رہا ہوں، جوتی اتار دے! تو مقدس وادی طویٰ میں کھڑا ہے، وہ آگ نہ تھی تجلئ الٰہی کا نور تھا، ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جوتیاں مردہ گدھے کی کھال سے بنائی گئی تھیں، پاک نہ تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء دوشاخہ تھا۔

ارشادِ الٰہی ہوا: ''میں جو چاہوں کرسکتا ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، کوئی مجھ جیسا نہیں، مخلوق میں کوئی بھی میرا شریک نہیں، میں یکتا و تنہاء اور بے مثل ہوں، میرے سوا مخلوقات کا کوئی رب نہیں، میں ہر خرابی اور عیب سے پاک ہوں۔''

پوچھا: ''تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟'' حالانکہ اللہ سب جانتا ہے، حضرت موسیٰؑ جتنا سوال تھا اتنا ہی جواب دے سکتے تھے، مگر جب اپنے محبوب سے کسی کو زیادہ محبت و لگاؤ پیدا ہو جائے تو گفتگو کا اشتیاق پیدا ہو کر گفتگو طویل کر کے زیادہ دیر تک بات کرنا چاہتا ہے، حضرت موسیٰؑ نے اللہ کی آواز سنی تو خوشی سے پھولے نہ سمائے، ان کو محسوس ہوا کہ آج ان کے نصیب میں بہت بڑی دولت ملی ہے، خوشی میں زیادہ دیر تک بات کرنے لگے، کہا: ''یہ میری لکڑی ہے، اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں، بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اپنے دوسرے کاموں میں استعمال کرتا ہوں،'' کسی شاعر نے کہا ؎

خدا کی دین کا موسیٰؑ سے پوچھئے احوال آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار کے لئے عصاء کو زمین پر پھینکنے کا حکم دیا۔

اللہ کے خالق ہونے کا اظہار:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ میرا عصا ہے تو اللہ نے فرمایا کہ اُسے زمین پر پھینکو! جیسے ہی انہوں نے عصا زمین پر پھینکا وہ اژدہا بن کر تیزی سے دوڑنے لگا، پتھروں کو گرانے

لگا، یہ اس بات کی دلیل تھی کہ بات جس سے ہو رہی ہے وہی کائنات کا خالق ہے اور ہر چیز پر قادر ہے، وہی اکیلا خالق کائنات ہے، وہ جس کو جیسا چاہے بنا سکتا ہے، سانپ کو دیکھتے ہی حضرت موسیٰؑ ڈر گئے، دور بھاگ گئے، بشر ہونے کے ناطے ڈرنا فطری بات تھی، مڑ کر بھی نہ دیکھا، آواز آئی: ''اے موسیٰ! ڈرو نہیں، تم میری حفاظت میں ہو،'' اطمینان سے پھر وہیں آ گئے۔

اسی وقت دوسرا معجزہ ان کو یدِ بیضاء کا دیا گیا، فرمایا کہ اپنا سیدھا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالو، چاند سے زیادہ روشن ہو گیا، بہت ٹھنڈا، بھلا اور اچھا معلوم ہونے لگا، فرمایا: ''اگر تمہیں گھبراہٹ ڈر خوف سے دہشت ہو تو اس ہاتھ کو دل پر رکھ لو خوف جاتا رہے گا۔''

بزرگوں نے یہ بھی کہا کہ مؤمن اللہ کا نام لے کر گھبراہٹ کے وقت دل پر ہاتھ رکھ لے تو اس کی گھبراہٹ دور ہو جائے گی، ابتداء میں حضرت موسیٰؑ پر فرعون کا بہت خوف تھا، ہمیشہ دعاء کرتے: اے اللہ! میں تجھ سے اس کی برائی پر تیری پناہ چاہتا ہوں، اللہ نے دل سے فرعون کا رعب نکال دیا، اور فرعون کے دل میں حضرت موسیٰؑ کا خوف ڈال دیا، اب وہ دونوں بھائیوں کو دیکھتے ہی مارے ہیبت کے گھبراتا تھا۔

اللہ نے کہا کہ میں تم کو رسالت عطا کر رہا ہوں، فرعون کے پاس جاؤ! وہ بہت سرکش ہو گیا ہے، اس کو نرمی سے سمجھاؤ، یہ بات سن کر حضرت موسیٰؑ کو تمام گذری ہوئی باتیں یاد آ گئیں، کہا کہ اس کے آدمی کی موت میرے ہاتھ سے ہوئی ہے، کہیں وہ بدلہ کے نام پر میرا قتل نہ کر دے، اللہ نے یقین دلایا کہ ہم آپ کی پوری حفاظت کریں گے اور مددگار بنے رہیں گے، کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، پھر آپ نے زبان میں خطابت کی درخواست کی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں اور میری مدد کے لئے میرے بھائی ہارون کو بھی میرا وزیر بنا دے اور ہارون کے ذریعہ میرا بازو مضبوط کر دے، وہ مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں، تا کہ ہم دونوں مل کر نبوت و رسالت کا فریضہ ادا کر سکیں اور تیرے بندوں کو تیری عبادت کی دعوت دے سکیں، مجھے ڈر ہے کہ میں اکیلا رہا تو کہیں وہ مجھے جھٹلا نہ دیں، ہارون ساتھ ہو تو میری باتیں بھی لوگوں کو سمجھا سکیں۔

روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ مدت کے لئے ان کو نبی بنا کر حضرت موسیٰؑ کی درخواست قبول فرمائی اور حضرت موسیٰؑ کے مصر واپس ہونے سے پہلے ان کو اطلاع دیدی، بزرگوں کا فرمان ہے کہ کسی بھائی نے کسی پر احسان نہیں کیا مگر حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ پر کیا، اور ان کو نبی بنوا دیا، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے پاس حضرت موسیٰؑ کی

بزرگی اور قدر بہت ہے، اللہ نے ان کی درخواست کو رد نہیں کیا حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ آخر کار تم اور تمہارے ماننے والے ہی کامیاب ہوں گے، قرآن مجید کہتا ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں مدد کرتے ہیں۔

جب حضرت موسیٰؑ مصر پہنچے تو رات ہو چکی تھی، خاموشی سے مصر میں داخل ہوئے، اپنے مکان پہنچے مگر اندر داخل نہ ہوئے، والدہ کے سامنے خود کو ایک مسافر ظاہر کیا، آپ کا گھرانہ بنی اسرائیل میں مہمان نواز تھا، ماں نے خاطر مدارات کی، اسی دوران بڑے بھائی حضرت ہارونؑ آ گئے، اللہ نے حضرت موسیٰؑ کا سارا واقعہ بذریعہ وحی بتلا دیا تھا، ان کو رسالت ملنے کی اطلاع دیدی تھی، وہ حضرت موسیٰؑ کو اہل وعیال میں لے گئے، والدہ کو سارا حال بتلایا۔

فرعون کو اللہ پر ایمان کے ساتھ مکمل عبدیت و بندگی کی دعوت

فرعون بنی اسرائیل کو نہ سکون سے جینے دیتا' نہ ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک جانے دیتا، دونوں مل کر فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس کو اللہ واحد پر ایمان لانے اور اللہ ہی کی عبادت و بندگی کرنے کی دعوت دی، اس نے کہا کہ یہ نئی بات کہاں سے لائے ہو؟ مصر کا ربِّ اعلیٰ تو میں ہی ہوں، میرے سوا دوسرا رب کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نے اپنے وزیر ہامان کو کہا کہ ایک بہت اونچا مکان بنائے، اس پر چڑھ کر دیکھنا چاہتا ہوں کہ موسیٰ و ہارون جس کو رب مان رہے ہیں وہ کہاں ہے، خبردار! اگر تم میرے علاوہ کسی دوسرے کو رب مان رہے ہو تو قید کر کے قتل کر دوں گا۔

حضرت موسیٰؑ کی دعوت پر اس نے کہا: اچھا! تم اللہ کے نبی ہو تو اس پر کیا دلیل اور نشانی ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے اس کے سامنے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا، وہ بڑا اژدہا بن کر محل میں دوڑنے لگا، پھر آپ نے اپنا ہاتھ بغل میں رکھ کر نکالا تو وہ چاند کی طرح چمکدار سفید بن گیا، پھر فرعون نے اپنے درباریوں سے رائے مانگی تو اس کے درباریوں نے حق کو سمجھنے کے باوجود بھی فرعون کو خوش کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ کے ان معجزات کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو بڑا زبردست جادوگر ہے، فرعون نے کہا کہ یہ دونوں بھائی ہمیں اپنے اقتدار سے محروم کر کے ہماری حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں' تاکہ پھر سے قبطی حکومت ختم ہو کر اسرائیلی حکومت قائم ہو جائے۔

فرعون نے کہا: کیا تو نے میرے ہی گھر میں پرورش نہیں پائی؟ میرے پاس تو نے بچپن

سے جوانی تک زندگی گذاری ہے، کیا یہ بات بھی بھول گیا کہ تو نے ہمارے آدمی کا قتل کیا' پھر یہاں سے بھاگ کھڑا ہوا؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا: یہ سب درست ہے کہ میں نے تیرے گھر میں پرورش پائی اور ایک مدت تک شاہی محل میں رہا، مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ غلطی کی بناء پر مجھ سے نادانستہ ایک شخص کا قتل ہوگیا اور میں اس خوف سے چلا گیا، اللہ کی رحمت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ان سب مجبوریوں کے باوجود تیرے ہی گھرانے میں میری پرورش کرائی اور پھر مجھے اپنی سب سے بڑی نعمت نبوت ورسالت سے نوازا، اے فرعون! کیا یہ عدل وانصاف ہے کہ میری ایک پرورش کا بدلہ یہ ہو کہ بنی اسرائیل کی پوری قوم کو تو اپنا غلام بنائے رکھے؟ فرعون نے کہا: میں اچھی طرح سمجھ گیا کہ تو اس بہانے سے ہمیں اس سرزمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔

فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے عوام کو نفرت دلانے والا سوال کیا:

پھر فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی دعوتِ توحید پر سوال کیا کہ ہم سب کے باپ دادا جو برسہا برس سے نسل در نسل ایک اللہ کو چھوڑ کر مخلوقات کی پوجا و پرستش کرتے آرہے ہیں' ان کا کیا حال ہوگا؟ کیا وہ سب بیوقوف تھے؟ گمراہ تھے؟ کیا وہ سب عذاب کے مستحق ہیں؟ کیا وہ سب آگ کے حوالے ہوجائیں گے؟ شاید اس نے یہ سوالات درباریوں کو آبائی دین سے بھٹکنے سے بچانے اور ان کے ذریعہ عوام کو حضرت موسیٰؑ کے خلاف غصہ دلانے کے لئے کئے، تاکہ وہ کہہ سکے کہ موسیٰ تمہارے باپ داداؤں کو گمراہ اور بیوقوف کہہ کر جہنمی بتلا رہا ہے، اور جب یہ بات عوام میں پھیلے گی تو اس سے عوام موسیٰ پر غصہ ہوجائے گی اور موسیٰ کی دعوت ناکام ہوجائے گی، یا پھر وہ خود بھی یہ جاننا چاہا کہ حضرت موسیٰؑ گذرے ہوئے تمام بڑوں کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

اسی طرح کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار ومشرکینِ مکہ نے غصہ میں آکر پوچھا، مگر حضرت موسیٰؑ نے بڑی دانائی سے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ لوگ جو بھی تھے جیسے بھی تھے ان کا حال اللہ کو معلوم ہے، ان کی زندگی پوری طرح اللہ کو معلوم ہے، ان کے انجام سے اللہ بہتر واقف ہے، میرے پاس ان کی زندگیوں کا نتیجہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس جواب سے فرعون کا زہریلے سوالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا، بدحواسی میں بک بک کر گیا۔

فرعون اور اس کے درباریوں کی احمقانہ سوچ:

یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ وہ قوم جو برسہا برس سے غلامی میں مبتلا ہے، جس کی

معاشی حالت کمزور ہے، جس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں اور نہ طاقت ہے، جس قوم کے ہزار ہا بچوں کو کاٹا گیا، اس وقت وہ کچھ نہ کرسکی، ان میں سے دو کمزور آدمی جن کے پاس ایک لکڑی' جو سانپ بن جاتی ہے اور ایک چمکدار ہاتھ دِکھا رہے ہیں' ان دونوں کی وجہ سے فرعون جو پوری مصر کا بادشاہ ہے' جس کے پاس طاقت، فوج اور ہتھیار سب کچھ ہے' جو زمانے سے حکومت کر رہا ہے' اس کی حکومت کو کیا جادو کے ذریعہ یہ دونوں آدمی مل کر ختم کرسکتے ہیں؟ دنیا میں کسی حکومت پر جادو کے ذریعہ قبضہ نہیں کیا گیا، جادوگر تو خود لوگوں سے بھیک مانگتے اور مدد طلب کرتے ہیں، وہ خود اپنے لئے سونا چاندی اور محل نہیں بنا سکتے، پھر فرعون اور اس کے درباریوں کو یہ خیال کیسے آیا کہ یہ ہمارا اقتدار چھین کر ہم کو بے دخل کرنا چاہتے ہیں؟ یہ ان کی احمقانہ سوچ تھی۔

مکمل عبدیت و بندگی کی دعوت پر فرعون کی سوچ:

اصل بات یہ ہے کہ فرعون بہت ہوشیار تھا، سربراہِ مملکت ہونے کی بناء پر وہ حضرت موسیٰؑ کی دعوت اللہ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی اطاعت و بندگی میں آجاؤ'' سے یہ بات جان گیا تھا کہ تیرے اوپر اللہ کی حکمرانی ہے، تو خود اللہ کا بندہ اور غلام ہے، تجھے اپنے مالک کو مان کر زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کی اطاعت و غلامی کرنا ہوگا اور اسی کے احکام پر حکومت چلانا ہوگا، اپنی مرضی اور خدائی چھوڑنا ہوگا، وہ سمجھ گیا کہ مصر پر میرے احکام نہ چلانے اور اللہ کے احکام کی پابندی کرنے کی دعوت حضرت موسیٰؑ دے رہے ہیں، اس لئے وہ محسوس کیا کہ اب میری حکمرانی باقی نہیں رہے گی اور مجھے اللہ کا غلام بننے کی دعوت دے رہا ہے، اس لئے اندیشہ ظاہر کیا کہ یہ دونوں ہمیں اقتدار سے ہٹانا چاہتے ہیں، دنیا کے تمام مسلم حکمرانوں کو بھی حضرت موسیٰؑ کی اس دعوت پر غور کرنا چاہئے کہ کیا وہ اللہ کی بندگی میں حکومت کر رہے ہیں؟ اس دعوت کے ذریعہ قیامت تک کے انسانوں کو اقتدار حاصل ہونے پر اللہ کی بندگی کی تاکید کی گئی ہے۔

بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا مطالبہ:

حضرت موسیٰؑ کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو اپنے ظلم سے آزاد کرو، اور ان پر اپنا ظلم بند کرو، حضرت موسیٰؑ نے جیسے ہی اپنی نبوت کا اعلان کیا تو جادوگروں سے مقابلے کے بعد اس نے دوسری مرتبہ پھر بنی اسرائیل کے لوگوں کا قتل کیا تاکہ ان کی تعداد کم ہوجائے اور وہ دوبارہ غلبہ حاصل نہ کرسکیں۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ آپ آنے سے پہلے بھی ہم پر ظلم کیا جاتا تھا اور

آپ کے آنے کے بعد بھی ظلم کیا جارہا ہے، مصر کی زمین ہمارے لئے تنگ کردی گئی، آخر اللہ کی مدد کب اور کیسے آئے گی؟

حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مناظرہ اور مقابلہ کا چیلنج:

آخر کار فرعون نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا، سب نے کہا کہ موسیٰ کے مقابلے کے لئے ملک کے تمام ماہر جادوگروں کو بلایا جائے اور لکڑی کو اژدہا بنانے کے معجزے کو جادو ثابت کیا جائے موسیٰ کو پیغمبر نہیں بلکہ جادوگر بتایا جائے اور شکست دی جائے، اور جادوگروں سے بھی لکڑیوں کو سانپ بنانے کو کہا جائے۔

چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ کے سامنے مقابلہ کی بات آئی تو آپؑ نے کہا مقابلہ دربار میں نہیں کھلے میدان میں عید کے دن ہوگا جبکہ ساری قوم جمع ہوتی ہے، فرعون نے اپنے آدمیوں کو سارے ملک میں بھیج کر ماہر جادوگروں کو بلایا، انہوں نے فرعون سے اس مقابلہ کا معاوضہ دریافت کیا اور مقابلے کے لئے آگئے، ان کو یہ احساس دلایا گیا کہ اس مقابلہ میں قبطی قوم کے دین کی حفاظت کرنا ہے، حضرت موسیٰؑ کے دین پر غلبہ حاصل کر کے موسیٰ کو پیغمبر نہیں جادوگر ثابت کرنا ہے، تم کو بادشاہ اپنے خاص لوگوں میں شامل رکھے گا، جو مانگے عطا کرے گا، تم بھی لکڑیوں اور لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنا کر بتلاؤ، یہ مقابلہ اس لئے کروایا کہ موسیٰ کی دعوت اور پیغمبری عوام کے سامنے نہ چل سکے اور عوام موسیٰ کا انکار کردیں۔

عصا کو سانپ بنانا اور یدِ بیضاء اللہ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں:

پیغمبر کے مقابلے جادوگروں کو بلا کر مقابلہ کروانا بیوقوفی والا عمل تھا، اس لئے کہ جادوگر انسانوں کی اصلاح کی فکر نہیں رکھتے اور نہ اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، نہ ان میں کوئی اعلیٰ اخلاق وسیرت ہوتی ہے، وہ خود محتاج ہوتے ہیں، لوگوں سے بھیک مانگ کر اپنا پیٹ پالتے ہیں، حضرت موسیٰؑ اللہ کے پیغمبر تھے، ان کے ساتھ اللہ کی مدد اور قوت سب کچھ تھی، وہ اللہ کے حکم سے لکڑی کو اژدہا بنا رہے تھے، اللہ کی قدرت تو یہ عمل ہر روز سانپ کے انڈوں میں کرتی ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے، وہ انڈوں میں سفیدی اور زردی کو پرندوں کے بچوں اور سانپ، مکھی، مچھر میں تبدیل کرتا ہی رہتا ہے، اس کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

اسی طرح انسان اللہ کے دئے ہوئے علم سے کیمیکل استعمال کر کے ریڈیم بناتا ہے، اور

ریڈیم کو سفید، لال، ہرا بنا کر سڑکوں اور گاڑیوں پر لگاتا ہے، جو رات کے وقت اندھیرے میں بغیر بجلی کے بجلی کی طرح چمکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ کو روشن کر دیا تو یہ اللہ کے لئے کوئی مشکل بات نہیں، وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

دعوت کے قبول کرنے پر فرعون کو اپنی حکومت کے مٹ جانے کا خوف تھا:

فرعون کو اپنی حکومت کے مٹ جانے کا خطرہ اس لئے پیدا ہوا کہ حضرت موسیٰؑ نے ایک ہی جملے میں دعوت دی کہ مکمل اللہ کی بندگی اختیار کر، اس سے ظاہر ہو گیا کہ سارے نظامِ زندگی اور نظامِ حکومت کو اللہ کی اطاعت و غلامی میں کر، اس سے ملک کی سیاسی، معاشی، تمدنی، اخلاقی، تعزیراتی، معاملاتی اور ایمانیاتی سب قانون بدل جاتا ہے، یہ گویا کُلّی اطاعتِ الٰہی کا مطالبہ تھا، اگر دونوں کی دعوت قبول کر لی گئی تو مصر کی سرزمین میں دین بدل جائے گا اور حضرت موسیٰؑ کی دعوت سے سلطنت کا سارا مشرکانہ نظام اور قانون بدل جائے گا، اور بنی اسرائیل کی بڑائی قائم ہو کر قبطی قوم کے پیشواؤں کی پیشوائی ختم ہو جائے گی۔

جادوگروں نے حق کو بہت جلد پہچان کر ایمان قبول کر لیا:

جادوگروں سے مقابلہ میلے کے دن مقرر ہوا، جبکہ سارا شہر جمع ہو گیا تھا، مقابلہ شروع ہونے سے پہلے حضرت موسیٰؑ نے زبردست وعظ و نصیحت کی، مجمع سے فرمایا: تم لوگوں کی حالت پر سخت افسوس ہوتا ہے کہ تم ہمیں جادوگر کہہ کر اللہ پر جھوٹا الزام لگاتے ہو، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ اس بہتان کی سزاء میں تم پر عذاب نازل کر کے تمہیں ختم کر دے، فرعون کے درباریوں نے اثر انگیز خطاب کو ختم کرنے کے لئے جادوگروں سے کہا کہ تم اپنا کام شروع کرو، وعظ و نصیحت نہ ہونے دو، جادوگروں نے کہا: اے موسیٰؑ! یہ سب باتیں چھوڑو، بتاؤ کہ پہل تم کرو گے یا ہم کریں گے؟

حضرت موسیٰؑ نے جادوگروں سے کہا کہ پہلے تم اپنے جادو کا مظاہرہ کرو، سب نے اپنے جادو سے لکڑی اور رسیوں کو دوڑتے ہوئے سانپ بنا کر بتلا دیا، لوگ ان کے اس مظاہرے کو دیکھ کر داد دینے لگے، حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا جب پھینکا تو وہ جس طرف جاتا جادو کا اثر ہی ختم کر دیتا، اس طرح تمام سانپ اپنی اصلی حالت میں یعنی رسیاں اور لاٹھیاں بن گئے اور ان کی حرکت ختم ہو گئی، ہر طرح سے جادو کا اثر ختم ہو گیا، جادوگروں کو یہ احساس ہو گیا کہ ان کے جادو کا زور نہیں چل رہا ہے، اور یہ بھی محسوس کر لیا کہ موسیٰ نے جو کیا وہ جادو نہیں بلکہ کوئی غیبی طاقت ہے، اللہ کا کوئی کرشمہ ہے، ظاہر

بات ہے کہ جادوگر ہی جادو کو آسانی سے پہچان سکتا ہے، وہ ماہرِ فن تھے، اپنے جادو میں ناکام ہو گئے، عصا کے اثر سے ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰؑ کوئی جادو نہیں دِکھا رہے ہیں بلکہ یہ عمل جادو سے بالاتر ہے اور نبی کا معجزہ ہے، ان کے ساتھ اللہ کی طاقت ہے، اس کا جادو سے کوئی تعلق نہیں، ان کو ایمان کی حقیقت سمجھ میں آ گئی، اللہ کی توفیق سے سب کے سب جادوگر سجدہ میں گر گئے اور اعلان کیا کہ ہم رب العالمین اور موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔

جب فرعون یہ حال دیکھا تو عوام کو اس واقعہ سے متاثر نہ ہونے اور حضرت موسیٰؑ کو سچا نہ ماننے کے لئے ان پر الزام لگایا کہ تم سب ایک ہی گروہ ہو، اور موسیٰ تمہارا استاد ہے؛ جس نے تمہیں بھی جادو سکھایا ہے، تم آپس میں سازش کر کے آئے ہو، تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ کے رب پر ایمان کیوں لائے؟ میں تمہارے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹ کر سولی پر چڑھا دوں گا، جادوگر ایمان لانے کے بعد اتنے نڈر ہو گئے کہ فرعون کی دھمکی کی پرواہ نہیں کی، وہ ان کو ایمان سے نہ ہٹا سکا، انہوں نے کہا کہ تم زیادہ سے زیادہ ہمیں موت کے گھاٹ اُتار سکتے ہو، ہمیں کبھی نہ کبھی تو اپنے رب کے پاس جانا ہی ہے، مگر ہمارے دل سے ایمان نہیں نکال سکتے، حق کی روشن دلیل ہمارے سامنے آ چکی ہے، جس اللہ نے ہمیں پیدا کیا اس کا انکار نہیں کریں گے، تو جو چاہے کر گذر، ہم تیرا حکم نہیں مانیں گے۔

فرعون نے دنیا کی عزت اور مادّی انعامات کا پیشکش کیا تھا؛ جبکہ حضرت موسیٰؑ نے ان کو مادّی لالچ اور دنیا میں کوئی مقام و مرتبہ کا وعدہ نہیں کیا تھا، جب انسان کو ایمان کی لذت حاصل ہو جاتی ہے تو انسان موت سے بھی نہیں گھبراتا، دنیا اور دنیا کی حقیقت کو جان کر اللہ کے نام پر مرنے کے لئے تیار رہتا ہے، صحابہ کرامؓ کا یہی حال تھا کہ وہ موت سے نہیں گھبراتے تھے، جادوگر بھی فرعون کی دھمکیوں سے نہیں گھبرائے اور کہا کہ زیادہ سے زیادہ تو ہماری زندگی ختم کر سکتا ہے؛ جو مختصر اور عارضی ہے۔

مناظرہ کے بعد فرعون کے ڈر سے بہت کم لوگ ایمان لائے:

فرعون کے ڈر خوف سے عوام ایمان لانے سے پیچھے ہٹ گئے، فرعون بہت ہی ظالم تھا اور جادوگروں کو جو دھمکی دی تھی اس سے عوام بھی بہت ڈرے ہوئے تھے، اس کے ظلم کا مقابلہ کرنا نہیں چاہتے تھے، باوجودیکہ وہ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کی پیغمبری کو جان چکے تھے اور اچھی طرح جان گئے تھے کہ موسیٰ کوئی جادوگر نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں، مگر فرعون کے ظالمانہ رویہ کا

خوف تھا، حضرت آسیہؓ جادوگروں سے مقابلہ کے وقت اللہ سے حضرت موسیٰؑ کے حق میں دعاء کررہی تھی، درباری یہ سمجھے کہ یہ فرعون کے لئے کامیابی کی دعاء کررہی ہیں، حضرت موسیٰؑ کی کامیابی پر اپنے ایمان کا اعلان کردیا، اسی وقت ان کی نوکرانی اور ایک درباری جنہوں نے اپنا ایمان چھپایا ہوا تھا' اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا، اسی وقت وہ مشکلات اور ظلم وزیادتی میں مبتلا کردئے گئے، ان کے علاوہ کچھ نوجوان بھی ایمان لائے، باقی کسی اسرائیلی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ حضرت موسیٰؑ کا کھل کا ساتھ دیں یا تائید کریں۔

یہی حال رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی تھا، مکہ کے بہت سارے لوگ حضور ﷺ کو سچا جاننے اور آپ کی دعوت کو حق سمجھ رہے تھے مگر مشرکینِ مکہ کا صحابہؓ پر ظلم کے حالات دیکھ کر ایمان لانے کی ہمت نہیں کررہے تھے، اسی طرح کمزور انسان قیامت تک حق کا ساتھ دینے کے لئے دنیا کی تکالیف کو برداشت کرنا نہیں چاہیں گے اور باوجود حق جاننے کے حق کا ساتھ نہیں دیں گے، شیطان ان کو دنیا کی بربادی اور ظلم کا احساس دلاتا رہے گا۔

فرعون نے شکست کھاتے ہی بنی اسرائیل کا دوبارہ قتل عام شروع کیا:

مقابلہ میں شکست کھاتے ہی فرعون کا غصہ مزید بڑھ گیا، اس نے پھر بنی اسرائیل کی تعداد کو کم کرنے، انہیں کمزور کرنے اور ان پر اپنی دہشت قائم رکھنے کے لئے دوبارہ ان کے مرد بچوں کو قتل کرنا شروع کروادیا، بنی اسرائیل پہلے ہی سے ایمان میں کمزور قوم بن چکی تھی، صبر اور حالات کو برداشت کرنے کی قوت سے خالی تھی، انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے شکایت کرنا شروع کردی کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جارہے تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی ستائے جارہے ہیں۔

دراصل وہ کسی پیغمبر کے آنے کے انتظار میں تھے کہ کوئی بغیر اسباب والی مدد اور چمتکار کے ذریعہ فرعون سے نجات مل جائے، مگر پیغمبر کے آنے کے بعد بھی تکالیف میں اضافہ ہوگیا، پوچھا آخر اللہ کی مدد کب آئے گی اور یہ ظلم کب بند ہوگا؟ اس پر حضرت موسیٰؑ نے ان کو صبر کرنے کو کہا اور اللہ سے دعاء کرکے مدد مانگنے کی تعلیم دی اور کہا اللہ عنقریب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا۔

بنی اسرائیل کے برعکس مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جو کمزور لوگ ایمان لائے تھے، وہ مشرکوں کے ظلم وزیادتیوں کا شکار ہورہے تھے، گرم گرم ریت پر جھلتی ہوئی سورج کی آگ پر یا لکڑی کے انگاروں اور لوہے کی گرم سلاخوں سے داغے جانے، شرمگاہ میں برچھا مارنے

اور مار کھانے، بھوکے پیاسے رہنے کے باوجود اپنے ایمان میں اتنے مضبوط تھے کہ مار کھانے کے باوجود مشرکین کو اللہ کے احد اور واحد ہونے ہی کا احساس دلا رہے تھے، کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ظلم کی شکایت نہیں کی، یہ کیفیت ایمان کے مضبوط ہونے اور بننے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح صبر کرنے سے اللہ کی مدد آتی ہے۔

بنی اسرائیل نے فرعون سے ڈر کر حضرت موسیٰؑ کا کھل کر ساتھ نہیں دیا:

اسرائیلی قوم کے نوجوان حضرت موسیٰؑ پر جب ایمان لائے تو ان کے رشتہ دار اور قوم کے بوڑھے لوگ ان نوجوانوں کو منع کرتے تھے کہ وہ حضرت موسیٰؑ سے دور رہیں، ان سے تعلق نہ رکھیں، حالانکہ حضرت موسیٰؑ فرعون سے ان کی آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے۔

یہی حال ہر زمانے میں ڈرپوک لوگوں کا رہا ہے، وہ حکومت کی سزاؤں اور ظلم سے بچنے کے لئے اپنے لوگوں کو حق سے دور رکھا، حق کی کھل کر تائید کرنے سے خود بھی رُکے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے رہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جہاد میں چل کر جان دینے کے لئے اسرار کرتے تھے، یہ کیفیت امت مسلمہ کی بعد میں نہیں رہی، وہ موت سے دور بھاگنے لگے۔

حضرت آسیہؓ اور ان کی باندی نے دنیوی آرام کے مقابلہ آخرت کو ترجیح دی:

حضرت آسیہؓ کے ایمان کا اعلان کرتے ہی فرعون نے ظلم ڈھانا شروع کر دیا اور ان کو لٹا کر جسم میں کیلے ٹھوک کر اوپر سے چٹان گرا کر شہید کر دیا، انہوں نے اس کے ظلم کے مقابلہ محل کی عزت شان وشوکت آرام کو برباد ہونے کی فکر نہیں کی اور اپنے ایمان پر مضبوطی سے جمی رہی، وہ اپنے ایمان میں اتنی زیادہ پختہ ہوگئی تھیں کہ آخرت کو دیکھے بغیر آخرت میں نجات وکامیابی اور فرعون کے محل کی عزت وآرام کے مقابلے میں جنت کے محل اور عزت کی اللہ سے دعاء کی۔

جب معراج کے موقع پر ایک قبر کی خوشبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس ہوئی، پوچھنے پر حضرت جبرئیلؑ نے بتلایا کہ یہ فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ کی باندی کی قبر ہے، ان کے ایمان کا یہ حال تھا کہ اپنے اور اپنے بچوں کو گرم دیگ میں ڈالے جانے اور خود کو شہید کروانے کو تسلیم کیا لیکن فرعون کی نہیں مانی اور ایمان کی حفاظت میں شہید ہوگئیں، یہ یقین کی کیفیت ہر ایمان والے میں ہونی چاہئے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ امت جسے خلافت ارضی کی ذمہ داری دی گئی تھی، وہ ایمان کے کمزور ہو جانے سے ایمان کی حفاظت تو بہت دور کی بات ہے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی بجائے یہود و نصاریٰ ہی کے کلچر کی دیوانی ہوگئی۔

فرعون اور اس کی قوم پر کھلے معجزات کے ذریعہ عذابات آنے لگے:

جادوگروں سے مقابلہ کے بعد حضرت موسیٰؑ ۲۰ رسال تک مصر میں دعوت دیتے رہے اور فرعون کو بار بار سمجھاتے رہے، مگر وہ اور اس کی قوم اللہ سے نڈر بن کر سرکشی اور نافرمانی کرتی رہی، اللہ نے اس دوران حضرت موسیٰؑ کو مزید معجزات کے ذریعہ فرعون اور اس کی قوم پر عذابات نازل کئے، ان کے ذریعہ ڈرا کر حق کو سمجھنے، سنبھلنے اور سدھرنے کا موقع دیا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے پورے ملک میں قحط اور خوشک سالی مسلط ہوگئی، قبطیوں کے کھیت سوکھ گئے اور زمینیں بنجر ہوگئیں، بنی اسرائیل کے باغات اور زمینیں اچھی حالت میں رہیں، یہ قحط کا عذاب ان پر سات سال تک رہا، اس کے باوجود وہ حضرت موسیٰؑ پر نہ ایمان لائے اور نہ انہوں نے آپ کی نبوت کو مانا، مجبور ہوکر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کرلیا کہ جب بھی عذاب آتا تو اس سے نجات کے لئے حضرت موسیٰؑ سے ہر بار جھوٹا وعدہ کرتے کہ اگر یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کردیں گے، عذاب ٹل جانے کے بعد پھر کہتے کہ موسیٰ سب سے بڑا جادوگر ہے، یہ اس کی اور اس کے ساتھیوں کی نحوست سے مصیبت آئی تھی، ان پر مزید پانچ عذابات آئے جو سات روز تک رہتے، ہفتہ سے شروع ہوکر دوسرے ہفتہ تک رہتے۔

☆ حضرت موسیٰؑ بار بار اللہ سے دعاء کرتے کہ اب ان پر کوئی عذاب ایسا مسلط فرما جو ان کے لئے دردناک ہو اور میری قوم کے لئے نصیحت اور آئندہ لوگوں کے لئے عبرت کا سامان ہو، ان پر زبردست طوفان کا عذاب آیا، چاروں طرف پانی ہی پانی، قبطیوں کے محل، گھر، دُکان، کھیت اور باغات سب ڈوب گئے، کہیں سونے اور بیٹھنے کو تک سوکھی جگہ نہ رہی، بنی اسرائیل کے مکانات، کھیت اور زمینات میں پانی بالکل نہ تھا، وہ محفوظ تھے، یہ دیکھ کر فرعونیوں نے سمجھ لیا کہ یہ عذاب ہے، پھر حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی' دعاء کیجئے کہ اللہ ہم پر سے یہ عذاب ہٹالے، پھر وہی اطاعت کا وعدہ کیا، عذاب ہٹ گیا، ان کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوگئیں، غلہ اور ترکاریاں خوب اُگنے لگیں، پیداوار بڑھ گئی، یہ دیکھنے کے بعد پھر کہا کہ موسیٰ کا اس عذاب کے ہٹانے میں کوئی عمل دخل نہیں، پھر اپنے وعدے کو نظر انداز کردیا اور کہا کہ یہ سب ان کے جادو کا کھیل ہے۔

☆ اس کے بعد ٹڈیوں کا عذاب آیا، کھیتوں، باغوں اور لکڑی کے دروازوں، چھتوں اور گھریلو تمام سامان ٹڈیوں نے کھالیا، اسرائیلیوں کو کوئی نقصان نہیں ہوا، وہ سب ٹڈیوں کے دَل سے محفوظ رہے، پھر ماننے کا وعدہ کیا اور عذاب کے ہٹنے کی دعاء کی درخواست کی، عذاب کے ہٹتے ہی دیکھا کہ غلہ کا ذخیرہ زیادہ بچا ہوا تھا جو سال بھر کھا سکتے تھے، پھر سرکشی کی، پھر عذاب آیا، ہر عذاب کے بعد تین ہفتوں کی مہلت ملتی، سرکشی پر قائم رہے تو مہینہ مکمل ہوتے ہی پھر نیا عذاب آجاتا۔

☆ اس کے بعد جوں اور کیڑوں کا عذاب آیا، حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کے ایک بڑے ٹیلے پر چڑھ جاؤ، اس پر لاٹھی مارو، لاٹھی مارتے ہی ٹیلہ پھٹ گیا اور اس سے لاکھوں کی تعداد میں جوئیں نکل کر قبطیوں کے گھروں میں کھانے پینے کی چیزوں میں گھس گئیں، وہ پورا غلہ، اناج اور ترکاریاں کھا گئے، غلہ کو گھن لگا، جسم اور کپڑوں میں جوں اور کیڑے ان کے بال، پلکیں اور بھویں سب کھا گئے، گیہوں دس سیر ہو تو صرف تین سیر ہی کے برابر اچھا رہتا، پھر عاجزی کر کے اس عذاب کو ہٹانے کی درخواست کی اور عذاب ہٹتے ہی پھر بغاوت، وعدہ خلافی کرتے اور حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہتے۔

☆ اللہ نے پھر ایک مہینے کے بعد مینڈکوں کا عذاب بھیجا، جہاں بیٹھتے مینڈکوں کا ڈھیر لگ جاتا، بستر میں، کھانے سالن میں، برتنوں اور غذاؤں میں مینڈک بیٹھے رہتے، تنگ آکر پھر عذاب سے نجات کی حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی، بنی اسرائیل ان تمام عذابات سے محفوظ تھے، جیسے ہی عذاب ہٹتا فرعونی پھر نافرمان ہو جاتے، اللہ سے نڈر بن جاتے۔

☆ اس کے بعد اللہ نے ایک مہینے کی مہلت کے بعد خون کا عذاب مسلط کیا، پانی جو قبطیوں کے گھر میں آتا خون بن گیا، غذائیں خون بن جاتیں، ہر چیز میں خون ہی خون ہوتا غذاء کھانے کی کوشش کرتے خون بن جاتی، بنی اسرائیل کو دیکھا کہ وہ اس سے محفوظ ہیں، ان کا پانی اور غذاء خون نہیں بن رہے ہیں، ان سے پانی مانگتے، وہ پانی گھر لاتے ہی خون بن جاتا، ذلت کی انتہاء یہ رہی کہ آخر کار بنی اسرائیل جو ان کے نوکر اور خادم تھے ان کے سامنے لیٹ کر کہا کہ کھانا پہلے وہ اپنے منہ میں لے کر اُن کے منہ میں ڈالیں، تب بھی جیسے وہ کھانا ان کے منہ جاتا خون بن جاتا۔

اس کے بعد اللہ نے طاعون کا عذاب مسلط کیا، چیچک کی بیماری ہزاروں کی تعداد میں مر گئے، پھر اسی طرح ہر بار حضرت موسیٰؑ سے درخواست کر کے عذاب کو ہٹاتے، جیسے ہی راحت ملتی کہتے کہ یہ سب موسیٰ کا جادو ہے، وہ بہت بڑا جادوگر ہے، فرعون نے ان کے دماغوں پر حضرت موسیٰؑ کے

جادوگر ہونے کا احساس پیدا کر دیا تھا، وہ قطعاً حضرت موسیٰؑ کو پیغمبر ماننے اور ان پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوئے، اتنے تکلیف دہ عذابات دیکھنے کے باوجود تمام قوم اللہ سے نڈر کی نڈر بنی رہی۔

معجزات وعذابات دیکھنے کے باوجود قبطی قوم باغی بنی رہی:

مذکورہ تمام معجزات وعذابات دیکھنے کے باوجود قبطی قوم فرعون کے کہنے پر حضرت موسیٰؑ کو جادوگر ہی سمجھتی رہی، پھر قبطی قوم کی اصلاح نہ ہونے کے یقین اور پورے آثار ظاہر ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰؑ نے بددعاء کی اور عرض کیا کہ اے اللہ! آپ نے فرعون کی قوم کو دنیا کا ساز و سامان، مال و دولت عطا کیا، مصر سے حبشہ تک حکومت عطا کی، اس کی وجہ سے ان کو یہ احساس ہو گیا کہ اللہ ہم سے راضی ہے، اسی لئے ہمیں نعمتیں عطا فرمایا ہے، وہ دوسروں کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے ہیں اور دوسرے لوگ ان کی خوشحالی دیکھ کر شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اگر یہ گمراہ ہیں تو ان کو اللہ کی نعمتیں کیوں کر ملتیں؟ کیونکہ عام لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں کہ نافرمانوں کو اللہ مال و دولت زیادہ دیتا ہے، اس لئے دوسروں کی گمراہی کا خطرہ محسوس کر کے اور ان کی اصلاح کے آثار ختم ہوتے دیکھ کر یہ بددعاء کی کہ ان کے اموال واسباب کی صورت بدل دے اور مسخ کر دے، اس پر حضرت ہارونؑ نے آمین کہا، اللہ نے ان دونوں کی یہ بددعاء قبول فرمائی اور اس کا اثر چالیس سال بعد ظاہر ہوا، اس بددعاء سے تمام سونا چاندی، زیورات، نقد سکّے، پھل پھلاری یہاں تک کہ بادام اور انڈے تک پتھر بن گئے، چنانچہ روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں ایک تھیلا ملا جس میں پتھر کے بادام اور انڈے تھے۔

بنی اسرائیل کی کثیر تعداد نماز ترک کر چکی تھی

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (یونس:۸۷)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰؑ اور ان کے بھائی پر وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کو مصر ہی کے گھروں میں بساؤ اور اپنے گھروں کو نماز کی جگہ بنالو، اور اس طرح نماز قائم کرو اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو۔

سورۂ یونس (۸۷) اور سورۂ بقرہ (۴۴) میں بنی اسرائیل کو تاکید کی گئی کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سجدہ کرو، تم دوسروں کو تو نیکی کا حکم کرتے

ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہو، تم عقل سے بالکل کام نہیں لیتے، صبر اور نماز سے مدد لو۔

فرعون کے ایذائیں دینے، ظلم زیادتی کرنے اور بنی اسرائیل کے عبادت خانوں کو مسمار کر دینے سے بنی اسرائیل اور مصری مسلمانوں کے ایمان میں کمزوری اور ضعف آتا چلا گیا، وہ چاہتا تھا کہ لوگ عبادت کے لئے باجماعت متحد نہ ہوں، ان میں اتحاد و اتفاق پیدا نہ ہونے پائے، اور وہ باجماعت مل کر نماز ادا نہ کرنے پائیں، اس سے ان کی دینی ایمانی روح ختم ہو جائے گی اور حضرت موسیٰؑ کی تعلیم کا اثر نہ ہونے پائے گا اور ان کا شیرازہ بکھر جائے گا، جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے پاس نماز باجماعت کا نظم ختم ہو چکا تھا، شاید ہی کچھ لوگ انفرادی نماز ادا کر لیتے ہوں، بنی اسرائیل فرعون کے غضب کا شکار ہونے سے ڈرتے تھے، اس سے ٹکرانے کی ہمت نہیں رکھتے تھے، اس سے جان و مال کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے، جب ان کی عبادت گاہیں تباہ ہو گئیں تو وہ اور ان کی اکثریت نماز چھوڑ بیٹھی، نماز سے لاپرواہ ہو گئے، نماز باجماعت کا نظام درہم برہم ہو گیا۔

پچھلی قوموں کے لئے یہ لازم تھا کہ وہ نماز صرف اپنی عبادت گاہ ہی میں ادا کریں، گھروں میں نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں تھی، یہ آزادی صرف امت محمدیہ ہی کو اللہ نے دی ہے، اس لئے جب فرعون نے ان کی عبادت گاہوں کو تباہ کر دیا تو اللہ نے حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ کو وحی کی کہ مصر میں گھروں میں قبلہ بنا کر نماز باجماعت کا اہتمام کرو، اللہ کی طرف سے یہ اجازت گھروں میں باجماعت نماز ادا کرنے کی عارضی وقت تک تھی، اس وقت حضرت موسیٰؑ اور ان کے اصحاب کا قبلہ بیت اللہ ہی تھا۔ (قرطبی)

نماز باجماعت کا سب سے زبردست فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا ایمان بار بار تازہ و مضبوط ہوتا ہے، اس میں اللہ کی یاد باقی رہتی ہے، جو انسان آخرت کے عقیدہ سے غافل ہو اور اللہ کے پاس جواب دینے کا احساس نہ رکھتا ہے اس کے لئے وقت کی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنا ایک مصیبت ہوتی ہے، وہ کبھی اس مصیبت کو اختیار کرنا نہیں چاہتا، شیطان کی طرح اللہ کی عبادت سے دور بھاگتا ہے، اور جو انسان آخرت میں جواب دہی کا احساس رکھتا ہو، اللہ کا فرمانبردار ہو اس کے لئے نماز وقت پر ادا کرنا آسان ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اس نظام کو از سرِ نو قائم کر کے قوم میں دینی روح اور ایمان کو زندہ رکھنے کی تعلیم دی۔

پچھلی امتوں کی سب سے پہلی بربادی سورۂ مریم آیت:۵۹ میں اس طرح مذکور ہے:

''پھر ان کے بعد وہ ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی۔''

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح بنی اسرائیل کے انبیاؑء نے بھی اپنے اپنے زمانوں میں سختی سے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کرتے رہے، ایمان والوں کے لئے روزِ اول سے نماز اور زکوٰۃ کا حکم رکھا گیا۔

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ وہ حضرت محمد اور ان کے صحابہؓ کی طرح نماز ادا کرنے والے بنیں، یہود کے پاس وضو کے لئے صرف دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک تین تین مرتبہ دھولینا کافی سمجھا جاتا ہے، ان کی نماز میں آج تک رکوع کا طریقہ نہیں ہے، اس لئے کہا گیا کہ مکمل اور صحیح نماز یہ ہے کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سجدہ کرو، یہودی زمین پر ہاتھ رکھ کر چہرہ ہاتھوں میں رکھ کر سجدہ کرتے ہیں، یا مسلمانوں کی طرح ہتھیلیاں زمین پر اوندھا نہیں رکھتے، پھیلا کر یا چہرے کے نیچے رکھتے ہیں، پورے سر کو ایک چادر سے ڈھنک لیتے ہیں، اوندھا زمین پر لیٹ کر دعاء کرتے ہیں، نصاریٰ گھٹنوں کے بل ٹھہر کر ہاتھ اٹھا کر عبادت کرتے ہیں۔

پھر بنی اسرائیل کو یہ بھی تاکید کی گئی، یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب وہ اقوام عالم کی امامت ورہنمائی کے ذمہ دار تھے، کہ تم لوگوں کو تو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے تھے، سب کو اللہ کے راستے میں چلنے کی تاکید کرتے' خود نافرمانی اور بغاوت کا راستہ جان بوجھ کر اختیار کرتے ہو، تمہیں یہ روش بدلنا ہوگا اور جان بوجھ کر حق کو جھٹلانے سے باز رہنا ہوگا، حالانکہ تم کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہو مگر عقل سے کام نہیں لیتے، نیکی اور اطاعت کرنے میں اگر مدد چاہتے ہو تو نماز اور صبر سے مدد لو۔

فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوگیا

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ o

(البقرۃ:۵۰) ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو پھاڑ ڈالا تھا، چنانچہ تم سب کو بچالیا تھا اور فرعون کے لوگوں کو (سمندر میں) غرق کر ڈالا تھا، اور تم یہ سارا نظارہ دیکھ رہے تھے۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو یہ حکم دیا کہ وہ راتوں رات اپنی پوری قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں، اندھیری رات ہونے سے راستہ سمجھ میں نہ آیا، حضرت موسیٰؑ کا قافلہ بھٹک کر سمندر کے ساحل کی طرف نکل پڑا، مگر ان کا بھٹکنا ان کے لئے خیر ثابت ہوا، مصر سے فلسطین جانے کے دو راستے تھے، ایک خشکی کا، دوسرا سمندری، اگرچہ کہ خشکی کے راستے سے فلسطین قریب تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے حضرت موسیٰؑ کا رخ خشکی کے بجائے سمندر کے راستے کی طرف کروادیا، اس لئے کہ خشکی کی راہ سے فرعون کی فوج سے جنگ کرنا پڑتا اور بنی اسرائیل اس معاملہ میں کمزور و بزدل اور بے سروسامان اور نہتّے تھے، فرعون بنی اسرائیل کو مصر واپس لیجانے میں کامیاب ہوجاتا، اس لئے اللہ نے اپنی حکمت سے سمندر کی طرف ان کا رُخ کروادیا، اور فرعون بغیر جنگ کے ڈوب گیا۔

چنانچہ فرعون کو جیسے ہی اطلاع ہوئی اس نے ایک بکرا ذبح کیا، اس کا کلیجہ کھانے تک ساری فوج کو مع ہتھیار جمع ہوجانے کا حکم دیا، پھر بنی اسرائیل کا پیچھا کر کے ان کے قتلِ عام کا ارادہ کیا، اور بدحواس ہوکر سارے اُمراء اور درباریوں کے ساتھ نکل پڑا، صبح صبح وہ سمندر کے قریب پہنچ گیا، بنی اسرائیل یوں تو فرعون سے چھٹکارا پانے کے لئے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ نکل پڑے تھے، مگر ان کی غالب اکثریت دین موسوی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی، بنی اسرائیل نے جب یہ دیکھا فرعون پیچھا کرتا ہوا قریب آگیا اور سامنے سمندر ہے تو وہ چیخنے چلانے لگے کہ کیا مصر میں قبریں نہیں تھیں جو تم ہمیں قتل ہونے کے لئے مصر سے نکال کر یہاں لے آئے؟ مصر ہی ہمارے لئے اچھا تھا کہ ہم قبطیوں کی غلامی کر کے وہیں مرجاتے، اس جگہ پر مرنے سے وہاں مرنا بہتر ہوتا۔ (تورات، خروج، باب:۱۴، آیت:11:12)

حضرت موسیٰؑ نے کہا: صبر کرو! میں نے اپنی مرضی سے تمہیں نہیں نکالا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکال لایا ہوں، وہ ضرور مدد کرے گا، میرا رب میرے ساتھ ہے، حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نونؑ نے آپ سے کہا کہ اب کیا کیا جائے؟ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: اللہ کا حکم آگے ہے، وہ سنتے ہی گھوڑا تین وقت پانی میں ڈالا، مگر گہرے پانی میں وہ غوطے کھا کر واپس آگیا، حضرت یوشعؑ نے کہا ہم نہ آپ کو جھوٹا سمجھتے ہیں نہ آپ کے رب کو، اتنے میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ سمندر پر لاٹھی مارو! جیسے ہی عصا سمندر پر مارا گیا اللہ نے اس میں بارہ راستے بنادئے، چونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے، ہر قبیلہ ایک ایک راستہ سے جلد

نکلنے کے لئے دوڑ رہا تھا، راستوں کے درمیان پانی کی لہریں تھیں، دیواروں کی طرح کھڑی تھیں جس کی وجہ سے ہر قبیلہ ا ایک دوسرے کو دیکھ بھی رہا تھا۔

فرعون جب سمندری راستے کے قریب پہنچا تو دیکھا پانی دونوں طرف ٹھہرا ہوا ہے اور نیچے زمین سخت ہو کر راستہ بنا ہوا ہے تو اس کو خوف ہوا، واپس جانے کا ارادہ کیا، مگر تقدیر میں موت اس کو یہاں کھینچ لائی تھی، حضرت جبرئیلؑ ایک گھوڑی پر اس راستے پر چل رہے تھے، فرعون کا گھوڑا حضرت جبرئیلؑ کی گھوڑی کو دیکھتے ہی سمندری راستہ پر کود پڑا اور فرعون نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً نکل پڑا، وہ اپنے گھوڑے کو قابو میں نہ کر سکا۔

اس کے لشکر کے پیچھے حضرت میکائیلؑ تھے، جو سب لشکر کو ہانک کر آگے بڑھا رہے تھے، اس کے داخل ہو جانے اور بنی اسرائیل کا آخری آدمی سمندر سے نکل جانے کے بعد سمندر میں مدّ و جزر پیدا ہوا اور سارا راستہ ڈوب گیا، پانی پھر مل گیا، فرعون اور اس کا پورا لشکر مع ساز و سامان کے سمندر میں ڈوب گیا، فرعون ڈوبتے وقت پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں، جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، حضرت جبرئیلؑ اس کے منہ میں کیچڑ بھر دیا، اس کا اس طرح ایمان کا اعلان کرنا حقیقی ایمان نہیں تھا، مصیبت اور نجات حاصل کرنے کے لئے پہلے کی طرح فریب دینے کے لئے ایمان کا اظہار تھا، جب اقرار کرنے کی مہلت تھی اس وقت انکار کیا، اب مصیبت و موت کے فرشتوں کو دیکھ کر اقرار کر رہا ہے، تو یہ قابل قبول نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب عذاب دیکھنے کے بعد ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا، اب تک نافرمان اور باغی بنا ہوا تھا، زمین پر فساد اور فتنے برپا کر رہا تھا، اللہ نے اس کی روح ہی کو نہیں جسم کو بھی محفوظ رکھا، تاکہ بعد والوں کے لئے عبرت و نصیحت کا سامان بنے، لیکن اتنا بڑا معجزہ بھی اس قوم کے ایمان میں مضبوطی پیدا نہ کیا، آگے چل کر انہوں نے حضرت موسیٰؑ پر یقین تک نہ کیا۔

امت مسلمہ کو بنی اسرائیل اور فرعون کے واقعہ سے نصیحت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل اور فرعون اور اس کی قوم کے واقعات سے امت مسلمہ کو یہ نصیحت کی گئی کہ حق کی پوری تاریخ پر نظر رکھو، حق ہمیشہ اقلیت سے شروع ہوتا ہے اور بے سروسامانی کے بعد باطل سے ٹکراتا ہے، جو دنیا میں ہر قسم کی قوت و طاقت، ہتھیار اور سلطنتوں کے مالک تھے، باطل پر ہونے کی وجہ سے مغلوب ہو کر مٹ گئے، شروع زمانے سے اللہ کے باغی اور

نافرمان اسلام کے خلاف جو بھی چالیں چلیں اور اسلام کو مٹانا چاہا وہ بہر حال ایک نہ ایک دن خود بخود الٹی ثابت ہوگئیں، اور اللہ نے ان کو ہلاک کرنے سے پہلے سنبھلنے کا موقع بھی دیا۔

بنی اسرائیل کے ان واقعات سے قیامت تک کے ایمان والوں کو یہ سبق دیا گیا کہ اپنی اقلیت کو کمزور سمجھ کر اور مخالفین کی کثرت و طاقت کو دیکھ کر ہرگز ناامید نہ ہونا، ہر حال میں اللہ کے وفادار بنے رہنا، کتاب اور پیغمبر کا ساتھ دینا اور اپنی زندگی کو مخالف حالات میں بھی کتابِ الٰہی اور سنتِ رسول ﷺ کا پابند بنائے رکھنا، تو انشاء اللہ اللہ کی مدد چاہے دیر سے سہی' آئے گی ضرور، ایمان رکھنے کے بعد یہود نصاریٰ کی روِش پر جو لوگ بھی چلیں گے اللہ کی لعنت میں گرفتار ہو کر ذلیل کردئے جائیں گے، بنی اسرائیل کی یہ عبرتناک تاریخ اسی لئے پیش کی جارہی ہے کہ امت مسلمہ ان کی طرح زندگی نہ گذارے بلکہ حق کے ساتھ رہے۔

دنیا میں اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ ظالم جب ظلم کرتے ہیں تو اللہ ایک وقت مظلوم کے ہاتھوں ان کو مجبور محتاج اور ذلیل کر دیتا ہے، اور مظلوم کو عزت و کامیابی دے کر اس کے مال و دولت کا مالک بنا دیتا ہے، جیسے حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل بغیر جنگ کے ملک مصر کے مالک بن گئے، صلح حدیبیہ میں مشرکین مکہ مجبور ہو کر خود اپنے معاہدے کو ختم کرنے کی درخواست کر گئے، مکہ میں قحط پر ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگی۔

فرعون کی موت پر بنی اسرائیل نے پیغمبر کی بات پر اطمینان نہیں کیا:

بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ فرعون اور اس کا لشکر ڈوب گیا ہے، حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے غرق ہو کر مر جانے کا اعلان کیا تو بنی اسرائیل نے ان کی بات پر یقین نہیں کیا، اور بعض لوگ تو آپ کی بات پر شک کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے سمندر کی موجوں کو حکم دیا کہ فرعون کے جسم کو جس پر لباس بھی ہو ساحل کے ایک ٹیلے پر پھینک دے تا کہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، بنی اسرائیل یہ سب دیکھ کر کنارے پر کھڑے خوش ہو رہے تھے۔

روایت مشہور ہے کہ یہ دس محرم کا دن تھا، بنی اسرائیل اس دن روزہ رکھتے تھے، جہاں فرعون کی لاش پڑی تھی وہ مقام آج بھی جبل فرعون کے نام سے مشہور ہے، اس کی لاش صحیح و سالم قاہرہ کے عجائب گھر میں آج بھی محفوظ موجود ہے، اس کو اللہ نے گلنے سڑنے سے بھی محفوظ رکھا ہے، تا کہ لوگ اُسے دیکھ کر عبرت حاصل کریں، اس کے مرنے کے بعد بنی اسرائیل کو اچھا سکون کا ٹھکانہ مل گیا، پورا

ملکِ مصران کے ہاتھ آ گیا، پھر یہ لوگ مصر واپس ہوئے یا نہیں اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی۔

پیغمبروں کی موجودگی میں بت پرستی کی خواہش:

بنی اسرائیل مصر میں عصا کے اژدہا بن جانے اور یدِ بیضاء کے معجزات دیکھ چکے تھے، پھر اللہ کے عذابات کی مختلف شکلیں دیکھ چکے تھے کہ جوئیں، خون، مینڈک، ٹڈی دَل، قحط سالی، اور پھر سمندر پار کرتے ہوئے عصا کا معجزہ دیکھا کہ عصا مارتے ہی سمندر میں راستے بن گئے، دونوں طرف پانی کا دیوار کی طرح کھڑا ہو جانا، پھر اسی سمندر میں فرعون اور اس کے لشکر کر ڈوب کر مر جانا، یہ سب اللہ کی نشانیاں اور قدرت کے مظاہرے بذات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔

فرعون سے نجات حاصل کرنے کے بعد ان کا گذر ایک ایسی قوم پر سے ہوا جو بتوں کی پرستش کرتی تھی، بنی اسرائیل کو ان کی عبادت کے طریقے پسند آ گئے، ان کے بگڑے ہوئے کمزور ایمان والوں نے حضرت موسیٰؑ سے خواہش ظاہر کی کہ ہمیں بھی اللہ کی عبادت کے لئے اسی طرح کا ایک بت بنا دیجئے تا کہ جس طرح یہ قوم موجود اور محسوس چیز کو سامنے رکھ کر عبادت کر رہی ہے ہم بھی اسی طرح بت کو سامنے رکھ کر اللہ کی عبادت کریں گے، اس لئے کہ اللہ تو ہمیں نظر نہیں آتا، ہمارے لئے بھی ایک نظر آنے والا معبود بنا کر دیجئے۔

ان کے اس طرح سوال پر سے معلوم ہوا کہ یہ تو اللہ کو سمجھے ہی نہیں تھے، برائے نام ایمان لائے تھے، حضرت موسیٰؑ ان کے اس احمقانہ سوال پر بہت ناراض ہوئے، انہیں ڈانٹا اور کہا کہ تم لوگ بڑے جاہل ہو، بت پرست لوگ تو سب ناکام ہونے والے ہیں، ان کا ہر عمل برباد اور باطل ہونے والا ہے، کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کسی اور کو معبود بنا دوں؟ حالانکہ اللہ نے ہمیں تمام جہاں والوں پر فضیلت دی، پھر وہ ان کو ایک مقام پر ٹھہرا کر جلدی سے طور پر چلے گئے۔

بنی اسرائیل نے بزدلی دکھا کر پیغمبر کو بدتمیزی سے جواب دیا:

بنی اسرائیل ہمیشہ بیت المقدس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، وہاں قوم عمالقہ کا قبضہ تھا، جو بہت طاقتور جنگجو قسم کے لوگ تھے، جب بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ ان سے جہاد کرو اور اپنا شہر واپس لے لو، تو قوم کے اکثر لوگوں نے انکار کیا اور ان کے مقابلے بزدلی دکھائی، کہا کہ تم اور تمہارا خدا جا کر ان سے لڑیں، ہم میں ہمت نہیں، یہ بھی پیغمبر کو تکلیف دینے والا جواب تھا، اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ فرعون کی غلامی میں رہتے ہوئے ایمان میں کمزور ہو چکے تھے اور حضرت موسیٰؑ پر پختہ طریقے سے ایمان نہیں

لائے تھے، بات بات پر حضرت موسیٰؑ پر اعتراضات کر کے ان کو تکلیف دیتے تھے، غلامی، پست ہمتی، خدا پر کامل بھروسہ نہ تھا، اس لئے ان کی تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے سینا کے میدان میں ہی ۴۰ رسال تک بھٹکتے پھرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا، تا کہ یہ غلامی کی ذہنیت سے آزاد ہو کر ان کی نئی نسل پیغمبر کے ساتھ تربیت پا کر پھر سے مقدس سرزمین کو حاصل کرے، ہر روز سفر کرتے اور پھر اسی مقام پر پہنچ جاتے جہاں سے نکلے تھے۔

فلسطین کے لئے جہاد کا حکم دیا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا:

يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ○ (المائدہ: ۲۱)

ترجمہ: اے میری قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کرنا کام ہو جاؤ گے۔

جب بنی اسرائیل کو فلسطین حاصل کرنے کے لئے جہاد کا حکم دیا گیا اور حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ اس سرزمین کو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھ دیا ہے، اس پر عمالقہ نامی قوم کا قبضہ تھا جو بڑی جنگجو اور ظالم قوم تھی اور وہ بنی اسرائیل کی دشمن تھی، زبردستی فلسطین پر قبضہ کر رکھی تھی، اس سے پہلے وہ بنی اسرائیل کا خوب قتل عام کیا تھا اور عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر لے گئے تھے، ان کا مال و دولت لوٹ لیا تھا، حضرت موسیٰؑ نے ان کی طاقت سے بے خوف ہو کر حملہ کرنے کا حکم دیا اور بنی اسرائیل کو کہا کہ ان سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، صرف جہاد کی نیت سے جمع ہو کر کھڑے ہو جاؤ، اللہ اس قوم کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال کر کمزور کر دے گا اور تمہیں فتح عطا فرمائے گا۔

لیکن ان لوگوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑیں، ہم یہیں بیٹھے رہیں گے، تب اللہ تعالیٰ نے بزدلی و نافرمانی کی سزاء کے طور پر ان کو صحرائے سینا میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا، وہ کہتے تھے کہ آپ کے قول کے مطابق اللہ نے ہماری قسمت میں لکھ دیا ہے تو عمالقہ خود وہاں سے بھاگ جائیں گے، انہوں نے غلامی کی موت مرنا گوارا کیا لیکن نبی کی بشارت پر مجاہد و فاتح بننے کو تیار نہ ہوئے۔

اس سے امت مسلمہ کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ ظالم و جابر لوگوں سے جہاد کریں، ان کی طاقت و ہتھیار سے نہ گھبرائیں، ہمیشہ اللہ سے امید رکھیں، اسباب کو اصل نہ سمجھیں، قسمت پر بھروسہ کر کے اسباب کو

ترک نہ کریں بلکہ اسباب اختیار کریں، اگر وہ دنیا میں عزت دار اور بے خوف زندگی چاہتے ہوں اور دین پر آسانی سے چلنا چاہتے ہوں تو ظالموں کے خلاف اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کریں، انسان کو بہر حال مرنا تو ایک دن ہے، بہتر ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں قربانی دے کر مریں، ورنہ غلامی اور بزدلی کی زندگی گذارنا پڑے گا، اور دوسری قوموں کے غلام بن کر رہنا پڑے گا۔

بغیر محنت و مشقت کے زندگی کی ضروریات پوری ہونے پر ناشکری:

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى كُلُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَـكِن كَانُواْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ٥ (البقرہ:۵۷)

ترجمہ: اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ عطا کیا اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا (اور کہا کہ:) جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں بخشا اُسے شوق سے کھاؤ، اور (نافرمانیاں کر کے) انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ وہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انکار اور بزدلی پر یہ سزاء دی کہ چالیس سال تک ایک میدان جس کا نام وادی تیہ کہا جاتا ہے، جو مصر اور شام کے درمیان پانچ چھ میل کی دوری پر ہے، جس کا رقبہ تقریباً دس میل ہے، چالیس سال سرگرداں اور پریشان اس میدان میں بھٹکتے پھرتے رہے، تیہ کے معنیٰ ہیں سرگرداں اور پریشان، اس میدان میں کوئی عمارت اور ٹھہرنے کا سہارا نہیں تھا، دھوپ، سردی اور گرمی سے بچنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، کھانے پینے کے لئے کوئی زراعت کی سہولت نہیں تھی، کھانے پینے کا جو سامان لائے تھے وہ سب ختم ہو گیا، جانوروں کے لئے چارہ نہ ملنے لگا، تب یہ لوگ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے بحث و تکرار اور جھگڑا کرنا شروع کر دیا اور مصر اور وہاں کے آرام کا تذکرہ کرنے لگے، غذاء و پانی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہ غذاء اور پانی نہ ملے تو ہم کیسے زندہ رہیں گے؟

حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی تو اللہ نے اس میدان میں ان کی زندگی کی ضروریات کا انتظام کیا اور ان کو بغیر محنت و مشقت، تجارت و نوکری اور بغیر زراعت کے عمدہ غذاء اور سکون سے رہنے کے وسائل عطا کر دئے، صحراء کی شدید تپش، سورج کی جھلسا دینے والی گرمی اور دھوپ سے بچنے کے لئے ایسے ابر کا انتظام کیا کہ بادل کا ٹھنڈا سایہ ان کے ساتھ ساتھ چلتا تھا، صحراء میں بارش نہ ہو تو صحراء جہنم بن جاتا ہے جس سے آگ کی لپیٹیں اور گرمی کے شعلے بلند ہوتے ہیں، بھوک کو مٹانے کے لئے چٹیل بیابان صحراء میں بغیر محنت وجد و جہد کے لذیذ کھانے من وسلویٰ

کا انتظام کیا، من گوند اور دھنیا کی مانند ہوتی تھی جو ہر روز اوس کے شکل میں دن نکلنے تک برستی تھی، من دودھ سے زیادہ سفید اور شہد کی طرح میٹھی ہوتی تھی جسے یہ لوگ پیس کر کھاتے یا پانی میں ملا کر مشروب بنا کر پیتے تھے، ہر شخص اپنی اپنی خوراک کے مطابق دن بھر کے لئے جمع کر کے رکھ لیتا تھا، اس کو من کہا گیا، پھر بٹیر نما سلویٰ ان کے پاس ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو جاتی، جو بھاگتی نہیں تھیں، ان کو یہ لوگ پکڑ کر ذبح کر لیتے اور بھون کر کھا لیتے تھے، یہ دونوں طاقتور اور مزیدار چیزیں ان کو بغیر کسی تکلیف اور محنت کے ملتی رہتی تھیں۔

حضرت موسیٰؑ منجانب اللہ ان غذاؤں کو جمع کر کے رکھنے سے منع کیا تھا، مگر یہ لوگ حریص تھے، جمع کرنے لگے، تو ان میں کیڑے پیدا ہو گئے، ان کو پانی کی ضرورت پیش آئی، جانور پیاسے ہو گئے تو انہوں نے واویلا مچایا اور مصر کو یاد کرنے لگے، حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ سے جھگڑنے لگے، تو اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ ایک چٹان پر لاٹھی مارو، اس پر عصا مارا تو بارہ چشمے پھوٹ پڑے، جب پانی نکلا تو حضرت موسیٰؑ انہیں ''اے باغیو!'' کہہ کر پکارا، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے اپنے اپنے لئے پانی لیتے تھے، جب ضرورت پوری ہو جاتی تو عصا مارتے ہی پانی نکلنا بند ہو جاتا، یہ لوگ اس چٹان کی خوب حفاظت کرتے اور یہ خیال کرتے کہ اگر گم ہو جائے تو ہم پیاسے مر جائیں گے، اس لئے اس چٹان کو بیل بنڈی سے باندھ کر اپنے ساتھ لے کر چلتے، یہ چٹان بارہ سوراخوں کے ساتھ اب تک سیناء میں موجود ہے۔

اندھیری رات کا شکوہ کیا تو اللہ نے غیب سے ایک خاص روشنی ان پر قائم کر دی، کپڑے میلے نہیں ہوتے تھے، نہ پھٹتے اور نہ چھوٹے ہوتے، جیسے جیسے جسم بڑا ہوتا کپڑے بھی اسی طرح خود بخود ان کے برابر ہو جاتے۔ (تفسیر قرطبی) یہ اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں، جانوروں کی کھال ان کے جسم پر خود بخود بڑھتی رہتی ہے، اس چالیس سال کے عرصہ میں ہر روز سفر کرتے' پھر ایک جگہ رُک کر قیام کرتے، صبح دیکھتے تو پھر وہیں موجود ہوتے جہاں سے چلے تھے، آخر چالیس سال سزاء میں پھرتے رہے، اس دوران ان کی نئی نسل صحراء کی گود میں پل کر جوان ہوئی جنہوں نے جہاد کر کے غلبہ حاصل کر لیا۔

صحرا کے اس میدان میں یہ تمام سہولتیں ملنے کے بعد اللہ کے خوب شکر گذار بندے بن کر اللہ کے احکام پر خوب عمل کرنا چاہئے تھا، ہر طرح سے تورات کو اپنی زندگی میں عملاً لانا چاہئے تھا، مگر ان میں ان نعمتوں پر شکر گذاری کا جذبہ پیدا ہونے کے بجائے ناشکری کرنے لگے اور موجودہ

بہترین نعمتوں کے مقابلہ میں گھٹیا اور ادنیٰ درجے کی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگے، اور کہا کہ ایک ہی طرح کا کھانا کھاتے کھاتے ہم اُکتا گئے ہیں، اب من وسلویٰ کے بجائے ہمیں دال، ککڑی، پیاز، لہسن وغیرہ جیسی چیزیں چاہئے، جس کے لئے شہر منتقل ہونا، مختلف تجارت ونوکری کرنا، زراعت کرنا، گویا آرام دہ زندگی کے مقابلہ میں انہوں نے مشقت والی زندگی طلب کی، یہ چیزیں شہر میں وافر مقدار میں موجود رہتی ہیں۔

اس جملہ کا مطلب گویا یہ تھا کہ تم ملکِ مصر کی طرف جہاں سے نکالے گئے ہو لوٹ جاؤ، جس ذلیل، حقیر، پست اور غلامانہ زندگی کے تم مصر میں محنت ومشقت کے ساتھ گھرے تھے اُسے پھر اختیار کرلو، شہر مصر میں تمہاری من پسند چیزیں وافر مقدار میں مل جائیں گی، مگر یہ لوگ ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کئے، انسان کو جب اللہ اپنے احسانات سے نوازتا ہے تو اس کا کام یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ اللہ کا شکر گذار بن کر مطیع وفرمانبردار ہوجائے، یہ اس کی فطرت بھی ہے، مگر جب فطرت بگڑ جاتی ہے تو احسان پا کر ناشکرا بن جاتا ہے اور بغاوت بھی کرتا ہے۔

ادنیٰ وحقیر چیزوں کا مطالبہ کرنے بجائے اللہ سے اگر یوں دعاء کرتے کہ اے اللہ! آپ اپنی ان اعلیٰ نعمتوں کے ساتھ ساتھ ہمیں کبھی کبھی اپنی یہ نعمتیں بھی عطا فرماتو ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے ان چیزوں کا بھی انتظام فرمادیتا، یا من وسلویٰ کی جگہ ان کی طبیعت ومزاج کے مطابق کوئی دوسری غذائیں نازل کردیتا، مگر یہ لوگ پیغمبر سے صحیح تربیت حاصل نہیں کرتے تھے اور نفس کی خواہشات پر چلتے تھے۔

بنی اسرائیل پتھر سے بھی زیادہ سخت دل ہے

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَ إِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ o (البقرة:۷۴)

ترجمہ: اس سب کے بعد تمہارے دل پھر سخت ہوگئے، یہاں تک کہ وہ ایسے ہوئے جیسے پتھر! بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی زیادہ، کیونکہ پتھروں میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹتی ہیں اور انہی میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو خود پھٹ پڑتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا، اور انہی

میں وہ پتھر بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے لڑھک جاتے ہیں، اور اس کے برخلاف جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سنگدل فرمایا، حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ اور بعد میں بھی بے شمار نشانیاں و معجزات دیکھنے کے باوجود یہ سرکش اور سنگ دل ہی رہے، اللہ کی قدرت و طاقت اور پیغمبروں کی سچائی کو نہ سمجھ سکے۔

نرم زمین جیسے پانی جذب کرتی ہے اسی طرح نرم دل وحیٔ الٰہی قبول کرتا ہے:

جس طرح بنجر زمین میں پانی جذب نہیں ہوتا اور زمین اس پانی کو اپنے اوپر سے بہا دیتی ہے، اس میں کوئی خیر ظاہر نہیں ہوتا، بنجر ہی رہتی ہے، اسی طرح جب دل سخت اور بنجر ہو جاتا ہے اور گناہوں میں لت پت ہو جاتا ہے تو وحیٔ الٰہی اور پیغمبر کے ارشادات کو اپنے اندر جذب نہیں کرتا، توحید کو سمجھنے، اللہ کی محبت اپنے اندر پیدا کرنے، تقویٰ اور پرہیزگاری اور نیکی اختیار کرنے، لوگوں پر رحم کرنے، سچائی اور حق کا ساتھ دینے کے لئے دل میں نرمی و رحم اور فطرت سلیمہ ہونا ضروری ہے، سخت دل بگڑی ہوئی فطرت، شرک و کفر والے جاہل لوگ احکام الٰہی کو پسند نہیں کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے، وہ اگر سدھر جائے تو سارا جسم سدھر جاتا ہے، وہ انسان کا دل ہے۔ (بخاری)

جب دل اندھا ہو جاتا ہے تو جسم کے اعضاء باغی بن کر اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، دل میں جو ہوگا اعضاء سے وہی ظاہر ہوگا، اگر اس قوم کے بجائے دنیا کی کسی دوسری قوم کے سامنے یہ معجزات اور نشانیاں بتائی جاتیں تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ کی فرمانبردار بن جاتی، ان کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی نافرمانی کا خطرہ پیدا نہ ہوتا، توحید کو پورے یقین اور اچھی طرح سے اختیار کرتی۔

قرآن گویا ان کو سخت دل بتلا کر یہ کہہ رہا ہے کہ تم پر اور تمہارے باپ دادا پر پیغمبروں کا یا کتابِ الٰہی کا اثر نہیں ہوا، اگر ہوا بھی ہے تو وقتی اور غیر متاثر ثابت ہوا، اگر تم آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی مخالفت کر رہے ہو تو یہ قدیم عصبیت و جہالت ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کو قول و فعل دونوں سے اذیتیں پہنچائیں، حتی کہ بہتان طرازی اور تہمت تراشی سے بھی باز نہیں رہے۔

ایمان وہی ہے جو اللہ کے کلام اور نبی کی صحبتوں یا تعلیم سے دل نرم پڑ جائے، دل تو سینے

میں ہوتا ہے، مگر انسان کے اعمال اس کی نمائندگی کر کے بتلاتے ہیں کہ یہ کتنے ایمان والا ہے۔

بنی اسرائیل کے بت بنانے کے مطالبہ سے یہ ظاہر ہوا کہ حضرت موسیٰؑ نے ان کی تربیت کے لئے جتنی محنت کی تھی وہ ان کے حق میں بیکار ثابت ہوئی۔

حضرت موسیٰؑ زندگی کا قانون لینے کے لئے طور پر گئے

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ o (البقرہ:۵۳)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور حق و باطل میں تمیز کا معیار بخشا تا کہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔

جب بنی اسرائیل مصیبت و تکالیف اور فرعون کی غلامی سے آزاد ہو گئے، مصر پر ان کا اقتدار قائم ہو گیا اور وہ سمندر پار کر کے آگے بڑھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے بنی اسرائیل کے لئے غلامی سے آزاد ہونے کے بعد زندگی گذارنے کی شریعت اور قانون دینے کا وعدہ کیا تھا، تا کہ بنی اسرائیل اصول وضوابط کے تحت زندگی گذارے اور اللہ کی اطاعت میں رہے، پھر اللہ نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے چند خاص لوگوں کو کوہِ طور پر بلایا تا کہ انہیں شریعت اور کتاب (تورات) دی جائے، حضرت موسیٰؑ سب کو چھوڑ کر جلدی سے طور پر کتابِ الٰہی لینے کے لئے چلے گئے اور سب کو اوپر آنے کو کہا۔

اتفاق ہے کہ اللہ نے ۳۰ر دونوں کے بعد دس دنوں کا اضافہ کر دیا اور حضرت موسیٰؑ کو وہیں ۴۰ راتوں کا اعتکاف کرنا پڑا، جب حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر جا رہے تھے تو حضرت ہارونؑ کو اپنی جگہ اپنا نائب و وزیر بنا دیا اور قوم پر نظر رکھنے اور ان کی اصلاح کرتے رہنے کی تلقین کی۔

حضرت موسیٰؑ جب کوہِ طور پر چلے گئے تو اللہ نے شرفِ کلام بخشا، حضرت موسیٰؑ نے مسرت کے عالم میں عرض کیا کہ پروردگار! آپ نے مجھے اپنی آواز کی لذّت سے تو نوازا، پھر میں آپ کے دیدار کی لذت سے کیوں محروم رہوں؟ مجھے اپنے دیدار سے بھی سرفراز فرما، اللہ نے فرمایا: تم میرے دیدار کی تاب نہ لاسکو گے، میں اپنی ذات کی تجلی کا سایہ اس پہاڑ پر ڈالوں گا، ذرا اُسے دیکھ لو، اس کے بعد اللہ کے نور کی تجلی پہاڑ پر گری، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا، حضرت موسیٰؑ تجلی کے اس نظارے کی تاب نہ لاسکے اور بیہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ کی حمد وثناء کی اور اپنے سوال سے باز آئے اور عرض کیا کہ میں اقرار کرتا ہوں اور ایمان لاتا ہوں کہ تیرے جمال کی تجلی میں کوئی کمی نہیں،

نقصان صرف میری اپنی ذات کی مجبوری وانکساری کا ہے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے یقین کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے پوچھا کہ تم نے قوم کو چھوڑ کر یہاں آنے میں جلدی کیوں کی؟ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا: اے اللہ! اس لئے کہ جلدی حاضر ہو کر قوم کے لئے ہدایت حاصل کرلوں، اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو بتلایا کہ جس قوم کی ہدایت کے لئے تم اس قدر بے چین ہو وہ شرک کی گمراہی میں مبتلا ہوگئی ہے۔

اس واقعہ سے انسانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں اللہ کا دیدار کرنے کی خواہش اور اس کا مطالبہ نہ کریں، کیونکہ دنیا کی نظروں میں اللہ کے دیدار کی طاقت نہیں۔

مشرکین کے درمیان رہنے سے کمزور ایمان والوں کے خیالات واعمال بھی شرکیہ انداز کے ہوجاتے ہیں:

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ٥ (طٰہٰ:۹۶)

ترجمہ: اس نے کہا: میں نے ایک ایسی چیز دیکھ لی تھی جو دوسروں کو نظر نہیں آئی تھی، اس لئے میں نے رسول کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی اٹھالی اور اُسے (بچھڑے پر) ڈال دیا، اور میرے دل نے مجھے کچھ ایسا ہی سُجھایا۔

سامری جو بنی اسرائیل کے لوگوں میں بڑا مانا جاتا تھا وہ بظاہر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لاکر بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے نکل آیا تھا، لیکن وہ منافق تھا، بنی اسرائیل کے بعض لوگوں کے پاس فرعون کی قوم کے کچھ زیورات رہ گئے تھے، چونکہ سب غرق ہوگئے تھے، فرعون کی حکومت ختم ہوچکی تھی، اس کے محلات اور عمارتیں توڑ پھوڑ دی گئی تھیں۔

سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جو زیورات تمہارے پاس رہ گئے ہیں وہ تمہارے لئے حلال نہیں ہیں، کیونکہ اس وقت کفار سے جنگ کے بعد حاصل شدہ مالِ غنیمت مسلمانوں کے لئے حلال بھی نہیں تھا، بنی اسرائیل نے اس کے کہنے پر اس کے پاس جمع کردئے، اس نے ان کو جلا کر پگھلا دیا اور ایک بچھڑے کا مجسمہ بنادیا۔

سمندر پار کرتے وقت اس نے حضرت جبرئیلؑ کو گھوڑے پر سوار دیکھا، اور دیکھا کہ اس

گھوڑے کے پیر جہاں جہاں خشکی پر پڑتے وہاں وہاں سبزہ اُگ جاتا، اسی وقت سامری نے مٹی میں حیات کا احساس کر کے کچھ مٹی اٹھا کر اپنے پاس محفوظ کر لی تھی، وہ مٹی اس نے سونا پگھلاتے وقت اس میں ڈال دی، اس کا یہ اثر ہوا کہ اس مجسمہ سے گائے بچھڑے کے آثار پیدا ہو گئے اور اس سے بے مطلب پکارنے کی آواز نکلنے لگی، یہ آواز بول و براز کے راستے سے ہوا دخل ہو کر منہ سے نکلنے سے پیدا ہونے لگی، سامری کے اس چمتکار اور غیر فطری عمل کو دیکھ کر لوگوں نے اُسے بچھڑا سمجھا، سامری نے لوگوں سے فوراً کہا کہ یہی تمہارا معبود ہے، موسیٰ کوہِ طور پر خدا کو تلاش کرنے گئے ہیں، وہ گم ہو گئے، مگر تمہارا اور ان کا خدا خود تمہارے پاس آ گیا (معاذ اللہ)، یہی معبود تم کو مصر سے نکال کر تمہیں فرعون سے نجات دلا کر سمندر پار کروایا اور یہاں لایا ہے۔

چونکہ بنی اسرائیل بہت زمانے تک مصر کی قبطی قوم جو گائے کی بھی پرستش کرتی تھی اور ان کے مشرکانہ طور طریقے، رسم و رواج کی یہ بھی نقل کرتے تھے، ان کے دلوں میں بھی گائے کی محبت رچ بس گئی تھی، کمزور اور ناقص ایمان والے ایمان کے ساتھ ساتھ دل و دماغ میں ابھی بھی مشرکانہ خیالات و جذبات رکھتے تھے، اسی وجہ سے وہ سمندر پار ہوتے ہی بت پرست قوم کو دیکھ کر ایک بت بنانے کی حضرت موسیٰؑ سے خواہش بھی ظاہر کی تھی۔

وہ خوشی سے ناچنے لگے، اسی وقت سے ناچ گانا انسانوں میں عام ہو گیا، دنیا کی بعض مشرک قوموں کا اور مصری قوم کا یہ عقیدہ تھا کہ گائے مقدس جانور ہے، اس کی سنگھ پر زمین ٹھہری ہوئی ہے، جب وہ سر ہلاتی ہے تو زلزلے آتے ہیں، بنی اسرائیل بھی ان کی طرح توہم پرستی اور شرکیہ خیالات میں مبتلا تھے، بچھڑے سے آواز نکلنے پر ان میں تین گروہ ہو گئے، ایک گروہ حضرت ہارونؑ کے ساتھ رہا، دوسری جماعت حضرت موسیٰؑ کے آنے تک بچھڑے کی پرستش کرنے اور ان سے پوچھ کر حقیقت جاننے کے بعد پرستش بند کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، تیسری جماعت اسی کو معبود سمجھ کر خدا کا درجہ دے دیا اور اس کی پرستش میں لگ گیا اور کہا کہ یہی ہمارا خدا ہے، شاید دنیا میں جہاں پر بھی گائے کی پرستش کی جائے گی اس کے ذمہ دار یہی لوگ ٹھہریں گے۔

حضرت موسیٰؑ کا حضرت ہارونؑ پر غصہ ہونا:

حضرت ہارون علیہ السام کے ساتھ جو گروہ تھا وہ گمراہ لوگوں کے مقابلے بہت کم تھا، انہوں نے ان کو اس عمل سے روکا، بہت سمجھایا اور کہا کہ یہ اللہ کے ساتھ کھلا شرک ہے، ان کے ساتھی اور

شرک کرنے والوں میں بحث وتکرار شروع ہوگئی، جو لوگ شرک میں مبتلا ہوگئے تھے، انہوں نے حضرت ہارونؑ کو قتل کرنے کا منصوبہ بھی بنایا، حضرت ہارونؑ کے ساتھی ان کی حفاظت کے لئے مخالف گروہوں سے لڑنے تیار ہوگئے، حضرت ہارونؑ نے جب یہ دیکھا کہ خون خرابے کی نوبت آرہی ہے، سوچا کہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ میں نے حضرت موسیٰؑ کی غیر موجودگی میں تفرقہ پیدا کر کے ان کو لڑادیا، انہوں نے خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر سمجھا۔

حضور ﷺ کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ بڑے شر کے مقابلے چھوٹے شر کو ترجیح دینا عقلمندی ہے، بہرحال حضرت موسیٰؑ کے آنے تک باقاعدہ بچھڑے کی پرستش شروع ہوگئی، اُدھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو کوہِ طور پر سے اترنے سے پہلے ہی ان کی قوم کی گوسالہ پرستی کی اطلاع دیدی، یہ سن کر حضرت موسیٰؑ بہت غمزدہ ہوگئے، وہ بہت جلالی تھے، اور پیغمبر شرک کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتے۔

وہ نیچے اپنی قوم کے پاس آئے اور دیکھا کہ قوم بچھڑے کی پرستش کررہی ہے، کہا: کیا تم نے یہ سمجھا کہ مجھ پر موت آگئی، میری غیر موجودگی میں انتظار کئے بغیر گمراہی اختیار کرلی، پھر ساتھ میں جو تورات کی پتھر کی تختیاں لائے تھے انہیں جلدی سے زمین پر رکھ کر غصہ کی حالت میں حضرت ہارونؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے بال پکڑ لئے اور فرمایا: تم نے ان کی اصلاح کیوں نہیں کی؟ حضرت ہارونؑ نے پورا واقعہ سنایا، عرض کیا کہ میری ماں کے بیٹے! میرا اس گناہ کی پاداش میں کوئی قصور نہیں ہے، ان لوگوں کو میں نے بہت سمجھایا اور اس کام سے روکا، مگر انہوں نے میری بات نہیں مانی بلکہ قریب تھا کہ یہ مجھے ہی قتل کردیتے، آپ مجھے ان گمراہوں کے ساتھ نہ سمجھیں، میں قوم میں تفرقہ پیدا ہونے کی غرض سے خاموشی اختیار کر کے تماشائی بنا رہا۔

تب حضرت موسیٰؑ کا غصہ ٹھنڈا ہوا، اور اس بچھڑے کو سب کے سامنے جلا کر سمندر میں بہادیا اور بتلایا کہ شرک کرنے والوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ ان کا یہ معبود بے قیمت اور طاقت و قوت سے عاجز ہے، وہ کسی اور کی مدد تو کیا خود اپنی ذات کو ہلاک و برباد ہونے سے نہیں بچا سکا، بدبختو! یہ معمولی بات بھی تم نہ سمجھ سکے، تمہارا معبود وہی ایک اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اس کا علم ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے۔

سامری کو شرک پھیلانے کی سزاء ملی:

پھر حضرت موسیٰؑ سامری کی طرف پلٹے اور ناراض ہوکر اس کو یہ سزاء دی کہ وہ فوراً بنی

اسرائیل کے لوگوں سے الگ ہوجائے، کسی کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ کوئی اس کو ہاتھ لگائے، پھر وہاں سے اس کو نکال دیا، نکالنے سے پہلے اس کے سامنے بچھڑے کو آگ کے حوالے کردیا، وہ عمر بھر پاگلوں کی طرح جانوروں کے ساتھ ہی مارا مارا پھرتا رہا، کوئی انسان اس کے قریب نہیں آتا تھا، اللہ نے اس کو دنیا ہی میں ذلت عطا کردی۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اللہ نے اس پر یہ عذاب مسلط کردیا تھا کہ جب کوئی اس کو ہاتھ لگائے یا کسی کو وہ ہاتھ لگائے تو فوراً دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا، تفسیر روح البیان میں ہے کہ یہ خاصیت اس کی نسل میں بھی برقرار رہی، امام مالکؒ نے فرمایا: دین میں اپنی طرف سے بدعات ایجاد کرنے والوں کی یہی سزاء ہے، آخرت میں غضب الٰہی کے وہ مستحق ہوں گے اور وہ دنیا میں رسوا ہوں گے۔

نبی ﷺ کے بعد امت مسلمہ بھی بنی اسرائیل کی طرح شرک میں گرفتار ہوگئی:

امت مسلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعد جیسے جیسے دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلی کم علمی اور ایمان کی کمزوری اور قرآن سے دوری کی وجہ سے پیغمبر کے موجود نہ ہونے سے آہستہ آہستہ مشرک اور کافر قوموں کے خیالات اور طریقوں، رسم ورواج سے متاثر ہوتی گئی، اور انہوں نے بت پرستی، چاند، سورج، درخت اور جانوروں کی پرستش تو نہیں کی، البتہ اللہ کی عبادت کے جو صحیح اسلامی طریقے تھے ان کو جھنڈے، علم، قبروں، ولیوں اور بزرگوں کے ساتھ نسبت دے کر ان کو ادا کرنے لگے، یعنی اللہ کی عبادت کے طریقوں کی شکل بدل کر تاویلات کے ساتھ اللہ کو مانتے ہوئے مخلوقات کے شرک میں گرفتار ہوگئی، دوسری قوموں کی جاہلانہ رسمیں اختیار کرکے اپنے پیغمبر کی سنتوں کے خلاف عمل شروع کردیا۔

بنی اسرائیل بچھڑے کی پرستش کرتے ہوئے اللہ کا انکار نہیں کیا، حضرت موسیٰؑ کو نبی مانتے تھے، مگر توحید کے ساتھ شرک کو اختیار کیا، بالکل اسی طرح امت مسلمہ بھی توحید کا دعویٰ کرتے ہوئے قوم پرستی، وطن پرستی، بزرگ پرستی، قبر پرستی، جھنڈا پرستی، علم پرستی، نفس پرستی میں مبتلا ہوگئے، چنانچہ کسی نے پیغمبر کو بشر ماننے سے انکار کیا اور بشر سے آگے فوق البشر مانا، کسی نے پیغمبر کے ساتھ خدائی صفات لگادیا اور کہا کہ عرب میں ایک بغیر ''ع'' کا رب آیا، کوئی غلو کرکے اللہ کی طرح پکارنے لگا، مشرک قوموں کی جاہلانہ رسموں کا جواب دینے مشرکانہ انداز کی رسمیں اختیار کرلی اور اللہ کو مانتے ہوئے قبروں پر نذر ونیاز، منتیں مرادیں، دعائیں، سجدہ ورکوع طواف سب کچھ شروع کردیا اور

قبروں کا پانی دھودھو کر پینا شروع کر دیا، قبروں پر چڑھاوے چڑھا کر جانور کے سر اور پیروں کلیجی کو تھال میں رکھ کر قبروں کے اطراف طواف کرنے لگے، ان کے نزدیک توحید اور شرک کا فرق ہی نہیں ہے، قرآن مجید کے احکام کی کچھ پرواہ نہیں کی، الٹا اہل حق کو کافر اور رسول کے دشمن کہہ کر لڑنا مارنا شروع کر دیا، اپنے پیغمبر کی سنتوں کے خلاف جان بوجھ کر بدعتوں کو اختیار کر لیا، اور دین کی شکل بگاڑ دی، یہ سب اخلاق رذیلہ سامری کی طرح امت مسلمہ کے گمراہ علماء نے ان کو سکھایا اور وہ اپنے گمراہ علماء کو آنکھ بند کر کے اعتماد کئے اور ان کو رب بنالیا۔

بچھڑے کے واقعہ سے ملنے والے سبق:

یہود کا یہ گروہ اگر دین ابراہیم کو اچھی طرح سمجھا ہوتا اور پیغمبر پر اعتماد کیا ہوتا تو ان میں شعوری و حقیقی ایمان ہوتا، وہ ہرگز توحید کے ساتھ ساتھ شرک میں گرفتار نہ ہوتے، اسی طرح موجودہ زمانے میں قرآن وحدیث محفوظ ہے اور دنیا کی کسی قوم میں معروف ومنکر اور جتنا امت مسلمہ میں اصلاحی کام ہونے کے باوجود ہر جمعہ وعظ ونصیحت سننے کے باوجود آج پوری دنیا میں مسلمانوں کی کثیر تعداد توحید کے ساتھ ساتھ شرکیہ عقائد واعمال بھی کرتی ہے اور وہ ایمان کا برائے نام دعویٰ کرنے کے باوجود شرک میں مبتلا ہے، اس کی اصل وجہ وہ کتاب الٰہی کو پڑھتی تلاوت کرتی ضرور ہے، مگر بغیر سمجھے تلاوت کرتی ہے اور شعوری وحقیقی ایمان سے اللہ کی معرفت سے خالی ہے، جس کی وجہ سے جس ماحول اور معاشرے میں وہ جاتے ہیں وہاں کے اثرات قبول کر لیتے ہیں، مسلمانوں میں جو پختہ اور مضبوط ایمان والے ہیں وہ دنیا کے ہر کونے میں جہاں شرک وبت پرستی ہو اپنے کو محفوظ رکھتے اور توحید پر قائم رہتے ہیں، شرک کرنے والے مسلمانوں کو شرک سے نکالنے کی محنت بھی کرتے ہیں۔

☆ بچھڑے کے اس واقعہ میں یہ بھی نصیحت ملتی ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ بہت ساری باتوں اور کاموں کو امتحان وآزمائش کی خاطر غیر فطری چمتکار کو ظاہر کر کے انسانوں کا امتحان لے گا، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا حمل کے ساتھ پہاڑ کی چٹان سے نکلنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے ذریعہ ماں سے پیدا ہوجانا، ان تمام کاموں میں ایمان والے ہمیشہ کتاب الٰہی اور رسول کی تعلیمات پر نظر رکھیں گے اور کسی بھی غیر فطری حالات سے متاثر نہ ہوں گے، جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غیر فطری طریقہ پر پیدا ہونے کو خدا کا بیٹا کہہ دیا، اسی طرح یہودی گروپ سامری کے بچھڑا بنانے اور اس سے عجیب وغریب آواز نکلنے پر شرک میں گرفتار ہوگئے اور توحید کے

خلاف عمل کیا، چنانچہ آج کمزور ایمان بے شعوری ایمان رکھنے والے مسلمان بھی بہت سارے اسباب سے غیر فطری باتیں اور چمتکار ظاہر ہونے پر توحید سے دور ہوجاتے ہیں اور اسباب میں خدائی قدرت سمجھ کر دعائیں مانگتے ہیں، منت، مرادیں مانگتے ہیں، پیر ومرشد کو سجدہ کرتے ہوئے خدائی مقام دے دیتے ہیں۔

☆ بنی اسرائیل کے شرک کو دور کرنے کے لئے اس واقعہ میں یہ حکم دیا گیا کہ جو لوگ بچھڑے کے شرک میں گرفتار ہوئے انہیں ان کے قریبی رشتہ دار اپنے ہاتھ سے قتل کردیں تا کہ کسی کے اندر شرک کا قلبی مرض باقی نہ رہے اور اُسے جرم عظیم سمجھے۔(البقرہ:۸۱)

☆ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ جن جن چیزوں اور اسباب کے شرک کے مبتلا ہوں وہ توحید اختیار کرتے ہی ان چیزوں کو اپنے ہاتھ سے ختم کردیں، اس کی عظمت وتقدس کو اپنے دل سے مٹانے اور ختم کرنے کے لئے اس چیز کو اپنے ہاتھ سے گھروں سے باہر نکال کر پھینک دیں، چنانچہ بہت سے مسلمان عقیدت واحترام میں گھروں میں پیروں کی فوٹو، مجسمے، قبروں کی تصاویر یا بزرگوں کے جوتا چپل رکھ کر متبرک برکت اور نفع کا تصور کرتے ہیں، ان چیزوں کو نکال کر اللہ سے مغفرت مانگیں، اس طرح کے عمل سے ان کے دلوں سے ان چیزوں کی عظمت ومحبت ختم ہوگی اور شرکیہ عقائد واعمال سے نفرت کریں۔

☆ معاشرے میں جو لوگ صحیح ایمان نہیں رکھتے یا منافق ہوتے ہیں، وہ دنیا میں مال ودولت کی خاطر اپنے دماغ سے دین میں نئی نئی باتیں نکال کر لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کردیتے ہیں اور توحید کا نام لے کر شرک کو پھیلاتے ہیں اور لوگوں کو دین میں غلو کرواتے ہیں، جس طرح سامری نے نبی اسرائیل کو گمراہ کر کے شرک میں مبتلا کیا، چنانچہ جو لوگ برائی پھیلائیں گے، اس برائی کی وجہ سے قیامت تک تمام برائی کرنے والوں کے گناہوں کو بھی اپنے نامہ اعمال میں شریک کروائیں گے، اس لئے ایمان والوں کو بدعات وخرافات اور شرکیہ عقائد واعمال جیسے گناہوں کو لوگوں میں عام کرنے اور ان کو اس کا عادی بنانے سے دور رہنا چاہئے۔

قرآن وحدیث میں حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل کا اس تعلق سے تذکرہ کیا گیا ہے، قرآن نے شرک کو جرم عظیم بتلایا، حدیث میں ہے کہ قیامت تک جتنے ناحق قتل ہوں گے، اس کا ذمہ دار قابیل بھی ہوگا، اس لئے قیامت تک جتنی گائے کی پرستش ہوگی، اس کا ذمہ دار سامری بھی ہوگا۔

☆ اس واقعہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ جیسے ہی بچھڑے میں سے عجیب وغریب آوازیں نکلی، بنی اسرائیل کا گمراہ گروہ ناچنے لگا اور خوش ہوکر بے قابو ہوگیا، ایمان والے غیر شرعی باتوں اور شرکیہ کاموں پر خوشی کا اظہار نہیں کرتے۔

☆ اس میں یہ بھی نصیحت ہے کہ جو ایمان رکھتے ہیں، متقی و پرہیزگار ہیں جب وہ اپنے سامنے برائی کو دیکھیں تو اُسے زبان سے روکیں ہاتھ سے روکیں، زبان سے سمجھائیں یا دل سے برا جانیں، برائی کی مخالفت نہ کرنا ایمان کے کمزور ہونے کی علامت ہے۔

برائی کو برائی نہ سمجھ کر اس کا ساتھ دینا' دین کو کمزور کرنا اور دین کو مٹانے میں ساتھ دینا ہے، خود گمراہ ہوکر اہل حق کو گمراہ کہنا، اپنی جہالت کا ثبوت اور جہنم کے راستے پر چلنا ہے، بنی اسرائیل کے گروہوں نے بچھڑے کی پرستش کر کے اہل حق کو حق کہنے سے روکا، لڑائی جھگڑا کیا اور حضرت ہارونؑ کو قتل کرنا چاہا، یہ سلوک ہر زمانہ میں اصلاح کرنے والوں کے ساتھ کیا گیا اور کیا جاتا رہے گا۔

پیغمبر پر اعتماد نہ کر کے بدتمیزی اور نافرمانی کی گئی

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝ (البقرہ:۵۵)

ترجمہ: اور جب تم نے کہا تھا: اے موسیٰ! ہم اس وقت تک ہرگز تمہارا یقین نہیں کریں گے جب تک اللہ کو ہم خود کھلی آنکھوں نہ دیکھ لیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بجلی کی کڑک نے تمہیں اس طرح آ پکڑا کہ تم دیکھتے رہ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو تورات کے عطا ہونے اور احکام الٰہی کتاب کے ملنے کا تذکرہ کیا تو ان میں کی بڑی تعداد نے یہ کہا کہ ہم کیسے سمجھیں کہ یہ اللہ نے عطا کی ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ خود لکھ کر لائے ہوں، ہمیں اطمینان کیسے ہو، پیغمبر پر یقین نہ کر کے ان کو جھٹلایا، ان کا پیغمبر کے ساتھ اس انداز سے اعتماد نہ کرنا کھلے طور پر بتلاتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کو دل سے پیغمبر نہیں مانتے تھے صرف ظاہری اعتبار سے دنیا میں سیاست واقتدار اور آفات سے بچنے کے لئے ایمان کا اظہار کئے ہوئے تھے، ورنہ جو لوگ دل سے ایمان لائے وہ اس طرح کے اعتراض اور پیغمبر کے کہنے پر انکار نہیں کرتے۔

حضرت موسیٰؑ اپنے تمام لوگوں کو لے کر کوہِ طور پر نہ لیجا سکتے تھے، ان سے کہا کہ تم چند پُر اعتماد سرداروں کو چُن کر میرے ساتھ روانہ کرو، وہ تصدیق کر دیں تو ایمان لے آؤ۔

حضرت موسیٰؑ نے صبر کر کے اللہ سے دعاء کی تو اللہ نے ان میں کے چند با اثر اور قابل سرداروں کو کوہِ طور پر لانے اور اپنا کلام خود سنانے کا اظہار کیا، اس پر حضرت موسیٰؑ نے قوم کے تجربہ کار اور بوڑھے بڑے قابل لوگوں کی جماعت کو لے کر کوہِ طور پر پہنچے۔

طور پر پہنچنے کے بعد ایک سفید بادل کی طرح نور نے حضرت موسیٰؑ کو گھیر لیا اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی گفتگو شروع ہوگئی، آپؑ نے عرض کیا کہ اے پروردگار! میں ان منتخب لوگوں کو لایا ہوں، کیا ہی اچھا ہو کہ وہ بھی اس نور کے پردے سے میری اور تیری بات کو سن لیں اور قوم کے پاس جا کر تصدیق کرنے کے قابل ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی درخواست پر ان لوگوں کو بھی نور کے پردے میں لے لیا، پھر جب نور کا پردہ ہٹ گیا، تو پھر سرداروں نے کہا: ہمیں کیا معلوم آپ سے کون بات کر رہا تھا، جب وہاں حضرت موسیٰؑ اور اللہ تعالیٰ کی گفتگو غیبی آواز کے ذریعہ سب نے سنی تب نور کا پردہ ہٹ گیا، وہ ہٹ دھرمی اور شرارت پر اتر آئے، کہنے لگے ہم کیسے سمجھیں کہ یہ اللہ کہہ رہا ہے؟ پتہ نہیں کس کی آواز ہے؟ ہم غیبی آواز پر کلام سننے سے اعتماد نہیں کریں گے، جب تک کہ ہم اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں نہیں مانیں گے۔

اس کا مطالبہ کرنے والوں میں اکثر وہ لوگ تھے جو بچھڑے کی پوجا میں تو شریک نہیں ہوئے تھے لیکن ان کے رشتہ دار بچھڑے کی پرستش کر چکے تھے، انہوں نے ان کو شرک کرتا ہوا دیکھ کر منع نہیں کیا تھا، جب اللہ نے اپنا کلام سنا کر ان پر حجت پوری کی اور ان کی یہ جہالت اور احمقانہ باتیں کرنے پر ایک زبردست بجلی کا کڑاکا ہوا، چمک اور زلزلہ آیا اور پہاڑ پر وہ بے ہوش ہو کر مردوں کی طرح گر گئے، گویا وہ سب مر گئے ہوں۔

حضرت موسیٰؑ اس امر سے بہت پریشان ہو گئے، سوچنے لگے کہ ان کے مر جانے سے ان کے کام میں مزید مشکلات پیدا ہو جائیں گی، بنی اسرائیل پہلے ہی سے بدگمان اور غلط سوچنے والے لوگ ہیں، یہ ان کی قوم کے با اعتماد لوگ تھے، انہی کی گواہی سے ان کی قوم کتابِ الٰہی کو سچا ماننے والی ہے، وہ سمجھیں گے کہ میں نے لیجا کر انہیں مار ڈالا ہے، اور اس بدگمانی میں مجھے قتل کرنے تیار ہو جائیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعاء کی اور عرض کی کہ اے اللہ! آپ چند بیوقوفوں کے

عمل کی وجہ سے ان سب کو ہلاک نہ کیجئے، آپ سب معاف کرنے والوں میں سب سے زیادہ معاف کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی دعاء قبول فرمائی اور سب کو زندہ اٹھا کر کھڑا کر دیا، سب نے یکے بعد دیگرے دوبارہ زندہ ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا، واپس آ کر حضرت موسیٰؑ کے سچے ہونے اور تورات کے کلام الٰہی ہونے کی تصدیق کی، لیکن قوم نے پھر بھی نہیں مانا۔

شرک کرنے والوں کو کفارہ کے طور پر قتل کی سزاء:

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوْا إِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْا أَنفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرہ: ۵۴)

ترجمہ: اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم! حقیقت میں تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، لہٰذا اب اپنے خالق سے توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو، تمہارے خالق کے نزدیک یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اس طرح اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی، بیشک وہی ہے جو اتنا معاف کرنے والا اتنا رحم کرنے والا ہے۔

وہ لوگ جو کتاب اللہ سے واقف نہ ہو پیغمبر سے واقف نہ ہوں یا شرک کی تفصیل نہ جانتے ہوں ان کے مقابلے میں ایسے لوگ جو پیغمبر سے واقف ہوں اور پیغمبر کی تربیت میں ہوں، کتاب الٰہی کا علم رکھتے ہوں، شرک کو گناہ عظیم جانتے ہوں، اگر وہ لوگ جانتے بوجھتے شرک کریں تو کم علم اور حق سے دور انسانوں کے مقابلے میں بہت بڑے مجرم ہوں گے اور قیامت تک زمین پر جتنا شرک ہوگا اس کے ذمہ دار یہ بھی ہوں گے، شرک کی ترغیب دینے اور اُسے عام کرنے کے ذمہ دار یہ بھی ہوں گے، ان کو سزاء بھی اتنی سخت ملنی چاہئے، ویسے تورات میں مرد و عورت کے شرک کرنے کی سزاء قتل کرنا تھا۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اللہ نے بچھڑے کو پوجنے والوں کی توبہ کے لئے یہ کڑی شرط مقرر کی تھی کہ شرک نہ کرنے والا شرک کرنے والے کو قتل کر دے، تب ہی ان کا یہ گناہ معاف کیا جائے گا، توبہ کے لئے یہ کفارہ مقرر فرمایا کہ وہ اپنے اپنے قریبی رشتہ داروں کو خود قتل کریں، باپ بیٹے کو، بیٹا باپ کو، بھائی بھائی کو، یعنی جو مطیع و فرمانبردار ہوں وہ نافرمانوں کو قتل کریں، اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ نافرمان مشرک گناہ سے پاک ہو جائیں، فرمانبرداروں کو عبرت و نصیحت بھی ملے، دوسرے لوگ جو جرائم کا ذہن رکھتے ہیں وہ اس طرح کی شدید سزاء کے خوف سے شرک سے دور رہیں،

فرمانبرداروں میں کبھی اس طرح شرک کرنے کا رجحان پیدا نہ ہونے پائے اور اس طرح کی سزاؤں سے پورے سماج کا تزکیہ ہوتا رہے، جو لوگ شرک کئے تھے وہ توبہ کرنے کی غرض سے کفارہ کے طور پر سر جھکا کر بیٹھے رہے، مطیع وفرمانبرداران کے سامنے کھڑے رہ کر اپنے ہاتھوں سے ان کو قتل کیا۔

جب تین ہزار سے زیادہ لوگ قتل کر دئے گئے تو حضرت موسیٰؑ نے سوچا کہ اس طرح قوم کی زیادہ تعداد ختم ہو کر بنی اسرائیل ختم ہو جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ سے باقی رہنے والوں کی مغفرت کے لئے سجدہ ریز ہو کر دعاء کی، اللہ تعالیٰ نے اپنی شان رحیمی سے حضرت موسیٰؑ کی دعاء پر سزاء روک دی اور باقی لوگوں کو معاف کر دیا اور قاتل کو جہاد کا اور قتل ہونے والوں کو شہادت کا درجہ دینے کا اعلان کیا، باقی جو بچے اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی، تب قوم کے عورتوں بچوں کی چیخ پکار بھی ختم ہوئی، اللہ نے ان لوگوں کو آئندہ شرک کے قریب بھی نہ جانے کی تاکید کرنے کو کہا۔

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر امت مسلمہ کو بھی یہ سوچنا اور سمجھنا چاہئے کہ وہ امت جس کو آخری امت بنا کر اللہ نے خلافتِ ارضی کی ذمہ داری دی ہے وہ اگر بنی اسرائیل کی قوم کی طرح اپنے زمانہ کی مشرک قوموں کے سامنے کتاب الٰہی پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی پاکیزہ زندگی کو جانتے ہوئے مشرک قوموں کو توحید سمجھانے کے بجائے خود ان کی طرح شرکیہ عقائد اور شرکیہ اعمال کرتی رہے اور دوسری قوموں کو راہِ حق سمجھانے کے بجائے ان کو گمراہی میں مبتلا دیکھتے ہوئے ان کے سامنے توحید والی زندگی کو پیش نہ کیا تو اللہ کے سامنے کتنے بڑے مجرم بن کر کھڑے ہوں گے، آج دوسری قومیں اسلام کی توحید کی تعلیم کو اس لئے سمجھ نہیں پا رہی ہیں کہ مسلمان قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہوئے حق کو چھپا کر شرک کا مظاہرہ کر رہے ہیں، اللہ سے جڑنے کے بجائے بزرگوں اور ولیوں سے جڑے ہوئے ہیں، لوگوں کو قبروں سے منتیں مانگنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

امت مسلمہ کے پرہیزگاروں کی مغفرت کا حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں اعلان:

حضرت موسیٰؑ نے اپنے اس جلد بازی کے عمل پر بے ادبی کا احساس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگی اور حضرت ہارونؑ سے شاید کوتاہی اور قوم کو گمراہی سے نہ روکنے کے گمان سے معافی کی درخواست کی اور اپنی قوم کے لئے رحمت اور آخرت کی فلاح و بھلائی مانگی آپ کی دعاء کے ایک حصہ رحمت کو تو قبول کیا گیا مگر دوسرے حصہ میں نبی اُمّی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت مسلمہ کے انہی لوگوں کے لئے فلاح اور کامیابی کا وعدہ کیا گیا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نبی اُمّی پر ایمان لاکر ان کی اتباع میں زندگی گذاریں گے، یہ شرط قیامت تک یہودی رہنے والوں کے لئے بھی لگائی گئی، اعراف ۱۵۷۔

دعاء کے اس طرح قبول ہونے پر حضرت موسیٰؑ نے کہا: اے میرے پروردگار! میں نے آپ سے اپنی قوم کی توبہ اور رحمت عطا فرمانے کی خواہش ظاہر کی تھی، آپ نے میری قوم سے ہٹ کر نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے رحمت مغفرت کا وعدہ فرمایا' تو پھر آپ نے میری پیدائش کو بھی مؤخر کیوں نہ کر دیا؛ تاکہ میں بھی نبی اُمّیؐ کی امت مرحومہ میں پیدا ہوتا۔ (معارف القرآن)

کتابِ الٰہی کے احکام کو سخت جان کر اطاعت نہ کرنے کا اظہار:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ٥ (البقرہ:۶۳)

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے (تورات پر عمل کرنے کا) عہد لیا تھا اور کوہِ طور کو تمہارے اوپر اٹھا کھڑا کیا تھا (کہ) جو (کتاب) ہم نے تمہیں دی ہے اس کو مضبوطی سے تھامو! اور اس میں جو کچھ (لکھا) ہے اس کو یاد رکھو تا کہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو۔

جب بنی اسرائیل کی خواہش اور فرمائش پر حضرت موسیٰؑ نے شریعت اور کتاب الٰہی پیش کی اور بنی اسرائیل کو سنائی اس میں بہت سے احکام ایسے تھے جو ان کی طبیعت اور مزاج کے خلاف تھے، ان پر عمل کرنا ان کے لئے بار اور خواہشات کو دفن کرنا پڑتا تھا، ان کو سن کر انکار کرنے لگے کہ ہم سے تو ان احکام پر عمل نہیں ہوسکتا، سرداروں کی تصدیق کے باوجود انکار کیا۔

اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو ایک معجزہ عطا کیا، نافرمانوں کے لئے جس کوہِ طور پر تم مجھ سے ہمکلام ہوتے رہتے ہو اور جس پر تمہاری قوم کے منتخب سرداروں نے حق کا مشاہدہ کیا، اس پہاڑ کے ایک حصہ کو اپنی جگہ سے حرکت دوں گا اور وہ سائبان کی طرح ان کے سروں پر چھا جائے گا اور پہاڑ سے گواہی دلواؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو کوہِ طور کا ایک بڑا حصہ ان پر معلق کرنے کا حکم دیا جو تین مربع میل کے قریب تھا، پہاڑ سے آواز آنے لگی کہ اگر تم میں عقل و ہوش باقی ہے اور حق و باطل کی تمیز ہے تو کان کھول کر سن لو کہ میں اللہ کا نشان بن کر تمہیں یقین دلاتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ موسیٰؑ نے بار بار میری پیٹھ پر اللہ تعالیٰ سے کلام کا شرف حاصل کیا ہے، اور میری پیٹھ پر ہی تمہاری ہدایت کا

قانون ''تورات'' بھی ان کو عطا کیا گیا، اے غفلت وسرکشی میں ڈوبے لوگو! میری شکل وصورت جو تمہارے لئے حیرت ناک ہے، جب انسان کے سینے میں دل کی نرمی سختی میں بدل جاتی ہے تو پھر وہ پتھر کا ٹکڑا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت بن جاتا ہے، اس میں ہدایت داخل نہیں ہوتی، تمہارے دل پتھر کی مانند سخت ہوگئے ہیں، اس طرح ان پر پہاڑ معلق کر دیا گیا، جب انہوں نے موت کو سر پر کھڑا دیکھا تو سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور تورات کے احکام کی پابندی کا عہد کیا، لیکن بعد میں بار بار نافرمانی کرتے رہے۔

اس عہد میں احکام تورات میں تبدیلی نہ کرنے کا بھی عہد لیا گیا تھا، بنی اسرائیل احکامِ الٰہی کی اطاعت کے سلسلہ میں ٹال مٹول اور بحث وجدال کے عادی بن گئے تھے، عذاب اور سزاء کے بغیر وہ اللہ کی اطاعت کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے، یہ اس وجہ سے کہ فرعون کی غلامی نے ان کو ایسا بنا دیا تھا، غلامی انسانی فطرت کی اعلیٰ صفات کو برباد کر دیتی ہے، غلامی انسان کی فطرت کو بگاڑ دیتی ہے، اس میں غلامانہ عادت وفطرت پیدا کر دیتی ہے، اس کے بعد ایسا انسان جلاد کے کوڑے کے تحت ہی اطاعت کرتا ہے، جیسے ہی کوڑا ہٹ جائے وہ سرکش، ہٹ دھرم اور نافرمان بن جاتا ہے اور جب اُسے دولت واقتدار مل جاتا ہے تو اپنے سے باہر ہوکر اخلاق رذیلہ کا شکار ہوجاتا ہے، اپنے ساتھیوں کو سزاء میں قتل کئے جاتے ہوئے دیکھنے کے باوجود بنی اسرائیل کے عادی مجرم اپنی عادتوں اور سرکشی سے باز نہیں آئے اور خدا کو دیکھنے کی بات کی۔

حضرت موسیٰؑ کے معجزات ایک زمانے تک اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور فرعون سے نجات پانے کے باوجود وہ حضرت موسیٰؑ کی قیادت کو اللہ کے پیغمبر کی حیثیت سے نہیں بلکہ سیاسی ودنیوی لحاظ سے قبول کیا، اسی لئے بات بات پر مختلف حیلے بہانے کرتے اور بحث وکٹ حجتی کرتے، آج بھی ان کو کتاب الٰہی اور علومِ نبویہ سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ آج بھی جلن وحسد میں مبتلا رہ کر اپنی آخرت کا نقصان کر رہے ہیں، ان کو صرف دنیا کی حکومت اور مال ودولت چاہئے، چنانچہ انہوں نے اپنے معیشت کو مضبوط بنانے کے لئے سودی نظام کو عام کر دیا، شراب کے کاروبار کو عام کیا، حکومتوں پر قبضہ کر کے دوسروں کو غلام بنانا چاہتے ہیں، انسانوں کو اخلاقِ رذیلہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔

امت مسلمہ میں بھی صحابہ اور تابعین وتبع تابعین تک امت کے افراد کتاب الٰہی پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے، بعد کے زمانوں میں جیسے جیسے نبوت کے دور سے دوری بڑھتی گئی اور دین

پھیلنے لگا' مسلمانوں نے زبان سے کتاب الٰہی کے احکام نہ ماننے کا اظہار تو نہیں کیا لیکن آہستہ آہستہ عمل سے اسلامی کلچر کو پسند نہ کر کے یہود و نصاریٰ کے کلچر پر آنے لگے، ان کے نزدیک قرآن کے احکام کے خلاف چلنا انکار ہی نہیں سمجھا گیا۔

پانچ وقت کی نماز کی جگہ انہوں نے صرف جمعہ کو نماز کا اہتمام کرنا شروع کر دیا، پردہ کے حکم کے تحت صرف اسکارف باندھنا شروع کیا، سنتوں کی جگہ بدعات کو عام کرنے لگے، مالِ حرام یعنی ناجائز طریقے سے ایک دوسرے کا مال نہ کھانے کے حکم کی جگہ رشوت اور شادی کے نام پر لڑکی والوں سے دولت اور ناجائز دعوتوں کو عام کر دیا، رمضان کے روزوں کے ختم ہوتے ہی اسلام کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ زندگی کے مقابلے میں یہود و نصاریٰ کے طریقۂ زندگی اختیار کر لیا، دو عیدوں کے مقابلے کئی عیدیں مقرر کر لیں، عید الضحیٰ کے دن قربانی کرتے، مگر نماز پانچ وقت کی پوری ادا کرنا ضروری نہیں سمجھتے، درس قرآن اور درسِ حدیث کی محفلوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، جاہلانہ رسم و رواج کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے، کئی کئی جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔

دولت کے نشہ میں قارون کا تکبر و ناشکری کرنا

فرعون کے بعد حضرت موسیٰؑ کی مخالفت میں دو بڑے شخص ہاماں جو فرعون کا وزیر تھا اور قارون جو اسرائیلی ہونے کے باوجود بنی اسرائیل پر فرعون کی طرف سے نظر رکھ کر اس کا مخبر بنا ہوا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قارون حضرت موسیٰؑ کا چچازاد بھائی تھا، حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کو وزیر اور مددگار دیکھ کر جلن و حسد میں مبتلا ہو گیا تھا اور خود کو بھی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مقام و مرتبہ دینے کی خواہش کیا تھا، حضرت موسیٰؑ نے اس کو جواب دیا کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، اس میں مجھے دخل نہیں ہے، یہ حضرت موسیٰؑ پر برائے نام ایمان رکھ کر منافق بن گیا تھا، اسرائیلی روایات میں ہے کہ تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ تورات کا عالم تھا، اسے لوگ منوّر کہتے تھے، اس کے تعلق سے یہ بات مشہور ہے کہ علم کیمیاء جانتا تھا جو بالکل غلط ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اشیاء کی صورت تبدیل کرنا اللہ کے اختیار میں ہے، کوئی بھی لوہے کو

سونا نہیں بنا سکتا، بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ یہ اسم اعظم جانتا تھا، جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالداری کی دعاء کی، اور یہ بہت بڑا صنعت کار اور بڑی تجارت کا مالک تھا، اس کے پاس بے انتہاء دولت تھی، جس کی کنجیاں کئی غلام مل کر اٹھاتے تھے، اس کو اپنی دولتمندی پر بڑا غرور و تکبر تھا، لمبا اور متکبرانہ لباس پہنتا تھا، غریب اسرائیلیوں سے نفرت کرتا تھا، دولت کے نشہ میں اتنا مست تھا کہ اپنے عزیزوں اور قوم کے غریب افراد کو حقیر و ذلیل سمجھتا تھا، ان کے ساتھ غرور و تکبر اور بے عزتی سے پیش آتا تھا۔

بنی اسرائیل کے علماء نے جب اس کو تلقین کی کہ جو احسان اللہ نے اس پر کیا ہے اسے چاہئے کہ وہ بھی اللہ کے مفلس انسانوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، اور زکوٰۃ و خیرات کے ذریعہ اپنی پونجی کو آخرت میں جمع کرے، دنیا کی یہ دولت چند روز کے لئے امتحان کی خاطر دی جاتی ہے، اس پر وہ کہتا کہ جتنی دولت میرے پاس ہے یہ کوئی اللہ کا فضل و احسان نہیں ہے۔

وہ حضرت موسیٰؑ سے کہتا کہ یہ دولت و شان تمہارے اللہ کی دی ہوئی نہیں ہے، یہ تو میری قابلیت اور عقل و ہوشمندی کی کمائی ہے، پھر یہ بھی کہتا کہ اگر اللہ نے مجھے عطا کیا ہے تو وہ مجھ سے خوش اور راضی ہے، میں اللہ کا محبوب ہوں، اس لئے اس نے مجھے اتنی دولت عطا کی ہے، جو لوگ غریب و مفلس ہیں ان سے اللہ ناراض ہے، اس لئے ان کو دولت سے محروم رکھ کر مفلس بنا دیا، میں تمہاری نصیحت مان کر یہ دولت مفلسوں کو کیوں دوں؟ میں اپنی دولت اس طرح ان پر لٹا نہیں سکتا۔

قارون اپنی دولت کے نشہ میں اللہ کا نافرمان و ناشکرا بن گیا اور یہ بات بھول گیا کہ اس سے پہلے دنیا میں اس سے زیادہ دولت مند لوگ گذرے ہیں، وہ آخر تباہ و برباد ہو گئے؟ اگر دولت کا ملنا اللہ کی رضاء کی علامت ہے تو وہ تباہ کیوں ہو گئے؟

قارون جب اپنے محل سے باہر نکلتا تو اس کے غلام اس کے ساتھ ہوتے، جو ایک جلوس کی شکل میں ہوتے، تمام راستے ٹھاٹ باٹ سے، اِتراتا اور اکڑتا ہوا نکلتا، اس کے اس ٹھاٹ باٹ کو دیکھ کر مفلس و غریب اور دنیا دار اسرائیلی رال ٹپکاتے اور منہ میں پانی بھر کر کہتے کاش ہمیں بھی ایسی زندگی ملتی، ہم بھی قارون کی طرح شان والی زندگی گذارتے، مفلسوں اور دنیا داروں کی اس بات پر علماءِ یہود ان کو احساس دلاتے کہ غربت و مفلسی کی زندگی میں اللہ کی اطاعت و بندگی کرو تو آخرت کی زندگی قارون کی زندگی سے کروڑہا درجے زیادہ بہترین اور اعلیٰ ہوگی، مگر وہ زندگی غربت میں صبر کرتے ہوئے، تقویٰ اختیار کرنے سے ملتی ہے۔

اللہ کے نزدیک دولتمندی کوئی اس کی رضا کی علامت نہیں اور مفلسی اللہ کے غضب کی علامت نہیں ہے، دنیا امتحان کی جگہ ہے، اللہ دولت دے کر اور دولت سے محروم رکھ کر آزماتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ دولت کے ساتھ تقویٰ ہو تو یہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل ہے، ورنہ دولت کے ساتھ ناشکری ہو تو اللہ کا عذاب ہے، ہر زمانہ میں دنیا دار لوگوں کا یہ خیال رہا کہ دولت رکھنے والے کامیاب زندگی گذارتے ہیں، مگر ایسا نہیں ہے' فلاح و کامیابی فاسق و فاجر دولت مندوں کو نصیب نہیں ہوتی؛ بلکہ متقی و فرمانبرداروں کو ملتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ پر ناجائز تعلقات کی تہمت لگا کر انہیں تکلیف دی گئی:

بنی اسرائیل کے ساتھ قارون بھی نکلا تھا، اس نے اپنے چہیتوں سے مل کر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ایک سازش کی، تاکہ حضرت موسیٰؑ قوم میں بدنام ہو جائیں، ان کا مقام و مرتبہ باقی نہ رہے، اسرائیلی روایت میں ہے کہ اس نے ایک فاحشہ عورت کو حضرت موسیٰؑ پر بھرے مجمع میں زنا کا الزام لگانے کا منصوبہ بنایا اور عین اس وقت جب حضرت موسیٰؑ لوگوں میں وعظ و نصیحت کر رہے تھے اس عورت نے کھڑے ہو کر سب کے سامنے زنا کا الزام دے دیا، اس پر حضرت موسیٰؑ غصہ سے کانپ اُٹھے اور اسی وقت اللہ سے رجوع ہو کر نماز کی نیت باندھی، پھر عورت سے کہا: تجھے میں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے تیری قوم کو سمندر کے پانی میں راستہ دے کر فرعون سے نجات دی اور بہت سے احسانات کئے تو سچ سچ بتا؟ یہ سن کر عورت کا رنگ بدل گیا، اور وہ توبہ کرتے ہوئے سچ سچ بیان کر دیا کہ قارون نے اُسے دولت دے کر یہ الزام لگانے کو کہا تھا۔

اس پر حضرت موسیٰؑ فوراً سجدہ میں گرے اور اللہ سے قارون کو سزا دینے کی درخواست کی، اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی اور کہا کہ زمین کو تمہارے تابع کر دیا گیا، اس پر حضرت موسیٰؑ نے زمین کو حکم دیا کہ قارون کو اس کے محل' غلاموں اور خزانوں کے ساتھ پکڑ لے، اس پر اس کا محل زمین میں دھنسنا شروع ہو گیا، پہلے پیر پکڑے گئے، پھر گھٹنوں کو پکڑا گیا، پھر کمر اور سینہ، اس طرح وہ اپنے غلاموں، خزانوں اور محل کے ساتھ زمین میں دھنس گیا، اور ہر روز قیامت تک ایک انسان کے قد کے برابر دھنستا رہے گا۔

بنی اسرائیل کے سامنے اب نہ اس کا غرور رہا اور نہ غرور کا سامان، سب کو زمین نے نگل کر عبرت کا سامان بنا دیا، قارون کا یہ حال دیکھ کر مفلس اور دنیا دار لوگوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے! اللہ

نے ہم کو زمین میں دھنسنے سے بچالیا، ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے، افسوس ہم کو یاد نہیں رہا کہ کافر فلاح نہیں پاتے، ہماری غلطی تھی کہ ہم اس کو خوش نصیب سمجھ رہے تھے، ان کو سمجھ میں آیا کہ دنیا کی مال ومتاع چند روزہ ہے، اس کی محبت میں گرفتار ہونا بیوقوفی ہے، مال کی کثرت میں اللہ کی ناشکری نہ کرنا اور مال پر اللہ کے جو حقوق ہیں اُسے ادا کرنا' یہی اللہ کے ساتھ وفاداری وشکر گذاری ہے۔

قارون کے واقعہ سے ملنے والی نصیحتیں:

☆ ان آیات میں بظاہر قارون کا ذکر کرکے اس کے غرور وتکبر بتلا کر اس کے ناشکرے پن کو سمجھایا گیا کہ دولت ملنے پر اتراؤ اور اکڑ ومت اور قارون کی طرح ناشکرے مت بنو، دوسروں کے مقام ومرتبہ کی وجہ سے حسد، جلن، بغض وعداوت میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، عہدہ وکرسی اور دولت کو اللہ کی نعمت تصور کریں۔

☆ مشرکین مکہ بھی یہ تصور رکھے ہوئے تھے کہ ہم اللہ کے پیارے ہیں، اس لئے اللہ نے ہمیں دنیا میں آرام، عزت اور مقام ومرتبہ اور مال ودولت دیا ہے، یہ اللہ کی رضا اور ہم سے خوش ہونے کی علامت ہے اور جو لوگ غریب ونادار ہیں ان سے اللہ خود ناراض اور ناخوش ہے، اللہ نے سمجھایا کہ مال ودولت کا ملنا، اللہ کی خوشنودی اور ناراضگی کی علامت نہیں، یہ امتحان وآزمائش کے لئے دیا جاتا ہے، ان کو یہ بات اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ مال تو دنیا میں چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں، زانیوں، جواریوں، رشوت خوروں اور دھوکہ بازوں سب کے پاس ہوتا ہے، انسان اللہ کی نافرمانی سے سود خور بن کر ساہوکار بن کر شراب اور زنا کے کاروبار کرکے قارونِ وقت بن کر غریب ونادار انسانوں کو حقیر نہ سمجھے اور نہ مال پر غرور دکھائے، ایسی زندگی ان کی ناکام زندگی ہے، یہ اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال ہیں، اس طرح کے اعمال اختیار کرکے وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔

☆ جو لوگ مال ودولت سے خالی ہوں، وہ اپنی مفلسی پر اللہ سے ناامید نہ ہوں اور فاسق وفاجر، دنیادار اور دولتمندوں کے مال وچمک دمک پر رال نہ ٹپکائیں، ان کے اعمال رذیلہ اختیار کرکے مال جمع نہ کریں ان کی طرح گندی وناپاک بداعمالیوں کی زندگی گذارنے کی آرزو اور خواہش نہ رکھیں، وہ اگر مفلسی میں ایمان کے ساتھ تقویٰ اور صبر والی زندگی رکھتے ہوں تو اللہ کا ان پر کرم اور احسان ہے، اللہ ان سے راضی ہے، دنیا کے بعد آخرت میں اللہ ان کے لئے دنیا سے کروڑہا درجہ بہتر بلند

زندگی عطا کرے گا، دنیا میں انسانی تاریخ پر غور کرو، ایک سے بڑھ کر ایک دولتمند گذرا ہے، مگر ان کے فسق و فجور اور بغاوت کی وجہ سے عذاب میں ہلاک کردئے گئے، دولت تو اللہ کی امانت اور امتحان ہے، یہ انسان کو آزمائش کے لئے دی جاتی ہے۔

☆ قارون نے اللہ سے نڈر بن کر حضرت موسیٰؑ کی قدر نہ کی اور اللہ کی قوت کا اندازہ لگائے بغیر حضرت موسیٰؑ کو بے سہارا سمجھا، ایمان والوں کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے، چاہے ان کو دنیا میں ستایا جائے، مگر آخر کار کامیابی ایمان والوں ہی کی ہوگی، جھوٹے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے، اللہ کے عذاب کے شکار ہوجاتے ہیں۔

☆ مال کے ملنے پر دولتمندوں کو اللہ کے غریب بندوں کا بھی خیال رکھنا ہوگا، ان کے مال میں سے غریب اور نادار لوگوں کا جو حصہ زکوٰۃ اور خیرات کے ذریعہ صدقہ کے ذریعہ نکلتا ہے اُسے ادا کرنا ہوگا، ورنہ وہ گناہ اور عذاب الٰہی کا شکار ہوکر ایمان سے دور ہوجائیں گے۔

اللہ کا حکم پورا کرنے میں حیلے بہانے کرنا

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً قَالُوْا أَتَتَّخِذُنَا هُزُواً قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ٥ (البقرہ:٦٧)

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو! وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارا مذاق بناتے ہیں؟ موسیٰؑ نے کہا: میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں ایسے نادانوں میں شامل ہوں (جو مذاق میں جھوٹ بولیں)۔

بنی اسرائیل برسوں مصر میں مشرکین مصر کے درمیان رہتے ہوئے بہت سے مشرکانہ عقائد اور رسم ورواج کی نقل میں گرفتار ہوگئے تھے، مصر میں گائے کی پرستش بھی کی جاتی تھی، عربی میں گائے بیل کو بقرہ کہتے ہیں، یہ جانور مصری قوم کے نزدیک مقدس معبود مانا جاتا تھا، شائد وہیں سے ہندوستان اور عراق اور دوسرے ممالک میں یہ شرک پھیل گیا، بنی اسرائیل باوجود پیغمبر کی صحبت اور تربیت میں رہنے کے کمزور ایمان والوں میں بھی گائے کی عظمت وتقدس اور احترام دلوں میں بیٹھا ہوا تھا۔

ابن کثیرؒ نے اسرائیلی روایات سے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگوں میں ایک مال دار آدمی تھا، اس کی ایک اکلوتی بیٹی تھی، جو خوبصورت تھی، اس آدمی کی نرینہ اولاد نہیں تھی، اس کے قریبی رشتہ

داروں میں ایک بھتیجا تھا، جو اس کی لڑکی سے شادی کر کے اس کے مال کا وارث بننا چاہتا تھا' اس نے اپنے بھتیجے کو اپنی لڑکی دینے سے انکار کر دیا، اس پر بھتیجے نے موقع پا کر اکیلے میں رات کے وقت اس آدمی کا قتل کر دیا، اس واقعہ میں قتل پر کوئی گواہ نہ تھا اور اگر تھے بھی تو اس کے لوگ انجان ہو گئے۔

اس وقت کچھ نیک متقی لوگ عام بے دین لوگوں سے الگ رہنے کے لئے اپنے گھروں کی حصار بندی کر کے ایک گیٹ علاحدہ لگا لئے تھے، قاتل نے لاش کو ان کے گیٹ کے قریب لیجا کر اسی رات ڈال دیا اور صبح چیخنے لگا کہ ان لوگوں ہی نے میرے چچا کو قتل کیا ہے، مجھے بدلہ اور خون بہا چاہئے، اس نے گویا متقی لوگوں پر جھوٹی تہمت لگائی، متقی لوگوں نے انکار کر دیا، یہاں تک کہ بحث و مباحثہ میں لڑائی اور فساد کی کیفیت پیدا ہو گئی، یہ شر پسندوں کا ہمیشہ طریقہ رہا ہے کہ وہ لڑائی نکالنے کے لئے خود جرم کرتے اور دوسروں پر الزام ڈال دیتے، آخر کار ان لوگوں نے کہا کہ جب حضرت موسیٰؑ ہم میں موجود ہیں تو اس واقعہ کو ان کے سامنے پیش کیا جائے اور قاتل کا پتہ اور تحقیق کی جائے۔

چنانچہ یہ جھگڑا حضرت موسیٰؑ کے پاس پیش کیا گیا، حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے دعاء کی وحی کے ذریعہ حکم ہوا کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم پر مارو، جاہل اور بے دین لوگوں نے یہ حکم سن کر کہا کہ کیا آپ ہم سے مذاق اور ٹھٹھا کر رہے ہیں؟ ہم مجرم کی تحقیق کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں اور آپ گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہے ہیں؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا: میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، اللہ کے حکم کے آگے جاہل لوگ ہی مذاق کرتے ہیں، مذاق دل لگی کرنا جاہلوں کا کام ہے۔

بنی اسرائیل کے لوگوں کے دلوں میں گائے کی عظمت تھی، اس لئے انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسے مقدس و محترم جانور کو ذبح کرنے سے قاتل کا پتہ کیسے چلے گا جبکہ وہ بات نہیں کر سکتا؟ ذبح کرنے کے بعد مردہ ہو جائے گا، شاید حضرت موسیٰؑ مذاق کر رہے ہیں۔

بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ شریعت الٰہی کے قبول کرنے میں حیلے بہانے بناتے اور تاویلات بہت کرتے تھے، غیر ضروری سوالات کر کے آسان کام کو مشکل بنا لیتے، حکم کو قبول بھی کر لیتے تو اس کی تعمیل سیدھے سادے طریقے سے نہیں کرتے تھے، اکثر و بیشتر احکام میں بحث و تکرار کر کے سادہ حکم کو ایک بوجھل اور مشکل کام میں تبدیل کر دیتے، جس کی ایک مثال اس واقعہ میں بھی ہے۔

بنی اسرائیل میں یہ طریقہ عام تھا کہ جب کسی قتل میں گواہ نہ ملیں اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو

ایک بیل کو قتل کے مقام پر ذبح کر کے مقتول کے قریبی رشتہ دار اور قریبی لوگ اس کے خون میں ہاتھ ڈال کر قسم کھاتے کہ انہوں نے قتل نہیں کیا اور نہ قاتل کو قتل کرتے ہوئے دیکھا، اسی طریقہ کے مطابق ان کو شاید اللہ نے یہ حکم دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکم ملتے ہی وہ اگر کسی گائے کو بھی ذبح کر ڈالتے تو کافی تھا، لیکن انہوں نے پے در پے سوالات شروع کر دئے اور پھر کام میں سختی بڑھتی گئی، اور یہ بھی فرمایا کہ اگر آخر میں وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی یہ سختی نہ ہٹتی اور آسانی ان پر نہ ہوتی، یعنی اگر یہ انشاء اللہ نہ کہتے تو قیامت تک ایسی گائے کا پتہ نہ چلتا۔

انہوں نے سوال پر سوال کئے، ان سوالوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ابھی بھی حکم پورا کرنے کے لئے تیار نہیں، شک میں مبتلا تھے کہ اللہ کے رسول ان سے مذاق کر رہے ہیں، وہ لوگ کہنے لگے اپنے رب سے پوچھو کہ وہ گائے کیسی ہو؟ حالانکہ اللہ نے گائے کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی تھی، وہ جس گائے کو چاہے ذبح کر سکتے تھے اور اللہ کا حکم پورا کرنے والے بن جاتے۔

حضرت موسیٰؑ صبر کے ساتھ بنی اسرائیل کو ہر طریقے سے سمجھانے اور صحیح راستہ پر لانے کی پوری کوشش کرتے تھے، مگر وہ جواب میں سوالات سے مختلف طریقے معلوم کرتے تھے، لیکن حضرت موسیٰؑ جس طرح ایک مربی استاد کم عقل و کم فہم بچوں اور لوگوں کو سمجھاتا ہے' نرمی سے کہتا ہے وہی سلوک بنی اسرائیل کے ساتھ کرتے تھے، ان کے بار بار سوال کرنے پر حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ اللہ کہتا ہے وہ گائے نہ بچہ ہو نہ بہت بڑی ہو، بلکہ جوان ہو، اس کا رنگ زردی مائل تیز ہو، ہر دیکھنے والے کی آنکھوں میں کھبتی ہو، ہر عیب سے پاک ہو، داغ دھبہ نہ ہو، کھیتوں کو پانی دینے والی نہ ہو، سوالات نہ کرتے تو اتنی سختی ان پر نہ ہوتی، وہ دراصل ذبح نہ کرنے کے لئے حیلے بہانے بنانے لگے اور سوالات پر سوالات کئے جا رہے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی اس ذہنیت سے واقف تھا جو سوالات کے پس پردہ چھپی ہوئی تھی۔

پھر ان کو خود ہی احساس ہو گیا کہ بات مشکل ہوتی جا رہی ہے، آخر میں کہا کہ انشاء اللہ ہم اس کو تلاش کر لیں گے، ان کو ڈر اور رسوائی کا بھی خیال تھا کہ ہم ہی میں سے کوئی قاتل ہو گا، بے عزتی ہو جائے گی، یہ گائے ان کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے بڑی مشکل سے نظر آئی اس کا رنگ اتنا شوخ اور گہرا تھا کہ گویا سورج کی شعاعیں اس سے اٹھ رہی ہیں۔

تفسیر ابن کثیرؒ میں سرائیلی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص تھا اس کا ایک اکلوتا بیٹا تھا، وہ بیٹا اپنے باپ کا بہت احترام وادب کرتا تھا، ایک دن اس کا باپ سویا ہوا تھا، سرہانے ایک صندوق میں اس نے کچھ رقم رکھی تھی اور اس صندوق کی کنجی اس کے تکیہ کے نیچے رکھی ہوئی تھی، اس وقت ایک تاجر ایک بہت قیمتی ہیرا فروخت کرنے آیا، لڑکے کو وہ ہیرا بہت پسند آیا، اس نے قیمت دریافت کی تو تاجر نے ۶۰ ہزار بتلایا، لڑکے نے کہا کہ میں والد کو جگا نہیں سکتا، ان کے اٹھنے کے بعد یہ قیمت دوں گا، تاجر نے کہا کہ ابھی اگر قیمت دوگے تو میں ۵۰ ہزار میں دوں گا' جاگنے تک ٹھہر نہیں سکتا، لڑکے نے کہا کہ میں اپنے باپ کو جگا کر تکلیف نہیں دے سکتا، اگر تم انتظار کرلوگے تو دس ہزار اور اضافہ دوں گا، پھر تاجر نے کہا نہیں ابھی دوگے تو مزید دس ہزار کم کردوں گا، اس طرح تاجر نے تیس ہزار تک قیمت گرادی، لڑکے نے ایک لاکھ تک قیمت بڑھادی، وہ تاجر آخر کار چلا گیا، لڑکے کے اس طرح باپ کا ادب واحترام کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے کو اپنے باپ کے ذریعہ وراثت میں یہ گائے عطا فرمادی تھی۔

باپ کے انتقال کے بعد لڑکا ہی اس گائے کا مالک تھا، حالات اس کے کچھ خراب ہوگئے، وہ کچھ محتاج ہوگیا، ان لوگوں نے اس گائے کو خریدنے کے لئے اس سے گائے کی قیمت پوچھی، اس نے کہا کہ اس گائے کے وزن کے برابر سونا دینا ہوگا، وہ لوگ تعجب کئے اور لڑکے کو کم قیمت پر راضی کرنا چاہا، مگر وہ تیار نہیں ہوا، انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے جا کر یہ شکایت کی، تو حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ وہ جو مانگے دام دے کر خرید لو، آخر کار اپنی بیوقوفی سے ہزاروں روپیوں میں وہ گائے خریدی، اللہ نے لڑکے کو ماں باپ کے ساتھ خدمت واحترام کی وجہ سے یہ دولت عطا فرمائی، بے چون وچرا حکمِ الٰہی کی تعمیل کرلیتے تو بنی اسرائیل کو اتنی بڑی قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی۔

مفسرین کرامؒ نے روایات میں لکھا ہے کہ کلمہ انشاء اللہ کہنے کی برکت سے انہیں اس حکم کی تعمیل کی توفیق ہوئی، پھر انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور اس کے خون میں ہاتھ رنگ کر لوگوں نے قسم کھائی، بعض لوگوں نے اس قربانی کو مذاق تصور کر کے قربانی کا احترام نہیں کیا اور مجرم کو جانتے ہوئے بھی جھوٹی قسم کھائی، قاتل کو دوستی اور ہمدردی کے ذریعہ چھپانے کی کوشش کی۔

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا تھا کہ خود مقتول کی زبان سے قاتل کا پتہ چل جائے، گائے ذبح کرنے کو ایک ذریعہ بتایا تاکہ بنی اسرائیل کا امتحان بھی ہو کہ وہ اطاعت کرتے ہیں یا نہیں؟

دوسرے ان کے دلوں میں سے گائے کی عظمت وتقدس نکل جائے، پھر اس کے ذبح کرنے سے بنی اسرائیل کے نافرمان گروہوں کا جھوٹ کھل گیا، فساد ٹل گیا اور سچائی سامنے آ گئی کہ کس نے قتل کیا اور کس پر الزام لگایا جا رہا ہے؟ چنانچہ اس کے گوشت کے ٹکڑے کو مقتول پر مارتے ہی کچھ دیر کے لئے زندہ ہو کر اس نے سب کچھ بتلا دیا' پھر مر گیا، اس قاتل کو پکڑ لیا گیا اور پھر قتل کر دیا گیا، اس طرح بنی اسرائیل خانہ جنگی اور خون ریزی سے بچ گئے، بنی اسرائیل اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود اللہ نے فرمایا ان کے دل مردہ اور سخت پتھر سے بھی زیادہ گئے گذرے بن گئے۔

گائے کے اس واقعہ سے ملنے والی عبرت و نصیحتیں:

اس واقعہ میں جھوٹ، قتل، الزام تراشی، تہمت، حکمِ الٰہی کو پورا کرنے میں بہانے بازی، پیغمبر کے ساتھ بے ادبی، اللہ پر شعوری ایمان کی کمی، شرکیہ عقائد، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کی مثال، سوائے اللہ کے کسی میں اللہ جیسی وقدرت نہیں، اللہ کی قدرت کو آنکھوں سے دیکھ کر بھی دلوں کا نرم نہ ہونا، ان باتوں کو سمجھایا گیا۔

اس میں یہ سبق ملتا ہے کہ قتل، جھوٹ، اخلاق رذیلہ اور گناہ کبیرہ ہے، پیغمبر کی تربیت میں رہتے ہوئے ایک انسان کو محض نفسانی خواہش اور دنیا کی دولت کی لالچ میں قتل کرنا، پھر جھوٹ بولنا، یہ دوہرا گناہ ہے، ایک تو اللہ کی اطاعت کے بجائے نفس کی اطاعت کرنا ہے، دوسرے اللہ کے پاس عدل وانصاف کا احساس نہیں رکھنا ہے، اس قسم کے لوگوں کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے، جھوٹ ہمیشہ جھوٹ ہی ہوتا ہے، ایک جھوٹ بولنے والے کو اپنا جھوٹ چھپانے کے لئے بہت سی جھوٹی باتیں بنانی پڑتی ہیں، جیسے بھتیجے نے اپنے قتل کا الزام دوسرے گروہ پر لگا کر فساد پھیلایا، اور حضرت موسیٰؑ کے سامنے بھی جھوٹ بیان کیا، جھوٹ کبھی چھپ نہیں سکتا، بہر حال اللہ تعالیٰ جھوٹ اور قتل کو کسی نہ کسی طرح ظاہر کر دیتا ہے، اگر دنیا میں ظاہر نہ بھی ہو اور حکومت کی نگاہوں سے بچ بھی گئے تو کل مرنے کے بعد آخرت کے دن تمام انسانوں کے سامنے ذلیل ہونا پڑے گا اور اللہ کے پاس سزاء سے بچ نہیں سکیں گے، اس لئے جھوٹے مقدمات، جھوٹے الزامات لگانے والوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے، اسلام نے ایک انسان کے قتل کو سارے انسانوں کا قتل بتلایا ہے، اور جھوٹ بولنا مؤمن کی صفت نہیں بلکہ منافق کی علامت بتلایا ہے۔

☆ دنیا میں جو لوگ جرائم کر کے دوسروں پر الزام لگا کر بچ جاتے ہیں وہ گویا اللہ کو حاضر وناظر،

سمیع وبصیر، علیم وخبیر اور انصاف کرنے والا نہیں سمجھتے اور اللہ کے پاس پکڑے جانے کے احساس سے خالی ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کا عقیدۂ آخرت یا تو بہت کمزور ہوتا ہے، یا نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے وہ ہر بات اور عمل میں جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں، مگر وہ اللہ کے پاس بچ نہیں سکتے، اللہ کو حاضر و ناظر، سمیع وبصیر، علیم وخبیر نہ سمجھنا اور نڈر بن کر جھوٹ بولنا، جان بوجھ کر لوگوں پر تہمت لگانا، ایمان کے نہ ہونے کی علامت ہے، جو لوگ مسلمان نہیں ہوتے' منافق ہوتے ہیں وہ جھوٹ جیسی خراب صفت کے عادی ہوتے ہیں اور کھلے عام ان کا جھوٹ بولنا آخرت پر یقین نہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے، پیغمبر کی موجودگی میں جس کے پاس آسمان سے فرشتے آتے ہیں' اگر جھوٹ بولا جا رہا ہے تو پھر یہ ایمان ہی کیا ہے؟ یہ تو کھلی منافقت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرکین کے علاوہ یہود اور منافقین بہت زیادہ جھوٹ بولتے تھے، یہود جھوٹ کے ذریعہ لوگوں کو حق کے قریب بھی آنے نہیں دیتے تھے، قرآن نے بہت سارے مقامات پر ان کے جھوٹ کی پول کھول دی، اس لئے ایمان والوں کو اس بُری صفت سے دور رہنا چاہئے، قرآن کہتا ہے کہ **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ**. جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

☆ اس واقعہ میں یہ بھی سبق دیا گیا کہ جن لوگوں کے دل میں احکام الٰہی پر عمل کرنے کی نیت نہیں ہوتی اور وہ عمل کرنے سے بچنا چاہتے ہیں' وہ مختلف حیلے بہانے اور نئے نئے سوالات کرتے ہیں، جس طرح بنی اسرائیل نے اس واقعہ میں کیا، ان کے دل میں عمل کرنے کی نیت نہیں تھی، وہ ٹالنے کے لئے حیلے نکال رہے تھے۔

☆ اس واقعہ سے یہ نصیحت بھی ملتی ہے کہ جیسے ہی اللہ کا حکم یا رسول کا حکم ملے اس کو سیدھے سادے معنیٰ میں لے کر اس حکم کی تعمیل کر لیں، اگر ایسا نہیں کروگے اور غیر ضروری مسائل پوچھوگے تو سخت مشکلات اور آزمائش میں مبتلا ہو جاؤگے، پھر اس حکم پر عمل کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

موجودہ زمانے میں اکثر زکوٰۃ میں کثیر رقم نکلنے یا جائیداد اور وراثت میں مال زیادہ دینے یا حج سے بچنے یا روزے رکھنے یا دوسرے مسائل میں بچنے کے لئے مختلف نئے نئے پیچیدہ مسائل اور سوالات کر کے ان سے بچنا چاہتے ہیں، ایمان والے اللہ کے حکم کو سیدھے اور آسان لفظوں میں سمجھ کر عمل کر لیتے ہیں اور عمل کر کے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، بنی اسرائیل اللہ کا حکم سنتے ہی فوراً کسی بھی گائے کو ذبح کر لیتے تو اس سے اللہ کے حکم پر عمل کرنے والے بن جاتے، انہوں نے سوالات کر کے انتخاب

واختیار کے دائرے کو اپنے لئے تنگ کرلیا، اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کرید کرید کر نبی سے سوالات کرنے سے منع کیا، موجودہ زمانے میں اکثر مسلمان یہ حکم جان کر بھی سوالات زیادہ کرتے ہیں۔

☆ یہود ایک طرف اپنے آپ کو ایمان والا کہہ کر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ رہتے اور پھر اللہ سے تعلق اتنا کمزور ظاہر کررہے تھے' کہتے ہیں کہ ''آپ اپنے رب سے پوچھئے کہ وہ گائے کیسی ہو؟'' حالانکہ ان کو تو ایمان کی وجہ سے یہ کہنا چاہئے تھا کہ ''آپ ہمارے رب سے پوچھئے''، اس کے بجائے انہوں نے یہ کہا ''آپ اپنے رب سے پوچھئے'' یہ ظاہر کررہا ہے کہ وہ اللہ کو حضرت موسیٰؑ کا رب مان رہے ہیں' اپنا رب نہیں مان رہے، ایمان والوں کو تو جب وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو اللہ سے پورے لگاؤ کا اظہار کرنا ہوگا، جو لوگ دنیا میں اللہ کو اپنا رب مانتے ہوئے اسی پر جمے رہیں گے، وہ قبر میں بھی مَنْ رَبُّکَ کا جواب رَبِّیَ اللّٰہُ دیں گے۔

☆ ایمان والوں کو اس واقعہ سے یہ بھی نصیحت ملتی ہے کہ جب ان میں پیغمبر یا پیغمبر کے وارثین علماء موجود ہوں اور ان سے علم حاصل کریں تو ان کا ادب واحترام بجالائیں، اور ان کی باتوں پر اعتماد کریں، ان کی کسی بات یا حکم کو دل لگی ومذاق نہ سمجھیں۔

☆ یہود جب حضرت موسیٰؑ کو اللہ کا پیغمبر مان کر ایمان کا دعویٰ کئے تو گائے ذبح کرنے کے حکم کو سن کر اپنے مربی ومحترم پیغمبر کی بات سن کر کہتے ہیں کہ ''آپ ہمارے ساتھ مذاق وٹھٹا کر رہے ہیں''، یہ بے ادبی کی بات ہے جس کو مصلح مان رہے ہیں، ان کی بات کو مذاق اور دل لگی سمجھ رہے ہیں' ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے، جس کو مصلح، اہل علم اور اللہ والا مان رہے ہیں تو ان کا ادب و احترام کرنا اور ان کی باتوں پر اعتماد کرنا چاہئے، انسان کی اللہ کے ساتھ بندگی یہی ہے کہ جب اللہ ورسول کا حکم سامنے آجائے تو فوراً دوڑ کر عمل اختیار کرنا، بندہ اللہ کے حکم کو غلام کی طرح پورا کرے، رسول کا حکم کو اللہ کا حکم سمجھے، موجودہ زمانے کے اکثر مسلمان حدیث سن کر اس میں تاویلات کرتے ہیں، یہ ضعیف حدیث کہہ کر حدیث ہی کا انکار کردیتے ہیں اور پیغمبر کی بات نہیں مانتے۔

☆ اس واقعہ میں اللہ نے بنی اسرائیل کو توحید کا زبردست سبق دیا کہ تم لوگ جس جانور کو مقدس اور احترام کے قابل سمجھ رہے تھے اس میں کوئی خدائی طاقت نہیں ہے، اگر وہ مقدس اور خدائی طاقت رکھنے والی ہوتی تو اس کے ذبح کرتے ہی کوئی آفت اور مصیبت کیوں نہ آئی؟ وہ خود ذبح ہوکر تمہارے سامنے مردہ پڑی ہوئی ہے، اسباب میں جو کچھ اثر ہوتا ہے وہ صرف اللہ کے حکم سے

پیدا ہوتا ہے ورنہ اسباب کچھ بھی اثر نہیں دِکھا سکتا۔

☆ دوسری نصیحت یہ بھی دی گئی کہ اس کے گوشت میں کسی بھی جاندار کو زندہ کرنے کی طاقت نہیں، وہ طاقت صرف اللہ ہی کو ہے، اگر اسی کے کٹے ہوئے گوشت کے ٹکڑے کو خود اس جانور پر مار کر دیکھ لو، گائے دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتی، اگر طاقت ہوتی تو وہ زندہ ہوسکتی تھی، اس لئے وہ صرف اللہ کی ایک مجبور ومحتاج مخلوق ہے، اس میں کچھ بھی خدائی اوصاف نہیں، مثلاً حضرت موسیٰؑ کا عصا اللہ کے حکم سے سانپ بنا پھر لکڑی، اور آج وہ کسی کو ملے تو صرف لکڑی ہوگا، کوئی بھی اس سے کرامت نہیں دِکھا سکتا۔

☆ اس واقعہ سے یہ بھی نصیحت ملتی ہے کہ جب انسان کی فطرت صحیح ہوتی ہے، ضمیر مردہ نہیں ہوتا، تو وہ اللہ کی قدرت کو بعض اوقات اپنی سر کی آنکھوں سے علانیہ دیکھ کر اس کے دل میں خوفِ الٰہی اور ایمان پیدا ہوجاتا اور اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے، وہ مزید گناہ اور نافرمانی کرنے سے بچ جاتا ہے اور اللہ کی اطاعت کر کے اپنی سرکشی چھوڑ دیتا ہے۔

مگر اللہ کہتا ہے کہ بنی اسرائیل اس واقعہ کو اپنی سر کی آنکھوں سے علانیہ دیکھنے کے باوجود سخت کے سخت رہے اور انہوں نے سرکشی نہیں چھوڑی، بار بار انہوں نے اللہ کی قدرت کے کرشمے علانیہ اپنی آنکھوں سے دیکھے، سمندر میں راستہ بن گیا، ان کی آنکھوں کے سامنے فرعون اور اس کی قوم غرق ہوگئی، فرعون پر خون، ٹڈی، مینڈک وغیرہ کے عذابات بار بار آتے رہے، حضرت موسیٰؑ کا عصا سانپ بنا اور ہاتھ بے داغ سفید چمکدار بنا، پتھر کی چٹان سے بارہ چشمے پھوٹے، قارون اپنی دولت کے ساتھ زمین میں دھنس گیا، من وسلویٰ کئی سالوں تک ان کو بغیر محنت کے ملتا رہا اور چٹان ان پر کھڑی رہی وغیرہ وغیرہ، مگر پھر بھی وہ نرم نہیں ہوئے، اپنے سرکشی پر برابر قائم رہے، تورات پڑھتے، سب احکام جانتے تھے مگر جان بوجھ کر ان احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

مشرکین مکہ ابرہہ پر ابابیل کے ذریعہ عذاب نازل ہونے کے واقعہ سے ڈر کر سات یا نو سال تک بت پرستی بھول گئے تھے، دراصل اس میں یہ نصیحت ہے کہ عقلمند وسمجھدار لوگ ایسے واقعات سے عبرت ونصیحت حاصل کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے بن جاتے ہیں، ان کے دل اللہ کے عذاب کے خوف سے نرم ہوجاتے ہیں اور مزید نافرمانی سے بچ جاتے ہیں، بنی اسرائیل کے اس گروہ میں اس واقعہ سے خشیتِ الٰہی اور تقویٰ کے جذبات پیدا نہیں ہوئے، ایمان والوں کو

عبرت حاصل کرنے کے لئے نرم دل بننے اور اللہ سے ڈرنے کی تعلیم دی گئی۔

☆ اس واقعہ کے ذریعہ اللہ نے انسانوں کو یہ تعلیم دی کہ اس کے لئے دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں، وہ جسے چاہے جیسا چاہے زندہ کرسکتا ہے، ایک صحابیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ اللہ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی تم مردہ زمین پر سے گذرے اُسے سرسبز وشاداب پایا، اسی طرح موت کے بعد زندگی دے گا۔

☆ اس واقعہ سے یہ بھی نصیحت ملتی ہے کہ جب انسان ماں باپ کا ادب اور احترام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے دنیا میں بھی نوازتا ہے اور معمولی چیزوں کے ذریعہ بھی بے انتہاء برکت عطا فرمادیتا ہے۔

☆ اس واقعہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ ہر حکم کی حکمت ومصلحت معلوم کرنے کی کوشش نہ کی جائے، بنی اسرائیل کو جب قتل کے ملزم کا پتہ چلانے کے لئے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا تو وہ تعجب سے گائے کے ذبح کرنے کی حکمت دریافت کرنے لگے کہ آخر جانور کو ذبح کرکے ملزم کو کیسے پہچانا جائے گا؟ اللہ کے حکموں کی حکمت اللہ ہی کو معلوم رہتی ہے، انسان پر لازم ہے کہ وہ حکم کی حکمت جان کر عمل کرنے کے بجائے صرف حکم کو مان کر عمل کرلے، اسی کو عبدیت وبندگی کہتے ہیں، اگر حکمت ومصلحت جان کر عمل کیا جائے تو وہ عمل اللہ کے واسطے نہ ہوگا بلکہ اس عمل کے نفع ونقصان کو حاصل کرنے سے بچنے کے واسطے ہوجائے گا، اللہ نے بہت کم اعمال کی حکمت ومصلحت بیان کی ہے، اس کی تفصیل کے لئے سورۂ کہف میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ میں سمجھایا گیا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس ایک شخص آکر بعض اعمال کی حکمتیں پوچھنے لگا، انہوں نے کہا کہ میں تمہارے سوالات کا جواب دوں گا، پہلے یہ بتاؤ کہ اللہ نے ناک چہرے پر کیوں لگائی؟ سر کے پیچھے کیوں نہیں لگائی؟ پیچھے سے بھی سانس کا نظام چل سکتا تھا، یہ سوال سن وہ شخص خاموش ہوگیا، اس لئے بندے کا کام ہے کہ وہ مالک کے حکم کو سنتے ہی پورا کرے، کیوں؟ کیا؟ کیسے؟ نہ پوچھے۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کو اذیت دیتے، احترام نہیں کرتے تھے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللّٰهِ وَجِيْهاً ○ (الاحزاب: ٦٩)

ترجمہ: اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ بن جانا جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کو ستایا تھا، پھر اللہ نے اُن کو اُن باتوں سے بری کر دیا جو ان لوگوں نے بنائی تھیں، اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے رتبے والے تھے۔

بخاری: ۲۷۸ و مسلم: ۳۳۱ میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ پر شرم وحیاء کا بہت زیادہ غلبہ تھا اور ہونا بھی چاہئے، اس لئے کہ وہ اللہ کے منتخب، جلیل القدر پیغمبر تھے، وہ اپنے جسم کا کوئی حصہ کبھی کسی کے سامنے نہیں کھولتے تھے، کسی کی نگاہ اپنے کسی برہنہ حصہ پر پڑنے نہیں دیتے تھے، بنی اسرائیل کھلے عام مجمع میں برہنہ ہو کر غسل کرنے کے عادی تھے، وہ حضرت موسیٰؑ کا مذاق اُڑاتے اور بے ادبی کرتے ہوئے تنگ کرنے کے لئے کہتے کہ شاید ان کے جسم پر برص کے داغ دھبے ہیں، کبھی کہتے کہ ان کو فوطوں کے متورم ہو کر بڑھ جانے کا مرض ہوگا، اس لئے چھپ کر وہ سب سے علاحدہ نہاتے ہیں، حضرت موسیٰؑ یہ سب باتیں سن کر صبر کر کے خاموش برداشت کرتے رہتے، ایک دن وہ علاحدہ نہانے کے لئے ایک پتھر پر کپڑے اتار کر رکھ دئے، اللہ کے حکم سے آپؑ کو تہمت سے پاک کرنے کے لئے پتھر کو کپڑوں سمیت آگے ہٹا دیا، اور بنی اسرائیل جہاں برہنہ نہا رہے تھے وہاں تک چلا گیا، حضرت موسیٰؑ گھبراہٹ اور غصہ میں اس کے پیچھے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ میرے کپڑے! میرے کپڑے! پتھر مجمع کے سامنے ٹھہر گیا، سب نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھ لیا کہ آپ میں کوئی عیب نہیں ہے، حضرت موسیٰؑ نے پتھر پر غصہ میں لاٹھی ماری جس سے اس پر نشان پڑ گیا۔

چنانچہ آج بھی جاپان کے غسل خانوں میں مرد اور عورتیں ننگے نہاتی ہیں، رہبانیت اختیار کر کے بھی بنی اسرائیل کے مرد اور عورتیں شہوت کو توڑنے کے لئے ننگے نہاتے تھے، ایک ہی بستر پر غیر مرد وعورت ایک دوسرے کے باز وسوتے تھے۔

اسی طرح جب حضرت ہارونؑ کے انتقال کا وقت قریب تھا، حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ پہاڑ ''ہود'' پر عبادت کی غرض سے گئے، وہاں حضرت ہارونؑ کی طبیعت بگڑ گئی اور ان کا انتقال ہو گیا، حضرت موسیٰؑ نے وہیں پر ان کے کفن کا انتظام کر کے ان کی تدفین کر دی اور پہاڑ سے اتر آئے، جب سب کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو اکثر لوگوں نے حضرت موسیٰؑ پر حضرت ہارونؑ کو قتل کر کے دفن کر دینے کا الزام لگایا، اور کہا کہ اپنے اقتدار کے لئے ان کو مار ڈالا۔

اس تہمت سے حضرت موسیٰؑ کو بہت تکلیف ہوئی، آخر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ

فضاء سے یہ آواز بلند کروائی کہ ہارون کی موت طبعی موت ہوئی ہے' موسیٰ نے ان کا قتل نہیں کیا، اسی طرح بدکار عورت کے ذریعہ قارون نے الزام لگایا تھا، یہ اپنے پیغمبر کا ادب واحترام نہیں کرتے تھے، گویا ان کو اللہ کا ذرّہ برابر خوف ہی نہیں تھا۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کی ملاقات کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کی ملاقات کا ذکر کیا اور کائنات میں تشریعی اور تکوینی نظام کو سمجھایا، اس کی تفصیل ہماری کتاب ''قرآنی واقعات سے نصیحت'' میں بیان کردی گئی ہے۔

حضرت موسیٰؑ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ علم اللہ نے کسے دیا؟ تو حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا: مجھے سب سے زیادہ علم ہے، یہ بات انہوں نے بحیثیت پیغمبر کے کہی تھی، یہ بات اللہ کو پسند نہیں آئی، اور ان کو تعلیم دی گئی کہ اس بات کے بجائے تمہیں یہ کہنا چاہئے تھا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، پھر ان کو حضرت خضرؑ سے ملاقات کرنے کی ترغیب دی۔

حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ نے تکوینی نظام کے کچھ حصوں کا علم عطا فرمایا تھا، ورنہ تکوینی نظام میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سواء کسی کا عمل دخل نہیں رکھا، فرشتے اللہ کے حکم سے تکوینی نظام کو پورا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کی ملاقات کے واقعہ میں یہ بات سمجھائی گئی کہ تکوینی نظام کی حکمت ومصلحت اللہ کو معلوم ہے، تشریعی نظام جاننے والے صبر نہیں کرسکتے، اس کی حکمت انہیں نہیں بتلائی جاتی اس لئے وہ مختلف اعمال کی وجہ اور حکمت ومصلحت سمجھ نہیں سکتے، اگر دنیا کے اس نظام میں ہونے والے تمام واقعات کی حکمت ومصلحت پہلے ہی بتلادی جائے تو اس عالم کے تمام احکام ہی بدل جائیں گے اور اعمال کی آزمائش کا یہ امتحان گاہ درہم برہم ہوکر رہ جائے گا، اس لئے دنیا کے اعمال کی حکمت کو پردۂ غیب میں رکھا گیا۔

بنی اسرائیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنو اسماعیل میں مبعوث ہونے کی حکمت و مصلحت نہیں بتلائی گئی، وہ سمجھتے تھے کہ رسالت کا سلسلہ اللہ نے بنی اسرائیل ہی میں رکھا ہے، اُمّی انسانوں میں علم کتاب ورسالت کیسے آسکتی ہے؟ اس میں ان کے لئے سب سے بڑا امتحان اور

آزمائش یہ تھی کہ آیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی حکمت و مصلحت کو جانے بغیر اللہ کی اطاعت کرتے ہیں یا نہیں، جانے بغیر اطاعت کی تو اِسی کا نام عبدیت و بندگی ہے۔

اخلاقِ رذیلہ کے شکار ہو گئے تو طاعون میں مبتلا ہو گئے

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ ۴۰ر سال کے عرصہ میں وفات پا گئے، حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت یوشع بن نونؑ جو اُن کے خلیفہ تھے ان کی قیادت میں نئی نسل تیار ہوئی، انہوں نے بیت المقدس کو فتح کیا، پھر فتح کے بعد ان میں غرور و سرکشی آئی اور اللہ کے حکم کے مطابق جو لفظ بولتے ہوئے داخل ہونا تھا ''حِطَّةٌ''، یعنی گناہوں سے توبہ، مگر ان ظالموں نے اس لفظ کو بدل کر اس کی جگہ ''حِنْطَةٌ'' یعنی گیہوں چاہئے، کہتے ہوئے داخل ہوئے، سجدہ ریزی کے ساتھ سر جھکا کر داخل ہونے کے بجائے سرین پر پھسلتے ہوئے داخل ہوئے، سروں کو جھکانے کے بجائے سر اونچا رکھ کر داخل ہوئے۔

حضرت یوشع بن نونؑ کے بعد آہستہ آہستہ پھر بداعمالیوں میں گرفتا ہوئے، اور یہود کی خود کتُبِ مقدسہ میں ان کے نافرمان ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، اس شہر میں داخل ہو کر بدکاریاں شروع کر دیں، جیسے یہ کسی نبی کی کتاب الٰہی کی حامل نہیں ہے، وہاں کی عورتوں کو اپنی بدکاری کا شکار بنایا، عورتوں کے ساتھ حرام کاری شروع کر دی، ان سے خواہش پوری کرنے کی شرط میں وہ عورتیں اپنے دیوتاؤں کے چڑھاوے میں آئے کھانے کی دعوت دیتی اور یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہش زنا کی خاطر جا کر حرام کھاتے اور ان کے دیوتاؤں کے سامنے سجدہ کرتے، یہاں تک کہ ان کے بتوں کو پوجنے بھی لگے، جس کتاب کی یہ لوگ تلاوت کرتے ہیں اس میں ان زانیوں کی تعداد ۲۴ر ہزار بتائی گئی ہے، جو بستی فتح کرنے کے زعم میں پرائی عورتوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔

ان کے برعکس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب مکہ فتح ہوا تو ایک عورت کی بھی عصمت نہیں لوٹی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر کو اونٹ کی کوہان پر جھکائے ہوئے داخل ہوئے، صحابہؓ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب یہ اہل کتاب کے شہر کا محاصرہ کیا تو ان کے لئے شہر کے دروازے کھول دئے گئے، اور نوجوان خوبصورت عورتوں کو نیم برہنہ حالت میں شہر کے راستوں پر ٹھہرا دیا؛ تاکہ صحابہؓ ان کی طرف رغبت اختیار کر کے منہ کالا کریں، مگر امیر المؤمنین کے حکم کی پابندی میں ایک نے بھی ان عورتوں کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا، انہوں نے صاف اعلان کر دیا کہ

ہمارے نبی کا حکم ہے کہ پرائی عورتوں پر نظر نہ ڈالی جائے، الغرض یہود کی بداعمالیوں پر طاعون کی بیماری پھیلی، ہزاروں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اُتارے گئے۔

متبرک اشیاء کا صندوق دشمنوں نے لوٹ لیا:

حضرت موسیٰؑ کے بعد کچھ عرصہ تک تو بنی اسرائیل کا دینی و دنیوی طور طریقے اچھے رہے، بنی اسرائیل کا یہ زمانہ نہایت ہی قابلِ رشک تھا، جبکہ وہ ایک طرف رب کے فرمانبردار تھے، دوسری طرف اقوام عالم پر ان کی سیادت وحکمرانی چلا کرتی تھی، مگر جب ان لوگوں نے عیاشی، دنیا طلبی، فریب، چغل خوری، زنا اور بدکاری، شراب نوشی، سود خوری، رشوت خوری، بے ایمانی، آپسی پھوٹ اور نفاق سے اپنے اقتدار کے علاقوں کو گندہ کر دیا اور ہر طرح کی قبر پرستی، لکڑی و پتھر کی صورتیں و مورتیں، ناچ گانے اور جنسی انارکی اور بداخلاقی کے شکار ہوئے اور شریعت موسوی کی ہر طرح کی پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا اور حالتِ حیض میں مباشرت، خود اپنی بہو بیٹیوں کے ساتھ بدکاری کے جرم میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی دشمن مشرک قوم کو مسلط کر دیا۔

جالوت نام کا بادشاہ ان پر چڑھ آیا، قومی اور ملی طور پر انہیں منتشر کر دیا، فلسطین کے بہت سارے مقامات چھین لئے، بنی اسرائیل کو گھروں سے بے گھر کر دیا اور ان کی اولاد کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا اور متبرک صندوق بھی چھین کر لے گیا۔

بنی اسرائیل اپنے زمانۂ عروج میں اس صندوق سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، اس میں حضرت موسیٰؑ اور آلِ ہارونؑ کے چھوڑے ہوئے تبرکات تھے، ان میں تورات کی تختیاں، تورات کا اصل نسخہ جو حضرت موسیٰؑ نے لکھوا کر بنی لادی کے سپرد کیا تھا، ایک بوتل میں مَنّ بھر کر اور حضرت موسیٰؑ کا عصا اور عمامہ، اسی طرح کی کچھ اور متبرک چیزیں اس میں رکھی گئیں، تاکہ آئندہ کی نسلیں اللہ کے اس احسان کو یاد کریں جو اس نے ان کے باپ دادا پر کیا تھا۔

اس صندوق کے ساتھ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جب تک یہ صندوق ان کے پاس ہے عروج و اقتدار قائم رہے گا، مگر جب کوئی قوم اللہ کی کھلے طور پر نافرمانی کر کے شرکیہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہو جاتی ہے تو بزرگوں کے تبرکات بھی ان کے کچھ کام نہیں آتے، البتہ نیک و متقی لوگوں کے لئے یہ تبرکات برکت و رحمت کا ذریعہ بنتے ہیں، لیکن جب کتاب کی حامل قوم شرک میں گرفتار ہو جاتی ہے تو تبرکات تو دور کی بات ہے زندہ بزرگوں کی موجودگی بھی ان کو ناکامی سے نہیں بچا سکتی، ایسے

بدکاروں سے مقدس چیزیں بھی چھین لی جاتی ہیں تا کہ خیر و برکت کی آس ٹوٹ جائے۔

جب یہ صندوق بنی اسرائیل کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا تو پوری قوم کی ہمت ٹوٹ گئی، ہر اسرائیلی یہ خیال کرنے لگا کہ اللہ کی رحمت ہم سے دور ہوگئی اور اب ہمارے بُرے دن آ گئے ہیں۔

طالوت کو بادشاہ ماننے سے انکار اور امیر کی نافرمانی:

اسرائیلی سرداروں نے حضرت سموئیل علیہ السلام جو اس وقت ان کے پیغمبر تھے جو ضعیف اور کمزور ہو چکے تھے، ان سے خواہش ظاہر کی کہ جالوت سے جنگ کرنے کے لئے ایک بادشاہ مقرر کیجئے۔

اس وقت اسرائیلی گروہ کی بداعمالیاں، بزدلی اور ان کے دینی انحطاط کا حضرت سموئیلؑ کو طویل تجربہ پہلے سے تھا، اس لئے انہوں نے اسرائیلی سرداروں سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم لڑائی جاری نہ رکھ سکو گے اور یہ جوش بس کچھ دنوں میں سرد پڑ جائے گا، انہوں نے کہا کہ ہم گھر سے بے گھر کئے گئے؟ بیوی بچوں سے جدا کئے گئے، پھر بھی ہم امیر کی قیادت ملنے کے بعد بزدلی کیسے دکھا سکتے ہیں؟ ہمارے جینے کا مقصد ہی کیا رہے گا؟

حضرت سموئیلؑ نے ان کی یہ باتیں تسلیم کر لیں، مگر وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم میں سے کوئی مفت میں بادشاہ بن جائے گا، مگر حضرت سموئیلؑ نے ان پر یہود کے سب سے چھوٹے قبیلے بنیامین کے ایک غریب نوجوان طالوت کو اللہ کے حکم سے بادشاہ بنانے کا اعلان کیا، تو یہودی اس فیصلہ پر راضی نہ ہوئے، ان کے نزدیک سرداری اور بادشاہت دولت مند بڑے قبیلے کا ساہوکار آدمی ہونا چاہئے تھا، وہ کہنے لگے کہ اس کے زیادہ مستحق ہم ہیں، طالوت غریب آدمی ہے۔

بائبل میں طالوت کا نام ساول لکھا ہے، یہ یمن کے قبیلہ کا ایک ۳۰ رسالہ نوجوان تھا، بنی اسرائیل میں اس سے خوبصورت کوئی نہ تھا، ایسا قد آور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے، اپنے باپ کے گمشدہ گدھے ڈھونڈنے نکلا تھا، راستے میں جب حضرت سموئیلؑ نبی کی قیامگاہ کے قریب پہنچا تو اللہ نے نبی کو اشارہ کیا کہ یہی شخص ہے جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی بادشاہی کے لئے منتخب کیا ہے، چنانچہ حضرت سموئیلؑ نے اُسے اپنے گھر لایا، اس کے سر تیل ڈالا اور اُسے چوما اور کہا کہ تم بنی اسرائیل کے بادشاہ ہو، پھر سب کو جمع کر کے اس کی بادشاہی کا اعلان کیا،

جب سب لوگوں نے اس کے اللہ کی طرف سے بادشاہ بننے کی نشانی پوچھی، تب انہوں نے طالوت کے بادشاہ مقرر کرنے کی نشانی یہ بتلائی کہ تمہارا متبرک صندوق تمہیں واپس ملے گا، فرشتے

اس صندوق کو اٹھا لائیں گے، اللہ نے اس صندوق کی واپسی کا عجیب انتظام فرمایا، مشرکین اپنے جس شہر اور علاقے میں وہ صندوق رکھتے وہاں وبائیں پھوٹ پڑتیں، آخر کار انہوں نے خوف کے مارے اُسے ایک بیل گاڑی پر رکھ کر گاڑی کو بنی اسرائیل کے علاقے کی طرف ہانک دیا، اللہ نے فرشتوں کی حفاظت میں وہ بنی اسرائیل کی طرف بغیر کسی ہانکنے والے کے آ گیا، اس صندوق کا واپس آنا اس قوم کے لئے بڑی تقویتِ قلب کا ذریعہ بنا اور ان کی ٹوٹی ہوئی ہمت واپس آ گئی، صندوق کے آنے تک حضرت سموئیلؑ کے فیصلے پر بنی اسرائیل کے سردار بہت بگڑ گئے تھے اور وہ اپنے نبی کی نافرمانی و بے عزتی بھی کر سکتے تھے۔

صندوق کے آ جانے سے طالوت کے انتخاب کا اختلاف ختم ہو گیا، تمام لوگ اللہ کا حکم جان کر بادشاہ ماننے پر راضی ہو گئی، تابوت واپس ملا، اور وہ وقت کے پیغمبر کی نافرمانی سے بچ گئے، اگر وہ پیغمبر کی نافرمانی کرتے تو ان پر آفتِ سماوی آ سکتی تھی، اور بربادی سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔

طالوت کے بادشاہ مقرر ہوتے ہی بنی اسرائیل کا قافلہ بڑی تعداد میں جہاد کے لئے نکلا، طالوت نے ان کی آزمائش کے لئے دیکھنا چاہا کہ یہ ندی کو پار کرتے وقت تھوڑی سی پیاس کو برداشت کرتے ہیں یا نہیں، کہا کہ میرے ساتھ وہی چلے گا جو یہ ندی کا پانی نہیں پیئے گا، بہت زیادہ مجبوری میں چلّو بھر پیئے، مگر چند لوگوں کے علاوہ سب ہی لوگوں نے خوب پانی پی لیا، اس تدبیر سے حضرت طالوت نے اپنی قوم کے جذبۂ جہاد کو معلوم کر لیا، مختصر تعداد کو لے کر چل پڑے اور جالوت کی بڑی تعداد والے لشکر کو شکست دیدی۔

ہفتہ کے دن کی بے حرمتی کا انجام

وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعاً وَيَوْمَ لا يَسْبِتُونَ لا تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ o وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْماً اللّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَاباً شَدِيداً قَالُواْ مَعْذِرَةً إِلَى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ o فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُواْ بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُواْ بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُواْ يَفْسُقُونَ o فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُواْ عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُواْ قِرَدَةً خَاسِئِينَ o (الاعراف:۱۶۳ تا ۱۶۶)

ترجمہ: اوران سے اس بستی کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے آباد تھی، جب وہ سبت (ہفتہ) کے معاملہ میں زیادتیاں کرتے تھے، جب ان (کے سمندر) کی مچھلیاں سنیچر کے دن تو اُچھل اُچھل کر سامنے آتی تھیں اور جب وہ سنیچر کا دن نہ منا رہے ہوتے تو وہ نہیں آتی تھیں، اس طرح اُن کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے ہم انہیں آزماتے تھے، اور (وہ وقت یاد دلاؤ) جب انہی کے ایک گروہ نے (دوسرے گروہ سے) کہا تھا کہ تم اُن لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جنہیں اللہ یا تو ہلاک کرنے والا ہے یا کوئی سخت قسم کا عذاب دینے والا ہے؟ دوسرے گروہ کے لوگوں نے کہا: یہ ہم اس لئے کرتے ہیں تا کہ تمہارے رب کے حضور بری الذّمہ ہوسکیں اور شاید (اس نصیحت سے) یہ لوگ پرہیزگاری اختیار کرلیں۔ پھر جب یہ لوگ وہ بات بُھلا بیٹھے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تو بُرائی سے روکنے والوں کو تو ہم نے بچالیا اور جنہوں نے زیادتیاں کی تھیں اُن کی مسلسل نافرمانی کی بناء پر ہم نے انہیں ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ چنانچہ ہوا یہ کہ جس کام سے انہیں روکا گیا تھا' جب انہوں نے اس کے خلاف سرکشی کی تو ہم نے اُن سے کہا: جاؤ! ذلیل بندر بن جاؤ۔

بنی اسرائیل کو ان کے جرائم یاد دلائے گئے:

قرآن کے نازل ہوتے وقت بنی اسرائیل کو مختلف جگہوں پر ان کے جرائم اور نافرمانیاں یاد دلائی گئیں، چنانچہ ہفتہ کے دن کی بے حرمتی بھی ان کی بہت بڑی نافرمانی اور جرم تھا، یہ واقعہ یہود کی تاریخ میں بہت مشہور تھا۔

یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے تھے، مگر ان آیات کے نازل ہونے کے بعد وہ اس کی مخالفت نہیں کر سکے، اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ان سے دریافت کریں کہ اس بستی کا کیا حال ہوا جو سمندر کے کنارے آباد تھی؟ اس واقعہ میں فرمانبردار اور نافرمان دو انسانوں کا حال بتلایا گیا۔

یہودیوں کی یہ آبادی سمندر کے کنارے آباد تھی، اور یہ ایک بڑا تجارتی مرکز بن گیا تھا، یہودیوں نے خود اللہ تعالیٰ سے خواہش کر کے اپنے لئے ایک مقدس عبادت کا دن مقرر کرنے کی گذارش کی تھی، اللہ نے ان کی اس خواہش پر سبت یعنی ہفتہ کا دن مقدس قرار دیا، اس دن خادموں سے کام نہ لینا، تمام معاشی اور تجارتی سرگرمیاں بند رکھنا، یہاں تک کہ جانوروں اور نوکروں سے تک کوئی خدمت نہ لینا، اور جو خلاف ورزی کرے قتل کر دیا جانا' طے پایا، جو مقدس دن کی حرمت کو

توڑے وہ واجب القتل قرار دیا گیا۔

قرآن نے بتلایا کہ یہودی اپنے رب کے ساتھ عہد و پیمان کرتے اور پھر حیلے بہانوں سے اللہ کے احکام کو توڑتے تھے، یہ یہودیوں کی پرانی عادت تھی، اس سے قبل کئی مرتبہ وعدہ خلافی کرتے رہے، اسی طرح انہوں نے ہفتہ کے دن کی حرمت کو حیلے اختیار کر کے برباد کیا، ان کی پچھلی نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ نے ان میں نفسانی خواہش کو توڑنے اور ضبطِ نفس وصبر پیدا کرنے کی تربیت کے لئے ان کو سبت کے دن آزمائش میں ڈالا، اس لئے کہ وہ سبت کے دن کو مقدس اور عبادت کا دن قرار دینے کی درخواست کئے تھے، یہود اس آزمائش کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور صبر نہ کر سکے، اللہ تعالیٰ ان کی آزمائش کے لئے ہفتہ کے دن مچھلیوں کو کثرت سے ظاہر فرمایا اور باقی دنوں میں ان کو مچھلیاں نظر نہیں آتی تھیں، وہ مچھلیوں کی تجارت ہی سے دولت کماتے تھے، وہ مچھلیوں کو دیکھ کر صبر نہ کر سکے، ان کی حرص کی آگ بھڑکتی گئی، باقی دنوں میں ان کو نہ کہ برابر مچھلی نظر آتی تھی۔

اللہ کے حکم کو نہ ماننے کے لئے مختلف حیلے اور تاویلات:

مچھلیاں ساحل کے قریب نظر آنے کے باوجود ہفتہ کے دن شکار حرام ہونے کی وجہ سے مچھلی پکڑ نہیں سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے مچھلیوں کا شکار کرنے کے مختلف حیلے ایجاد کئے، انہوں نے ساحل سے قریب گڑھے کھود دئے، یا ڈورے پتھروں اور درختوں کو باندھ کر گڑھوں میں چھوڑ دئے' جس دن مچھلیاں خوب آتیں وہ خود بخود گڑھوں میں پھنس جاتیں' پانی سمندر میں واپس چلے جانے کے بعد گڑھوں میں مچھلیاں رہ جاتیں، واپس سمندر میں نہیں جا سکتی تھیں، یہ لوگ ہفتہ کے دن انہیں نہیں پکڑتے، باقی دوسرے دنوں میں گڑھوں سے نکال کر پکڑتے تھے، اور دِلوں کو یوں تسلی دے لیتے تھے کہ ہم نے ہفتہ کا پورا احترام برقرار رکھا، کوئی بے حرمتی نہیں کی، دوسرے دنوں میں شکار کیا، شیطان' انسانوں کو اللہ کے احکام توڑنے کے لئے ایسے تاویلات اور حیلے وبہانے سکھاتا ہے اور اللہ کی نافرمانی کرواتا ہے، اس لئے اس کی چالوں سے ہوشیار رہنا ہوگا۔

ہفتہ کی بے حرمتی میں یہود میں تین گروہ بن گئے:

اب ایسی صورت میں ان میں تین گروہ بن گئے، ایک جماعت باقاعدہ جان بوجھ کر حیلے بہانوں کو اختیار کر کے تاویلات کے ساتھ اللہ کے احکام توڑ کر سبت کے دن کی بے حرمتی کرنے لگی، دوسری جماعت خود خلاف ورزی تو نہیں کر رہی تھی لیکن نافرمانی کرنے والوں سے ناامید

ہوکر انہیں روکنا مناسب نہیں سمجھتی تھی اور اُلٹا سمجھانے والوں کو انہیں روکنا بے فائدہ بتا کر غیر جانبدار بنی رہی، تیسری جماعت سبت کا احترام بجالاتے ہوئے ان نافرمانی کرنے والوں کو برابر معروف ومنکر کا فریضہ انجام دیتی رہی، اور ان کے سدھرنے کی امید باقی رکھی، ان کے سمجھانے کے باوجود پہلا گروہ نافرمانی پر جمارہا۔

گنہگاروں کو اللہ ڈھیل دیتا ہے:

اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب کسی قوم کو سمجھانے کے باوجود وہ نافرمانی پر جمی رہتی ہے تو اللہ اس کی آزمائش کو سخت کردیتا ہے تاکہ وہ جی کے اندر کی نافرمانی کی خواہش کو خوب اچھی طرح پوری کرلے، یعنی جب انسان میں جان بوجھ کر بغاوت ونافرمانی کی رغبت بڑھ جاتی ہے تو اس کے سامنے نافرمانی کے دروازے کھول کر آسان کردئے جاتے ہیں تاکہ وہ دل بھر کر نافرمانی کا اظہار کرلے، جیسے ڈوبنے والا خوب پانی پی پی کر ڈوبتا ہے۔

ضمیر مردہ ہوجانے کے بعد نیکی سمجھ میں نہیں آتی:

انسان کی یہ عام عادت ہے کہ جس چیز سے اس کو روکا جائے اس چیز کی خواہش اس میں اتنی ہی زیادہ بڑھ جاتی ہے، پھر ان کی فطرت مردہ ہوکر اتنی خراب ہوجاتی ہے کہ نیکیوں کی تلقین کا ان پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جب انسان بخار میں مبتلا ہوتا ہے تو اس طرح زبان کا مزہ کھو بیٹھتا ہے اور وہ میٹھی، کڑوی، لذیذ وذائقہ دار غذاؤں میں فرق محسوس نہیں کرپاتا، نزلہ کے مریض کو نزلہ کی وجہ سے خوشبو اور بدبو سمجھ میں نہیں آتی، اسی طرح انسان کی فطرت جب بگڑ جاتی ہے، ضمیر مردہ ہوجاتا ہے تو وہ دنیا کا لالچی بن جاتا ہے اور شیطان کے بہکاوے میں آکر اللہ کے احکام کی خلاف نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگتا ہے، اور اپنے آپ کو دھوکہ میں مبتلا کرکے اعمال بد کو اعمال خیر سمجھتا ہے، گناہ اس کو گناہ نظر نہیں آتا۔

نافرمانوں کو پکڑنے کے لئے اللہ جال کیسے پھیلاتا ہے؟

ہفتہ کے دن مچھلیوں کا خوب نظر آنا ان کے لئے ایسا ہی تھا جیسے شکاری شکار کو پکڑنے کے لئے جال کے اطراف دانا اور مرغوب غذا رکھ کر چھوڑ دیتا ہے، شکار اس کو اپنے لئے نعمت اور مرغوب غذا سمجھتا ہے، حالانکہ ظاہری اعتبار سے وہ نعمت اور غذا نظر آتی ہے لیکن اسی میں موت کے جال میں

گرفتار ہونے کا سامان ہے۔

اسی طرح اللہ کی نافرمانیوں میں حدود کو توڑنے اور پار کرنے والے اللہ کے عذاب کو سمجھ نہیں سکتے، بغاوت کو کامیابی سمجھ کر اسی پر جمے رہتے ہیں، شکاری جس طرح مچھلی کو پکڑنے کے لئے ڈھیل چھوڑتا ہے اور حرکت ہوتے ہی یکدم نہیں کھینچ لیتا' ڈوری لمبی کر دیتا ہے تا کہ مچھلی میں کانٹا اچھی طرح پھنس جائے' اسی طرح غافل انسان بھی اللہ کی ڈھیل سے نڈر اور دلیر بن کر مزید گناہ میں پھنستا جاتا ہے، پھر یکدم عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

بے دینی کی حالت میں خوشحالی ملنا اللہ کا عذاب ہے:

گناہ اور اللہ کی نافرمانی کے باوجود مال و دولت، راحت و آرام، اسبابِ عیش و عشرت میں اضافہ ہونا اور بے دینی کے باوجود خوشحالی کا ملنا' یہ دراصل عذاب کی صورت ہے، یہود نے سبت کے دن کی بے حرمتی سے خوب مال کمایا، عیش و آرام میں زندگی گذاری، اس ڈھیل کے بعد ان پر یکدم ایک دن سخت عذاب آ پکڑا، اور ان کو مسخ کر کے بندر جیسا بنا دیا گیا، لوگوں نے محسوس کیا کہ گھروں میں خاموشی و سناٹا چھایا ہوا ہے، مسخ شدہ بندر اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب کو پہچانتے تھے، ان کے قریب آ کر روتے تھے، تین دن بعد سب مر گئے۔

موجودہ زمانے میں جو بندر ہیں وہ ان کی نسل نہیں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب وہ مسخ شدہ ہو گئے تو عذاب کی وجہ سے ان کی نسل نہیں چلتی، قرآن کہتا ہے کہ جب عذاب آیا تو تیسرا گروہ بچا لیا گیا، کیونکہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی فکر رکھتا تھا۔

اس واقعہ پر بعض غیر مسلموں کا اعتراض:

بعض قرآن کے مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ نے مچھلی یا کسی جانور کی جو فطرت بنائی ہے اس سے ہٹ کر وہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خاص طور پر ہفتہ ہی کے دن مچھلیاں اچھلتی کودتی نظر آتیں اور دوسرے دنوں میں نظر نہ آتیں؟ دنیا میں انسان بہت ساری چیزوں پر غور کرے گا تو معلوم ہو گا کہ اللہ نے اسباب کی اس دنیا میں یقینی طور پر ہر چیز کی فطرت ضرور بنایا، مگر وہ کسی بھی چیز کو ان کی فطرت سے ہٹ کر بھی اپنی قدرت سے ہدایت دے کر کام لے سکتا ہے، وہ ہر چیز پر ہر طرح سے قادر ہے۔

اس نے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا کیا، بہت سے حشرات کو بغیر ماں باپ کے ترکاریوں، پھلوں اور گندگی میں پیدا کرتا ہے، حضرت عیسیٰؑ کو زندہ جسم کے ساتھ آسمان پر

اٹھالیا، پہاڑ میں سے اونٹنی نکالی، بے موسم زبردست بارش برسا کر طوفان لاتا ہے، برسات کے موسم میں بارش کو روک بھی دیتا ہے، حضرت موسیٰؑ کا عصا اژدہا بن گیا اور جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو مردہ کر دیا، سمندر کو پھاڑ کر راستہ بنا دیا، پھر فرعون اور اس کے لشکر کو لے ڈوبا، عصاء مارتے ہی چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

بندر آہستہ آہستہ ترقی کر کے انسان نہیں بنا!

بعض انسانوں کا یہ تصور ہے کہ انسان بندر کی اولاد ہے، بندر آہستہ آہستہ ترقی کر کے انسان بن گیا، یہ بات بالکل غلط اور جھوٹی ہے، اللہ نے دنیا میں بعض جانداروں کو ایک دوسرے کی شکل و صورت سے ملتا جلتا پیدا کیا، جیسے بلی اور شیر، بلی کبھی پرورش پا کر شیر نہیں بنتی، زیبرا اور گھوڑا، گدھا، گدھا کبھی ترقی کر کے گھوڑا نہیں بنتا، اسی طرح کتا اور لومڑی، کتا ترقی کر کے لومڑی نہیں بنتا، بام مچھلی اور سانپ میں فرق نہیں ہوتا، مگر بام مچھلی ترقی کر کے سانپ نہیں بنتی، اسی طرح انسان اور بندر، آج تک کوئی بندر انسان نہیں بنا اور نہ کوئی گوریلا انسان بن سکا۔

ان آیات سے ملنے والا سبق:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی بھی تربیت فرمائی اور یہود کا یہ واقعہ تورات میں نہ ہونے کے باوجود قرآن مجید میں بیان کر کے قیامت تک آنے والے انسانوں اور مسلمانوں کی تربیت کی جارہی ہے، چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت مسلمہ دنیا میں پیغمبر کے کام کو دنیا کی دوسری قوموں تک پہنچانے کی ذمہ دار بنائی گئی ہے اور اُسے دعوت کا کام اپنوں اور غیروں دونوں میں کرنا ہوگا، اپنوں میں خرابی پیدا ہو جائے تو ان کی اصلاح کی فکر کرنا ہوگا اور غیروں کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے ان کو دعوت الی اللہ دینا ہوگا، اس لئے ان کو یہود کے ان حیلے بہانوں کو سامنے رکھ کر اپنے آپ کو شیطان کے بہکاوے سے بچا کر اللہ کی اطاعت کرنی ہوگی۔

☆ اس میں امت مسلمہ کو بھی یہ تعلیم دی گئی کہ جس طرح اللہ نے یہود کے لئے ہفتہ کا دن احترام کرنے، عبادت کرنے کے لئے رکھا تھا اور ان کو اس دن اللہ کے احکام کی بے حرمتی سے منع کیا گیا تھا' اسی طرح اللہ نے امت مسلمہ کے لئے اسلامی تعلیمات میں بہت ساری چیزوں سے روکا ہے کہ وہ یہود کی طرح حیلے بہانے بنا کر اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کریں، اللہ نے امت مسلمہ کو جمعہ کا دن خاص عبادت اور ذکر کے لئے عطا فرمایا، اس دن کا وہ احترام کریں، اللہ نے ان کو احرام کی حالت میں

خشکی کے شکار اور بیوی سے صحبت کرنے، لڑنے اور فحش بکنے، خوشبو لگانے، مردوں کے لئے سلے ہوئے کپڑے پہننے کی ممانعت رکھی، عید کے دن روزہ نہ رکھنے، سورج کے طلوع وغروب کے وقت نماز نہ پڑھنے کی تعلیم دی، مسلمان دل کی چاہت کے ساتھ اللہ کے احکام کا احترام کریں اور ان پر جب آزمائش آجائے تو خواہشات اور نفس کو قابو میں رکھیں، صبر اختیار کریں اور حیلے وبہانے نہ بنائیں۔

بنی اسرائیل نے ہفتہ کا دن عبادت کا مقرر کروا کر اس کا احترام نہیں کیا اور دنیا کی لالچ میں نفس پرستی کا شکار ہو کر تاویلیں اور حیلوں سے مچھلیوں کا شکار کیا، ان کے اس عمل پر نہ روکنے والے بھی عذاب میں مبتلا ہو گئے، اس سے امت مسلمہ کو بھی یہ تعلیم ملتی ہے کہ اللہ نے جن جن چیزوں سے منع کیا اس سے دور رہیں، جمعہ کا احترام کریں، ورنہ بنی اسرائیل کی طرح کسی بھی دوسرے عذابات میں مبتلا کئے جاسکتے ہیں، مگر اس کے باوجود حج کے ایام میں بعض جاہل لوگوں کو فحش بکتے اور لڑتے ہوئے دیکھا گیا، بعض لوگ ریاض الجنہ میں تک غصہ کو قابو میں نہیں کر سکتے، اور جمعہ میں خطبہ نہ سن کر خطبہ کے وقت تک کاروبار کرتے اور صرف عین جماعت کھڑی ہونے کے وقت مسجد میں آتے دیکھا گیا۔

☆ یہاں اللہ نے فرمایا کہ بندر بن جاؤ! انسان اور بندر کے درمیان شکل وصورت کا بہت زیادہ فرق نہیں ہے، سمجھانا یہ بھی مقصود ہے کہ اصل فرق عقل، ارادہ اور ضمیر کا ہے، انسان کا اصل کمال اور خوبی یہ ہے کہ وہ عقل کو نفس پر غالب رکھ سکتا ہے، وہ اپنے نفس کی کوئی خواہش پوری کرنے میں اچھا بُرا، جائز وناجائز سمجھ سکتا ہے، اور جائز کاموں کو اپنی عقل سے اور اللہ کے احکام اور سنتِ رسولؐ کے تحت ادا کر سکتا ہے، اس کے برعکس جانور عقل کا استعمال نہیں کرتا، جی میں آنے والی ہر خواہش کو عقل استعمال کئے بغیر پوری کر لیتا ہے، وہ ہمیشہ جی کی خواہشات پر چلتا رہتا ہے، اگر انسان ایسا کرے تو وہ انسان کے مقام سے گر کر جانور کے مقام پر آجاتا ہے، پھر ان کے اور بندر یا جانور کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہتا، حیوان صرف اپنے پیٹ کی سوچتا ہے اور پیٹ سے بلند ہو کر نہیں سوچتا، یہود نے محض دنیا کے مال ودولت اور عیش وآرام کے لئے اللہ کے حدود کو توڑا، کچھ دیر کے لئے آزمائش کو برداشت نہ کیا، اور سمجھانے کے باوجود پرواہ نہیں کی۔

☆ ان آیات میں یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جب ایمان کمزور ہو جاتا ہے تو اللہ کا خوف دلوں سے نکل جاتا ہے، اور کسی بھی حکم اور قانون پر عمل کرنے کے لئے انسان حیلے وبہانے تلاش کر کے اپنی مرضی پر چلتا ہے، دل اسی وقت قانون کی پابندی کرتا ہے جب ایمان دل میں راسخ ہو جائے،

اس سے انسان میں تقویٰ اور خشیت پیدا ہوتی ہے، ایک متقی اور اللہ سے ڈرنے والا دل ہی اللہ کے قانون کی حفاظت کرتا ہے اور اس کا پابند رہتا ہے، اس کا ایمان اللہ کے قانون کو توڑنے کے لئے حیلے بہانے بنانے سے روکتا ہے۔

دنیا کی حکومتیں اپنے قانون پر عوام کو عمل کرانے میں اس لئے ناکام ہوتی ہیں کہ وہ عوام میں تقویٰ و پرہیزگاری پیدا نہیں کرسکتیں، ہر جگہ وہ اور ان کے نمائندے عوام پر نظر نہیں رکھ سکتے، اللہ اپنے بندوں میں ایمان کے ذریعہ تقویٰ پیدا کرکے اپنے احکام کی پابندی کرنا آسان بنادیتا ہے، انسان حکومت کے نمائندے خود رشوت لیکر قانون توڑتے ہیں، حکومت کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

اصلاح نہ کرکے خود نیک بنے رہنے والوں کی بھی بربادی ہوسکتی ہے:

☆ اللہ نے ان آیات میں صرف یہود کی نافرمانی ہی کا ذکر نہیں کیا بلکہ خاص طور پر ان میں تین جماعتوں کے بننے اور تینوں کے اعمال کو پیش کیا، گویا امت مسلمہ کو بھی یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ ان کے معاشرے میں اس طرح کا ماحول پیدا ہوسکتا ہے، کچھ لوگ نافرمان رہیں گے اور کچھ لوگ اصلاح کی محنت کریں گے اور کچھ لوگ غیر جانبدار رہ کر اصلاح کی کوشش کو بیکار سمجھیں گے۔

اس میں اللہ نے خاص طور پر اصلاح کرنے اور غیر جانبدار رہنے والوں کو تعلیم دے رہا ہے کہ انسانی معاشرے میں ابھرنے والی خرابیوں اور نافرمانیوں سے بے تعلق نہ رہو؛ بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی پیغمبر آنے والا نہیں ہے، اس لئے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرو، معاشرے میں جب کوئی برائی اور گناہ جڑ پکڑتا ہے تو وہ وبائے عام کی صورت اختیار کرلیتی ہے، بے شعور، کمزور ایمان والوں میں وہ وباء عام ہوجاتی ہے، اس کے جراثیم صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہتے جو بالفعل ان برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں، بلکہ ان خرابیوں پر راضی یا خاموش تماشائی بنے رہنے والے یا غیر جانبدار رہنے والے بھی اس وباء کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، اگرچہ کہ وہ عملاً ان برائیوں میں مبتلا نہ ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک کشتی کی مثال سے سمجھایا ہے، مفہوم یہ ہے کہ ایک کشتی کے دو مالے ہوں اور کچھ لوگ اوپر کی منزل پر ہوں اور کچھ نیچے والی منزل میں ہوں، اگر نیچے والے اوپر آکر پانی لینے کو اوپر والوں کے لئے تکلیف اور اپنے لئے مصیبت سمجھیں اور کشتی کے نچلے حصہ میں ہی سوراخ کرکے پانی حاصل کرنا بہتر سمجھیں، اور سوراخ ڈالنے لگیں اور اوپری منزل والے ان سے بے

پرواہ ہو کر ان کو نہ روکیں تو نیچے والوں کے اس عمل سے جب کشتی ڈوبے گی تو اوپر والے بھی خود بخود ڈوب جائیں گے، اس لئے اوپر والے جب نیچے والوں کے اس ارادہ و عمل کو دیکھیں گے تو فوراً اپنی طاقت سے ہاتھ سے اور زبان سے ان کو سوراخ ڈالنے کے اس غلط عمل سے آخری وقت تک روکیں گے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کوئی برائی دیکھو تو اس کو ہاتھ سے روک دو یا زبان سے بُرا کہو یا دل سے بُرا جانو، یہ ایمان کا آخری درجہ ہے، اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں، اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسانوں میں اللہ کی نافرمانی اور گناہ پھیل جائے تو اطاعت کرنے والے فرمانبردار بھی محفوظ نہیں رہیں گے، ان کی دینداری پر بھی بے دینی کے اثرات چھا جائیں گے، ان کو دین پر چلنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

اسلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر امت کے ہر فرد پر اس کی استطاعت کے مطابق برائی کو روکنے کی ذمہ داری ڈالی ہے، فرمایا: **بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً**. کہ میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔

جس طرح خراب آب و ہوا میں رہنے والے اس ہوا کے زہریلے اثرات سے متاثر ہو کر بیمار ہو جاتے ہیں، کاربن ڈائی آکسائیڈ ہوا میں زیادہ ہو جائے تو انسان، جانور، درخت، پودے وغیرہ سب متاثر ہو جاتے ہیں؛ اسی طرح گناہوں کے ماحول میں اچھے انسان زندگی گذاریں اور اصلاح و درستگی کی محنت نہ کریں گے تو وہ بھی گناہ کی زد میں آکر بیمار پڑ جاتے ہیں۔

اللہ نے سورۂ انفال کی آیت ۲۵ میں یہی بات ارشاد فرمائی: **وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّۃً وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ o**

ترجمہ: اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو، اور خبردار! اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

یہ خطاب پورے انسانوں سے ہے عموماً، خصوصاً ان لوگوں سے ہے جن پر دوسرے انسانوں کے سدھار کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خاص طور پر آپؐ کے قائم مقام ہوں گے، جو حق جانتے اور حق پر عمل کرتے ہیں، اس سے حد متعین ہوتی ہے کہ ہر مؤمن دوسرے کی برائی کو روکنے اور اچھائی کی دعوت دینے والا بنے۔

اس واقعہ میں خاص طور پر اللہ نے اس جماعت کا ذکر کیا ہے جو غیر جانبدار تھی، جو ایک دو

مرتبہ نصیحت کر کے برائی کو بُرا جان کر ان سے نفرت کر رہی تھی، اور سمجھی کہ فرض ادا ہو گیا، دوسرے جو اصلاح کرنے والوں کو ان کی محنت بیکار ہونے کا احساس دلا رہی تھی، اس میں یہ تعلیم دی گئی کہ اصلاح اور دعوت کا کام کرنے والے ایک دو مرتبہ نصیحت کر کے قانون کی خانہ پوری نہ کریں اور نہ یہ سمجھیں کہ انہوں نے فرض ادا کر دیا اور نافرمان لوگوں سے غیر جانبدار بن کر ان کو ان کے حال پر نہ چھوڑ دیں، جس طرح کشتی میں سوراخ کرنے والوں کو اوپری منزل والے اپنی طاقت، قوت اور زبان سے آخری وقت تک روکتے اور جد و جہد کرتے رہتے ہیں، اسی طرح امت مسلمہ کا داعی مستقل سدھار کی محنت کرتا رہے، بلکہ ان کے مرنے تک سمجھاتا رہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طالب پر محنت کی، اور بگڑے ہوئے لوگوں سے ناامید نہ ہوں، امید رکھیں اور ہو سکتا ہے کہ اللہ ان میں سے کسی کو ہدایت دیدے اور وہ سدھر جائیں، ایسے ہی لوگ اللہ کے پاس اپنے فریضہ سے بچ سکتے ہیں، وہ لوگ بچ نہیں سکتے جو خود گرچہ برائی میں مبتلا نہ ہوئے ہوں لیکن دوسروں کے خیر و شر سے بے تعلق ہو کر زندگی گذاریں۔

جرائم کے باب میں اللہ کا قانون یہی ہے کہ اس فتنہ میں خصوصیت کے ساتھ وہی لوگ گرفتار نہیں ہوں گے جنہوں نے انسانوں میں سے گناہ اور ظلم کیا ہو، اللہ عام لوگوں کی سزاء کے ساتھ خاص لوگوں کو سزاء اس وقت تک نہیں دیتا جب تک کہ وہ آنکھوں کے سامنے برے کام ہوتے ہوئے دیکھیں اور ناراضگی کا اظہار نہ کریں، پھر اللہ خاص و عام دونوں کو مبتلائے عذاب کر دیتا ہے، جس طرح گیہوں کے ساتھ پتھر بھی پیسے جاتے ہیں، امت مسلمہ کو خاص طور پر دوسروں کی سدھار کرنے اور اچھائی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کے لئے قیامت تک پیدا کیا گیا ہے، **كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔**

جس بستی میں احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ہو وہ ساری کی ساری بستی قابلِ پکڑ اور سخت حساب میں مبتلا ہو گی، اس کا کوئی آدمی بری نہ ہو گا، اسے اللہ کے سامنے صفائی اور ثبوت پیش کرنا ہو گا کہ اس نے اپنی استطاعت سے کتنی اصلاح کا کام کیا، اس لئے ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق یا تو عمدہ کتب یا اہل علم حضرات کی صحبت میں یا اہل علم کی دینی محفلوں میں لیجا کر یا خود اپنی معلومات کی حد تک اصلاح اور دعوت کا کام کرتے رہیں، سارا مال، ساری دولت اور اپنی پوری طاقت صرف اپنی ذات یا صرف اپنے اہل و عیال کی دنیا بنانے میں خرچ نہ کر دیں بلکہ دین اور قرآن و سنت کو عام کرنے اور

انسانوں تک پہنچانے میں خرچ کریں اور ان تک آسانی سے پہنچانے کے طریقے اختیار کریں۔

اس میں ایک سبق یہ بھی ہے کہ طویل عرصہ تک بنی اسرائیل غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے، ان میں معروف ومنکر کا فریضہ انجام دینے کا مزاج ختم ہوگیا تھا، غلاموں کے ضمیر بدل جاتے ہیں، ان کے اندر اخلاقی کمزوریاں آجاتی ہیں، اس لئے ذہن اور اخلاق کو بھی غلامی سے نجات دلانا ضروری تھا، اور جس قوم کو دوسروں کی سدھار کا ذمہ دار بنایا جائے ان کو تربیت کے لئے نفس اور صبر کی بے انتہاء مشق کرنے' ایسی ہی سخت آزمائش ہونا ضروری ہے، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جن کے ذمہ خلافتِ ارضی کی ذمہ داری بھی ہو، داعی کو ارادے کی پختگی، وعدہ وعہد کی پابندی کی پختگی ضروری ہے، انسانوں کی بڑی تعداد ذہن ونفس کی غلام ہوتی ہے، صبر سے خالی ہوتی ہے، اللہ کی اطاعت کے لئے صبر اور نفس پر قابو ضروری ہے۔

عذابِ الٰہی گنہگاروں ہی پر نہیں' نیکوں کو بھی ہلاک کردیتا ہے، حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک عابد کی زندگی کا انجام اس انداز سے بیان کیا گیا ہے، مفہوم یہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو اس کے رہنے والوں سمیت اُلٹ دو، اس پر حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! وہاں پر تیرا فلاں بندہ بھی رہتا ہے جس نے پلک جھپکنے کے برابر بھی تیری نافرمانی نہیں کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سب سے پہلے اُسی پر اُلٹ دو، پھر بعد میں دوسروں پر، اس لئے کہ (دوسروں کی برائی اور نافرمانی دیکھ کر) اس کے چہرے کی رنگت نہیں بدلی (یعنی پیشانی پر بل تک کبھی میرے لئے نہیں آئے)۔ (امام بیہقیؒ)

جمعہ کے دن سے مسلمان بھی غفلت میں مبتلا ہورہے ہیں:

جس طرح بنی اسرائیل کے لئے ہفتہ کا دن عبادت کے لئے مقرر ہوا تھا اسی طرح امت محمدیہ کے لئے بھی اللہ نے جمعہ کا دن فضیلت اور خاص عبادت کا مقرر کیا ہے، بنی اسرائیل کو دن بھر عبادت میں وقت گذارنے کا حکم تھا، ہم کو یہ سہولت دی گئی کہ اذان سے نماز ختم ہونے تک عبادت میں مشغول رہیں، باقاعدہ خطبہ سننے کا اہتمام کریں، مگر اکثر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ' عبادت کے لئے بڑی مجبوری سے آتے ہیں اور جمعہ کی فضیلت اور اہمیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے عین خطبہ سے پہلے آتے اور فرض نماز کے ساتھ ہی مسجد سے چلے جاتے ہیں، عجمی علاقوں میں

اذان کے بعد بھی ان کے کاروبار جاری رہتے ہیں، مسلم ممالک میں جمعہ کے دن کرکٹ میاچ ہوتا ہے، اور نئی فلمیں دِکھائی جاتی ہیں، یہود کے پاس پوری دنیا میں کہیں پر بھی ہفتہ کا نہ احترام باقی ہے اور نہ ان کو ہفتہ کی اہمیت کا اندازہ ہے، مغربی ممالک میں یہودیوں کی بڑی بڑی کمپنیاں ہیں مگر وہ ہفتہ کا احترام نہیں کرتیں، وہاں اتوار کو تعطیل ہوتی ہے۔

ہمیں یہود کے ہفتہ کے دن کا احترام نہ کرنے پر سزاء کو ہمیشہ یاد رکھنا ہوگا، دراصل اللہ نے یہود کے ذریعہ ہمیں بھی جمعہ کا احترام کرنے کی تعلیم دی ہے؛ ورنہ اس کی سزاء انتہائی سخت ہے، بہت سے لوگ تو خطبہ کھڑے کھڑے رسمی انداز سے سنتے ہیں، وہ اتنی دیر سے آتے ہیں کہ انہیں پوری مسجد میں بیٹھنے کی تک جگہ نہیں ملتی، اگر مسلمان جمعہ کا ادب واحترام صحیح کرنے لگے تو ساری دنیا میں جمعہ عید کا دن نظر آنے لگے گا، اور دوسری قومیں ان کے ان نورانی اجتماعات سے متاثر ہوسکتی ہیں، دنیا کی کوئی قوم اتنی پابندی کے ساتھ اور اتنے اہتمام کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی، جیسے مسلمان پابندی کرسکتے ہیں، اس لئے جمعہ کی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

مگر جمعہ کے مقابلے مسلمان کے لئے ہر روز پانچ وقت کی نماز لازم اور فرض ہے، اس کے بغیر ان کا مسلمان باقی رہنا مشکل ہے، صرف جمعہ کا اہتمام کرکے اپنے کو مسلمان سمجھنا بیوقوفی اور گمراہی وغفلت ہے، اور جو لوگ پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں، ان کو اپنی نماز صحیح معنیٰ میں نماز بنانی ہوگی، جس طرح نماز میں دین کے اور اللہ کے فرمانبردار بن جاتے ہیں اسی طرح نماز کے بعد اسلام کی پابندی کرنا ہوگا، ورنہ وہ نماز ان کے چہرے پر ماردی جائے گی، ان کی نماز ان کو بے حیائی وبے شرمی سے روکنے والی بنے، فحش ومنکرات سے روکنے والی بنے، تب ہی نماز نماز ہوگی۔

بنی اسرائیل کتاب الٰہی کی کچھ باتوں پر عمل کرتے تھے، کچھ پر نہیں

ثُمَّ أَنتُمْ هَـؤُلاء تَقْتُلُونَ أَنفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقاً مِّنكُم مِّن دِيَارِهِمْ ....اِلٰی........ وَمَا اللّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ٥ (البقرہ:۸۵)

ترجمہ: ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا، تم نے اس کا اقرار کیا تھا، تم خود اس پر گواہ ہو، مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرتے ہو اور اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے گھر کردیتے ہو، ظلم وزیادتی کے ساتھ ان

کے خلاف جمع ہوتے ہو، جب لڑائی میں پکڑے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کی رہائی کے لئے فدیہ کا لین دین کرتے ہو، حالانکہ ان کو گھروں سے نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا، تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصہ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟

مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ان آیتوں میں تین احکام دئے گئے:

(۱) کسی کا ناحق قتل نہ کرنا، (۲) گھروں سے بے گھر نہ کرنا، (۳) قیدی کو فدیہ دے کر چھڑانا، بنی اسرائیل اول اور دوم حکم کو نظر انداز کر کے اس کی خلاف ورزی کرتے اور تیسرے حکم پر سختی سے عمل کر کے تورات پر عمل کرنے کا اظہار کرتے تھے۔

مدینہ میں دو مشرک قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے، ان میں سخت دشمنی تھی، کبھی کبھی جنگ کی نوبت بھی آجاتی تھی، ان کے ساتھ یہود کے دو قبیلے بنو قریظہ اور بنو نظیر بھی مدینہ میں آباد تھے، یہ دونوں قبیلے دوستی اور تعلقات کی بنیاد پر اوس اور خزرج کے علاحدہ علاحدہ حلیف اور حمایتی تھے، جب ان دونوں مشرک قبیلوں میں لڑائی ہوتی تو یہ دونوں یہودی قبیلے بھی اپنے اپنے حلیفوں کی مدد کے لئے ساتھ مل جاتے تھے اور ایک قوم ہونا بھول جاتے تھے، دوستی اور ہمدردی میں ایک دوسرے کے مقابل جنگ کرتے اور سب کے ساتھ تلوار اٹھاتے تھے اور اپنے ہی بھائیوں کو مشرک قبیلوں کے ساتھ زخمی یا قتل بھی کرتے تھے، ان کو قید بھی کر لیتے تھے، جب قیدیوں کو چھڑانے کا وقت آتا تو فدیہ دے کر چھڑاتے، مال خرچ کرتے تھے، اگر کوئی ان کے اس عمل پر اعتراض کرتا اور فدیہ کے لین دین پر پوچھتا تو کہتے کہ اپنے ہی بھائی یہودی کو چھڑانا کتاب الٰہی کے حکم کے مطابق ہے، اس لئے فدیہ کے حکم پر عمل کرنا لازمی اور ضروری ہے، ایسے جائز قرار دیتے کہ یہ تورات کا حکم ہے، گویا وہ اپنے آپ کو کتاب الٰہی کے سخت پابند ظاہر کرتے، اور اگر کوئی ان کو لڑائی میں تلوار اٹھا کر اپنے ہی بھائی کو قتل کرنے پر اعتراض کرتا تو کہتے کہ کیا کریں؟ دوستی کی بنیاد پر ساتھ دینا ضروری ہے، حالانکہ ان پر اپنے بھائی کو قتل کرنا اور بے گھر کرنا ہی حرام تھا۔

اللہ نے ان آیات میں ان کی اس بدعملی پر ٹوک کر ان کی حیلہ سازیوں اور تاویلات پر ٹوکا اور کہا کہ تم کتابِ الٰہی کی چند باتوں پر عمل کرتے ہو اور نفس کی خواہش پر چند باتوں کا انکار کرتے ہو، ان کا ہمیشہ سے یہ حال رہا ہے کہ کتاب کی وہ باتیں جو ان کی خواہش نفس کے مطابق فائدہ دینے والی ہوں، ان کا جی چاہا تو عمل کرتے اور جو نفس کے خلاف ہوں یا جی نہ چاہا ان پر عمل نہیں کرتے

تھے، قول سے تو تورات کو اللہ کا کلام مانتے مگر عمل اس کے خلاف کرتے تھے، انہوں نے ہفتہ کی بے حرمتی کی، زنا کے قانون سنگسار کو بدل ڈالا، زکوٰۃ کی جگہ سود کو عام کیا، غیر یہودیوں کے مال ہڑپ لینا جائز رکھا، نصاریٰ نے طلاق کو ناپسند کیا، سور کو حلال کرلیا، شراب کی تجارت عام کی، جان بوجھ کر کتاب الٰہی کے خلاف عمل کرتے تھے، یہ بھی ایک قسم کا انکار تھا۔

ان آیات سے امت مسلمہ کو بھی یہ تعلیم ملتی ہے کہ اسلام نے ایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر حرام کیا ہے، مگر اللہ کے اس حکم کے خلاف مسلمان آپس میں دولت، خاندانی جھگڑوں، ملکی جھگڑوں، جماعتی جھگڑوں، جائیدادی جھگڑوں میں غنڈہ گردی اور دادا گیری کرنے والے دلیری سے اللہ سے بے خوف ہوکر ایک دوسرے کا قتل کرتے ہیں، اقتدار اور حکومت کی خاطر بھی آپس میں بہت قتل عام کرتے ہیں، عوام شریعت کے بہت سے احکام کو جانتی اور مانتی ہے مگر جان بوجھ کر قرآن مجید کی بعض باتوں پر عمل کرتی ہے اور بہت ساری باتوں پر عمل نہیں کرتی، مختلف جماعتوں میں بہت لڑائیاں ہوتی ہیں، اللہ نے تمام انسانوں کو یہ تاکید کی کہ اگر کوئی ایسا رویہ کتاب الٰہی کے ساتھ اختیار کرے تو یقین جانو کہ اس کی سزاء یہ ہے کہ اس کو دنیا میں بھی ذلیل کردیا جائے گا اور آخرت میں گھاٹے والی زندگی ہوگی، تم اپنی ظاہری دینداری کی وجہ سے زبان کی لفاظی کا استعمال کرکے دنیا والوں کو تو دھوکہ دے سکتے ہو؛ مگر اللہ کو دھوکہ نہیں سکتے، وہ دلوں کے حال سے اچھی طرح واقف ہے، وہ شکلوں اور لباس کو نہیں دیکھتا، اس لئے رضائے الٰہی کے لئے پوری پوری اطاعت کرو۔

جنگ بدر سے پہلے ہجرت کے بعد جب دارالامن مدینہ قائم ہوگیا تو عرب کے علاقوں کے تمام مسلمانوں کو دارالامن آکر قیام کرنے کا حکم دیا گیا، بہت سے مسلمان جو مشرک علاقوں میں آباد تھے، اپنی جائیداد تجارت، تعلقات، رشتہ داری یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے مدینہ ہجرت نہ کئے اور جب مشرکینِ اسلام کو مٹانے کے لئے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تو انہیں اپنے نسلی تعلقات اور دوستی کی بنیاد پر مشرکین کا ساتھ دینا پڑا اور وہ مشرکین کی طرف سے آکر جنگ میں شریک ہوئے اور مسلمان ہوتے ہوئے مسلمان کے خلاف اسلام کو مٹانے کے لئے تلوار اٹھائی، اس طرح انہوں نے بھی اپنے ایمان کو ضائع کیا، اسلام نے ایمان والوں کو دین میں پورے پورے داخل ہونے کی تاکید کی، کتاب کے کچھ حصہ پر عمل کرنا اور جو نفس کے خلاف ہوں ان کو جان بوجھ کر چھوڑنا یہ طریقہ کتاب کو مانتے ہوئے نہ ماننے کا ہے۔

جہالت ومخالفت میں اللہ کے گھر اور کتاب کی توہین کی اور انسانوں کو اللہ کے ذکر وعبادت سے روک دیا

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (البقرہ:۱۱۴)

ترجمہ: اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روک دے اور مسجدیں اجاڑنے کے لئے دوڑے، ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان (مسجدوں) میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے، ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی اور انہی کو آخرت میں زبردست عذاب ہوگا۔

سنہ ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ عمرہ کی غرض سے مکہ تشریف لے گئے، تو مشرکینِ مکہ نے عمرہ کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا اور واپس جانے کو کہا، حالانکہ وہ حضرت ابراہیمؑ سے نسبت اور کعبۃ اللہ کے مجاور تھے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہود حضرت عیسیٰؑ سے اس قدر دشمنی اور مخالفت کی کہ جب نصاریٰ کو یہود پر غلبہ ملا انہوں نے مسجد بیت المقدس کی بے حرمتی کی اور ویران کیا اور یہود کی عبادت گاہیں اجاڑ دیں، چنانچہ ان کے بادشاہ طیطوس نے شہر یروشلم اور بیت المقدس پر قبضہ کرلیا، ان پر حملہ کر کے خوب توڑ پھوڑ کی، تورات کو تک جلا ڈالا، یہودیوں کا قتل عام کیا، پچاس ہزار سے زیادہ کو قید کرلیا، ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا، ہزاروں یہودی مرد وعورتیں بھیڑ بکریوں کی طرح بازار میں بکنے لگیں، بیت المقدس میں یہودیوں کو عبادت کرنے سے روک دیا، مسجد میں گندگی اور خنزیر ڈال دیا۔

ان کے بعد جب یہودیوں کو سیاسی غلبہ حاصل ہوا تو انہوں نے طیطوس (Tituse) سے پچاس گنا زیادہ ظالم بن کر بیت المقدس پر غاصبانہ قبضہ کرلیا، مسجد اقصیٰ کو آگ لگادی اور مسجد میں نصاریٰ کو عبادت کرنے سے روک دیا، حالانکہ دونوں کا تعلق مسجد اقصیٰ سے تھا، مگر جب مسلمانوں کا زوال شروع ہوا تو یہود مسجد اقصیٰ پر قبضہ کر کے وہاں کے آثار کو مٹانا شروع کیا اور مسلمانوں کو بھی

عبادت سے روکنے کی ناکام کوشش کی، مگر اللہ کے حکم کے مطابق مسلمان مسجد اقصیٰ پر جب تک قابض رہے کبھی نہ یہود کو اور نہ عیسائیوں کو عبادت سے روکا اور تینوں کا حق آج تک تسلیم کرتے رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو بطور مہمان مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور ان کے طریقے پر عبادت کرنے کی اجازت دی، بنی اسرائیل کی اس جاہلانہ روش اور مشرکینِ مکہ کی گمراہی کو پیش کر کے اللہ نے یہ تعلیم دی کہ یہ لوگ مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام کو اللہ کا گھر مانتے، تورات وانجیل کو اللہ کا کلام مانتے، مگر اپنی جہالت میں اللہ کے گھر کا اور اللہ کی کتاب کا کوئی پاس ولحاظ تک نہ رکھا، اس سے خود ان کے ایمان کے بوسیدہ اور ضعیف ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ان کی آپسی مخالفت ان کو یہ نہ سمجھا سکی کہ مسجد کا احترام کیا ہوتا ہے اور کتاب الٰہی کی قدر کیا ہوتی ہے، ہر وہ کام جس سے مسجد میں لوگوں کو اللہ کے ذکر اور عبادت سے روکنا یا مسجد میں ایسے حالات پیدا کرنا کہ مسجد ویران ہو جائے سب حرام ہیں، اور نہ وہاں ایسے حالات پیدا کرنا جس سے دوسرے مسلک کے لوگ نہ آئیں، ایسا کام کرنے والے ظالم ہیں، انہیں مسجد کے متولی اور ذمہ دار بننے کا کوئی حق نہیں، مگر افسوس مسلمان بنی اسرائیل کے ان حالات سے واقف نہ رہ کر حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، سنی، وہابی، اہل حدیث اور شیعہ وغیرہ اپنی اپنی مسجدیں الگ الگ بنا کر تختیاں لگا کر یہود ونصاریٰ کی نقل اور جہالت والا عمل کر رہے ہیں۔

بنی اسرائیل نے پیغمبروں کو ماننے میں تفریق کی

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ .(البقرہ:۲۸۵)

ترجمہ:۔ رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔

قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں کو تعلیم دی کہ کسی پیغمبر کو ماننے میں تفریق نہ کریں، تفریق کرنے سے سختی سے منع کیا، تمام پیغمبروں کو ایک ہی تسبیح اور ایک ہی درخت کی شاخوں کی طرح بنایا اور ایمان قبول کرنے کے لئے یہ شرط لازمی اور ضروری رکھی کہ تمام پیغمبروں کا جن کو جانتے ہو یا نہیں جانتے اجمالی طور پر سب کا اقرار کیا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ نے ہر زمانے میں دنیا کے مختلف علاقوں میں انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے پیغمبروں اور نبیوں کو بھیجا، اس لئے امت مسلمہ سب پر ایمان رکھتی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ ہم رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔

اسلام نے ایمان والوں کو ہر نبی کا مکمل طور پر یکساں ادب واحترام اور محبت کرنا سکھایا،

انسانوں کو قطعی اختیار نہیں کہ وہ اپنی مرضی اور پسند سے پیغمبروں میں تفریق کریں، ان کے احترام و محبت میں کمی کریں، پیغمبروں میں تفریق یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، کسی کو سچا متقی مانیں اور کسی کو جھوٹا و گنہگار، اور کسی کو معصوم مانیں اور کسی پر تہمت لگائیں۔

بنی اسرائیل نے پیغمبروں کو ماننے میں اللہ کے اس حکم کے خلاف کیا، کسی کو پیغمبر مانا، کسی کو بادشاہ مانا اور کسی پر تنقید کی، کسی پر ناپاک الزامات لگائے، کسی کا مذاق اُڑایا، کسی کا قتل کیا، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا تھا کہ تورات کے تمام احکام پر قائم رہو گے اور جو بھی نبی میں بھیجوں گا اس کو مان کر اس کے مددگار بنے رہو گے، مگر یہود حضرت موسیٰؑ کے مرتبہ میں غلو اور تورات سے ہٹ کر کسی دوسرے نبی اور کتاب کو ماننے تیار نہیں ہوئے، وہ حضرت یحییٰؑ کے قتل کے تماشائی بنے رہے، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور انجیل اور قرآن کا انکار کیا، حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر نہ مان کر جھوٹا اور جادوگر کہا، ان پر اور ان کی والدہ پر گناہ کا الزام لگا کر تہمتیں لگائیں، اور حکومت میں ان کے خلاف جھوٹ بول کر قتل کرنا چاہے۔

اسی طرح یہود و نصاریٰ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو جانتے تھے مگر پیغمبر نہیں صرف بادشاہ کہتے تھے، دیوارِ گریہ کے سوراخوں میں اللہ کو کاغذ پر اپنی خواہشات لکھ کر ڈالتے اور حضرت موسیٰؑ سے زیادہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کو بڑی اہمیت دیتے اور انہی کی طرح دنیا میں پھر حکومت ملنے کی خواہش کی دعاء لکھتے، اس لئے کہ حضرت سلیمانؑ کو اللہ نے زبردست قوت اور اقتدار دیا تھا، بڑے بڑے سرکشوں کو وہ ختم کر دیتے تھے، جنات ان کے قبضہ میں تھے، نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے غلو میں تورات، انجیل اور زبور سے ہٹ کر کسی دوسرے نبی اور کتاب کو ماننے کے لئے آج تک تیار نہیں ہوئے، چنانچہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے غلو میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا انکار کیا، نصاریٰ اپنے غلو میں حضرت عیسیٰؑ ہی کو معصوم اور باقی سب کو گنہگار سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ انجیل میں تحریف کر کے غلط لکھا کہ وہ اپنی ماں سے محبت اور عزت نہیں کرتے تھے، ان کے پاس نمازوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی، یہود حضرت مریمؑ پر زنا کی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور نعوذ باللہ حضرت عیسیٰؑ کو زنا سے پیدا ہونے والا لڑکا بتاتے اور اس بات کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔

ان کے برعکس مسلمان اللہ کے حکم کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام پیغمبروں کو اجمالی طور پر اللہ کے بھیجے ہوئے مانتے ہیں، کسی کا انکار

نہیں کرتے، سب کا نام ادب واحترام سے لیتے، سب کو معصوم مانتے ہیں، کسی پر گناہ اور بدکاری کا الزام اور تہمت نہیں لگاتے، سب کا تذکرہ عزت واحترام اور عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں، جس طرح وہ اپنے پیغمبر کی عظمت وادب کا لحاظ کرتے ہیں اسی طرح تمام پیغمبروں کی عظمت وادب کا لحاظ کرتے ہیں، اسلام نے ان کو یہی تعلیم دی ہے کہ کسی پیغمبر کا انکار کرنا ان کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے اور وہ کافر ہو جاتا ہے، البتہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو نصاریٰ کی طرح اللہ کا بیٹا نہیں مانتے، اللہ کا کوئی بیٹا نہیں، وہ بیٹا بیٹی اور اہل وعیال سے پاک ہے۔

حضرت عیسیٰؑ دوسرے پیغمبروں کی طرح ہی اللہ کے نبی اور رسول ہیں، اس لئے ان کو مسلمان اللہ کا بندہ اور رسول مان کر ایمان رکھتے ہیں اور یہ سچائی بھی ہے، اس طرح تمام پیغمبروں کو ماننے والوں کو مسلم کہا جائے گا، چاہے کسی قوم، کسی ملت، کسی نبی اور کسی بھی زمانے کے کیوں نہ ہوں۔

بعض حضرات نے سورۃ البقرہ کی آیت: ۶۲ سے یہ استدلال لیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا نجات کے لئے ضروری نہیں، بس اتنا کافی ہے کہ انسان آسمانی دین پر مخلصانہ عمل اللہ اور آخرت میں جواب دہی کے احساس سے کرتا رہے، لیکن یہ بات بالکل غلط ہے، قرآن سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تمام پیغمبروں کی مدتِ نبوت ختم ہوگئی اور تمام آسمانی کتابیں منسوخ کر دی گئیں، سارے انسان چاہے مشرک ہوں یا اہل کتاب اور کفار سب کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اور آپ کی لائی ہوئی تعلیمات پر بلا تفریق ایمان لانا لازم اور ضروری ہے، جو لوگ تمام پیغمبروں کو مان کر اگر رسالتِ محمدی پر ایمان لانے سے انکار کریں گے تو وہ کافر اور جہنمی قرار دئے جائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کرنی پڑتی، حضرت عیسیٰؑ بھی جب دوبارہ آئیں گے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع کریں گے، اسلام کا کلمہ ہی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی پڑھیں گے۔

بنی اسرائیل نے اپنے علماء کو رب کا درجہ دے دیا تھا

بنی اسرائیل نے اپنے علماء کو رب کا درجہ دے دیا تھا، جبکہ وہ کتاب الٰہی میں تحریف کرتے ہوئے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام بتلاتے تو کتاب سے ناواقف لوگ ان کی

ترغیبات پر عمل کرتے اوران کی باتوں کوشریعت کی تعلیم سمجھ کرعمل کرتے تھے،اس طرح تورات و انجیل کی اصلی شکل ہی بگاڑ دی تھی،ان کی ترغیبات پر دین میں نئی نئی چیزوں کا اضافہ کرکے بدعات و خرافات میں مبتلا ہوگئے،خنزیر،شراب،زنا،سود،جھوٹ وغیرہ کوحلال کرلیا،حاتم کے بیٹے نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم نے اپنے علماء کوکبھی رب نہیں بنایا،تو اس پر رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: وہ حرام کوحلال اور حلال کوحرام کرتے تو تم لوگ ان کی ان باتوں کو شریعت سمجھ کرعمل نہیں کرتے تھے؟

امت مسلمہ کواس کے ذریعہ یہ درس دیا گیا کہ وہ اپنے علماء کورب کا درجہ نہ دیں اوران کی باتوں پر آنکھیں بندکرکے عمل نہ کریں بلکہ علماء کی ترغیبات کوکتابِ الٰہی کی تعلیمات سے جانچ کر ان کے وعظ ونصیحت پرعمل کریں،اندھی تقلید نہ کریں' جیسے بنی اسرائیل نے کی،ہر وہ بات جوقرآن و حدیث سے ٹکرائے اُسے رد کردیں اور علماء سوء کے کہنے پرغلو میں مبتلا ہوکر دین میں بدعات و خرافات اوررسوم کی ایجاد نہ کریں،اللہ کے حدود کو نہ توڑیں،کتاب اللہ کی حرام کردہ چیزوں کوحرام اور حلال کوحلال مان کرزندگی گذاریں۔

بنی اسرائیل کی گمراہی کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ کتابِ الٰہی پڑھ کربھی اس کے احکامات سے واقف نہیں تھے،بس رسمی انداز پر کتاب کی تلاوت کرلیتے کہ اس کوسمجھنے اور ہدایت حاصل کرنے کی کبھی محنت نہیں کرتے تھے،اس لئے امت مسلمہ کتابِ الٰہی کوسمجھ کرتلاوت کریں تا کہ وہ علماء سوء سے دھوکہ نہ کھائیں۔

کتاب الٰہی نہ سمجھنے والوں کوگدھے سے تشبیہ دی گئی

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَاراً بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِیُ الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ ٥ (الجمعه:۵)

ترجمہ: جن لوگوں پرتوارت کا بوجھ ڈالا گیا،پھرانہوں نے اس کا بوجھ نہیں اٹھایا ان کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو،بہت بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتوں کوجھٹلایا اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت تک نہیں دیتا۔

سورۂ جمعہ کی مذکورہ آیت میں بنی اسرائیل کے وہ لوگ جو کتاب اللہ پڑھتے ہیں مگر اس کو کبھی سمجھنے اور اس کے احکام جاننے کی فکر ہی نہیں کرتے ان کو گدھے سے تشبیہ دے کر سمجھایا گیا کہ جس طرح ایک جانور پر کتابیں لدی ہوں اور وہ سوائے وزن اٹھانے کے کچھ نہیں جانتا کہ اس پر کیا چیز رکھی گئی ہے، بالکل اسی طرح کتابِ الٰہی کو مان کر اس کی تلاوت بغیر سمجھے پڑھ کر اس کے احکام سے واقف نہ ہونے والوں کو مثال گدھے جیسی ہے جو صرف کتابوں کا بوجھ اٹھائے پھرتا ہے۔

اس مثال سے امت مسلمہ کو بھی یہ سبق حاصل کرنا چاہئے کہ وہ اگر کتاب الٰہی کو بار بار پڑھ کر اس کے احکام ہی سے واقف نہ ہوں اور بنی اسرائیل کی طرح کتاب اللہ کے احکام کی بار بار تلاوت کر کے ان کی طرح کتاب کے خلاف زندگی گذاریں یا جان بوجھ کر احکام جانتے ہوئے بے عمل زندگی گذاریں تو وہ بھی ایک جانور کی طرح اپنے اوپر بوجھ لئے زندگی گذار رہے ہیں، ایسے لوگ دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے، ان کی عزت اور سربلندی کتاب کے احکام جان کر ان پر عمل کرنے ہی میں ہے۔

بنی اسرائیل کی کتاب الٰہی میں تحریف کی جسارت

أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُواْ لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلاَمَ اللّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ o (البقرہ:۷۵)

ترجمہ: (مسلمانو!) کیا اب بھی تمہیں یہ لالچ ہے کہ یہ لوگ تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کے لوگ اللہ کا کلام سنتے تھے پھر اس کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد بھی جانتے بوجھتے اس میں تحریف کر ڈالتے ہیں۔

قرآن مجید کے نازل ہوتے وقت ہی بنی اسرائیل پر یہ بات کھل کر بیان کر دی گئی کہ ان کے پیشوا اور راہبوں نے کتاب الٰہی کے احکام میں اپنے من مانی بنائے ہوئے مسائل کو فقہ کی جگہ داخل کر کے کتاب الٰہی کو بگاڑ دیا، اور الفاظ کے اصل معنیٰ و مفہوم سے ہیرا پھیری کرے اپنی خواہش کے مطابق کچھ دوسرے معنیٰ پہنا دیا یا پھر الفاظ میں تغیر و تبدیلی کر کے تحریف کرتے رہے، بہت ساری چیزیں انہوں نے خود اپنے دماغ سے لکھ کر داخل کر دیں، اور کتاب الٰہی کا حصہ کم سے کم کر دیا۔

قرآن کا یہ اتنا زبردست و حقیقی الزام تھا کہ یہود آج تک اس کی تردید نہیں کر سکے، اور خود

ان کی دوسری مقدس کتابوں میں اس کی تائید موجود ہے، خود ان کے علماء وا کابر اقرار کرتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ پر نازل ہونے والے مضامین کو ان کے علماء وراہبین کتاب اللہ کو اُسی الہام کی روشنی میں تیار کرتے تھے، چنانچہ ان کتابوں میں توحید، رسالت، آخرت، جنت ودوزخ وغیرہ کے متعلق عجیب وغریب تشریحات بیان کردی گئی جو شکوک وشبہات پیدا کرتی ہیں۔

اگر کوئی ان کی الہامی کتابوں میں اللہ کا کلام پڑھنا چاہے تو اُسے ساتھ ہی ساتھ بنی اسرائیل کی تاریخ غیر اخلاقی افسانے، مفسروں کی تشریحات، علماء کے اختلافی اقوال، فقہی مباحث، بنی اسرائیل کا آپسی جنگ وجدال، مبلغین وسلاطین کے واقعات سب کچھ پڑھنا پڑتا ہے، عام انسان کو خالص کلام الٰہی کو تلاش کرنا بہت مشکل ہے، پھر ان تمام چیزوں کو کلام الٰہی کے ساتھ گڈمڈ کرکے جوڑ دیا گیا، اگر کوئی اُسے پڑھ کر فیضیاب ہونا چاہے تو اُسے دس گنا زیادہ یہودی مکر وفریب کی بھی داستانیں پڑھنی پڑتی ہیں، اور ہر زمانے میں ان مقدس کتابوں کے صفحات میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔

اول تو انہوں نے کتاب الٰہی کا ایک حصہ ہی گم کردیا تھا، پھر جو کچھ کتاب الٰہی میں سے باقی تھا اس کے روح اور اس کے مقصد ومدعیٰ سے وہ عوام کو بیگانہ کرچکے تھے، ان کی تمام دلچسپیاں لفظی بحثوں اور احکام کے جذبات اور عقائد کی فلسفیانہ پیچیدگیوں تک محدود ہوگئی تھیں، اسی وجہ سے ان کی عوام دین کی حقیقت سے ناآشنا اور دینداری کے جوہر سے خالی ہوتی گئی، اگرچہ کہ ان کے علماءِ دین، پیشوا اور ملت کے رہبر کہلائے جاتے تھے، یہ لوگ یا تو کتاب کے الفاظ میں ردّوبدل کرتے یا آیات کے معنیٰ ومطلب کچھ سے کچھ بنادیتے یا حضور ﷺ کی مجلسوں میں آکر جو باتیں تورات کی تائید میں سنتے یا فطرت وضمیر کی آواز کے مطابق پاتے واپس جاکر لوگوں کے سامنے غلط بیانی سے کام لے کر بات کچھ کی کچھ بنا کر لوگوں میں بیان کرتے۔

ان کے عالموں اور فقیہوں نے جب جس چیز کو چاہا خدا کی کتاب کا جزو بنادیا، عوام عقل سے معذور اور اندھے ہوتے ہیں، عقیدت واحترام میں کلام الٰہی کے جذبہ سے ادب وتعظیم میں تلاوت کرتے ہیں اور خدائی کلام تصور کرتے ہوئے ثواب سمجھ کر تلاوت کرتے ہیں اور اصلی کتاب الٰہی کا درجہ دیتے ہیں۔

یہود نے نہ صرف تورات میں تحریف کی بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی لائی ہوئی اناجیلِ اربعہ کا حلیہ بھی بگاڑ دیا، پھر بعد میں عیسائی علماء نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بنادیا اور سارے انسانوں کو باپ اور بیٹے

کا رشتہ دے دیا، اور توحید کے ساتھ شرکیہ عقیدہ وعمل کو داخل کر دیا، ہر زمانے میں دونوں نے قرآن مجید وحدیثِ رسول ﷺ میں بھی تحریف کرنے کی کوشش کرتے رہے، گھڑی ہوئی باتوں کو حدیثِ رسول ﷺ میں داخل کرنے کی کوشش کرتے رہے جس میں وہ ناکام رہے۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں یہود ونصاریٰ کی برائیوں کو بیان کیا گیا ہے اور جہاد کی آیات بیان ہوئی ہیں ان کو نکالنے کی کوشش کی اور الفرقان نامی جعلی کتاب چھاپ کر اس کو قرآن کہا، مگر وہ اس میں بھی ناکام رہے، اس لئے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لے لیا ہے، اس کے حفاظ ساری دنیا میں ہر زمانہ میں ہر وقت ہر ملک میں ہزاروں کی تعداد میں موجود رہے ہیں، پھر بھی انہوں نے مسلمانوں کے گمراہ فرقوں کو لے کر منافقوں کی مدد سے گمراہی پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے اور شاید قیامت تک کرتے رہیں گے، اور مسلمانوں کو کئی فرقوں میں بانٹ دیا، قرآن مجید آج سے تقریباً پندرہ سو سال پہلے جیسا نازل ہوا' اُسی صورت میں انہی الفاظ کے ساتھ محفوظ ہے، اس میں رسول کا کلام، مفسرین کی تشریحات، اسلامی تاریخ کے واقعات، صحابہؓ کے اقوال وغیرہ ملے ہوئے نہیں ہیں۔

ان کے نزدیک شرک ایک معمولی چیز تھی، مچھر کو تو چھان کر پیتے ہیں مگر اونٹ کو نگل جاتے ہیں، یہ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں اور احکام کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، اپنا سارا وقت اور طاقت و قوت اُسے ہی حل کرنے میں لگائی، کبھی خود شرک سے بچنے اور قوم کو مشرکانہ خیالات واعمال سے بچانے کی فکر نہیں کرتے، ہمیشہ اپنی توانائی حضور ﷺ کی مخالفت کرنے کے منصوبے بنانے پر خرچ کرتے، ہمیشہ مشرکین کی دوستی وحمایت میں رہتے اور جو لوگ سچے مسلمان تھے ان کو مشرکینِ عرب کی بہ نسبت زیادہ گمراہ قرار دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ ان سے تو یہ مشرکین ہی زیادہ راہِ راست پر ہیں، باوجودیکہ وہ بتوں کو پوجتے ہیں، سوتیلی ماں کو بیوی بنا لیتے ہیں، ننگا طواف کرتے ہیں، اس قسم کی باتیں حسد کی وجہ سے کرتے تھے۔

ان کی گراوٹ اور دین سے دوری کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہی نے مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے مرتبے ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیا، جو ریاکار، فاسق وفاجر، نااہل، کم ظرف، عابد و عالم' بداخلاق وبددیانت اور بدکار مذہبی لبادہ اوڑھے ہوئے یا دنیاوی اقتدار، طاقت وقوت والے ہوں' جن میں بارِ امانت اٹھانے کی صلاحیت نہ ہو، ان کی زندگی کو کتاب سے نہیں جانچتے، اندھے

آنکھ بند کر کے ان کی اتباع کرتے تھے، جس کی مثال طالوت کو امیر لشکر بنانے پر ان کے دولت مند سرداروں اور عوام نے اعتراض کیا، مگر ان کی بہت بڑی تعداد امیر کی اطاعت نہ کی اور نہر کا پانی خوب سیراب ہو کر پی لیا۔

جو لوگ کتاب کے علم سے جاہل ہوتے ہیں ان کو بھٹکانا ایسے علماء کے لئے آسان ہوتا ہے، اسی کو اللہ نے سورۃ البقرہ، آیت: ۷۸ میں بیان کیا ہے، ان یہودیوں میں سے ایک گروہ ان پڑھ لوگوں کا ہے جو کتاب الٰہی کا علم نہیں رکھتا، لیکن امیدوں اور آرزوؤں کے چکر میں محض وہم و گمان پر چلتے ہیں، ان کا کتاب الٰہی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا، وہ اطاعت سے دور رہ کر اپنے آپ ہی کو جنتی سمجھتے ہیں۔

اس طرح کی جہالت امت مسلمہ میں بھی ہے، جاہل صوفیوں، دنیا پرست علماء نے مسلمانوں کو بھی گمراہ کر کے شرکیہ عقائد و اعمال میں مبتلا کیا اور کتاب سے دور کر دیا اور تقریباً ۸۵ فیصد مسلمانوں کے عقائد ہی صحیح نہیں ہیں، وہ صحابہؓ جیسے ایمان سے خالی ہیں۔

کتاب الٰہی انسانوں کے پاس امانت ہوتی ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً ۝ (الاحزاب: ۷۲)

ترجمہ: ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے، اور انسان اس کا بوجھ اُٹھا لیا، حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم، بڑا نادان ہے۔

کتابِ الٰہی انسانوں کے پاس امانت ہوتی ہے، اس امانت میں تبدیلی کرنے تحریف کرنے کا کسی کو حق نہیں، یہاں تک کہ پیغمبر بھی اس میں کسی قسم کا ردّ و بدل نہیں کر سکتے، اگر ایک انسان اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کسی کا مکان یا دُکان یا موٹر کرایہ پر لے تو وہ چیزیں اس کے پاس مالک کی امانت ہوتی ہیں، وہ اس چیز کو مالک جس انداز پر دے اُسی طرح استعمال کرتا ہے، اس میں ردوبدل نہیں کرتا اور نہ خراب کرتا ہے، اس میں تبدیلی کرنے سے ڈرتا ہے، اسی طرح کتاب الٰہی انسانوں کے پاس اللہ کی امانت ہے، اس میں تحریف کرنے کا کسی کو حق نہیں، بنی اسرائیل کے دنیا پرست علماءِ سوء نے اِس امانت میں خیانت کی اور امانت کو دنیا کے دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے چھپایا اور امانت میں ردّ و بدل کر کے لوگوں کو دین کی غلط شکل پیش کی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو امانت کہا ہے، اس لئے اس کو جوں کا توں ماننا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام، معروف کو معروف اور منکر کو منکر، امر کو امر اور نہی کو نہیں مان کر اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہی صحیح ایمان ہے، بنی اسرائیل نے ایسا نہیں کیا، جس طرح کسی کی امانت لیکر اس میں ردّ وبدل کی جائے تو انسان مجرم بن جاتا ہے اسی طرح اللہ کی امانت میں کسی قسم کی تبدیلی کی گئی تو ہم مجرم بن جائیں گے، امانت کو حفاظت کے ساتھ جوں کا توں استعمال کرنا ہوگا، اسی پر جنت کی ضمانت ہے، اللہ نے اس امانت کو مؤمنوں کی جان ومال کے عوض خرید لیا ہے، امانت میں تبدیلی کرنے سے سزاء اور جہنم رسید ہونا پڑے گا۔

امت مسلمہ علماءِ سوء سے ہوشیار رہے!

وَتَرىٰ كَثِيراً مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ o لَوْلاَ يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُواْ يَصْنَعُونَ o (المائدہ: ۶۲، ۶۳)

ترجمہ: اور ان میں سے بہت سوں کو تم دیکھو گے کہ وہ گناہ، ظلم اور حرام خوری میں لپک لپک کر آگے بڑھتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ جو حرکتیں یہ کرتے ہیں وہ نہایت بُری ہیں، ان کے مشائخ اور علماء ان کو گناہ کی باتیں کہنے اور حرام کھانے سے آخر کیوں منع نہیں کرتے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ طرزِ عمل نہایت بُرا ہے۔

پیغمبروں کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بنی اسرائیل میں صحیح دیندار علماء کے ساتھ ساتھ دنیادار، مطلب پرست اور دولت کے دیوانے علماءِ سوء بھی پیدا ہوئے اور انہوں نے تورات اور انجیل کے الفاظ میں تحریفات کر ڈالیں، اور الفاظ کے معنیٰ ومطلب ہی بدل ڈالا، یا پیغمبروں پر نازل ہونے والی تعلیم کو عوام کو خوش کرنے کے لئے اپنے انداز میں بیان کر کے دین کی شکل ہی بگاڑ ڈالی، اس سے امت مسلمہ کے علماءِ سوء کو یہ سبق دیا گیا کہ وہ نبی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد قرآن مجید اور ارشاداتِ رسول کے ساتھ ایسی حرکت نہ کریں اور نہ اپنی نفس کی خواہش پر قرآن وحدیث کے معنیٰ ومطلب کو بدلنے کی کوشش کریں، اگر امت مسلمہ کے علماء سوء اس طرح کی حرکت کریں گے تو جتنے انسانوں کو کتاب الٰہی سے گمراہ کریں گے تو ان کے گمراہی کا گناہ اور عذاب بھی وہ اپنے

نامۂ اعمال میں لے کر آخرت میں بدلہ اور سزاء پائیں گے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سے ہر عام وخاص آدمی کو عبرت ونصیحت اور سبق حاصل کرنے کی تو اجازت دی مگر مسائل عام آدمی کو نکالنے سے منع کیا اور علماء کو اپنے مطلب کی خاطر عوام کو گمراہ کرنے سے سختی سے منع کیا، ورنہ سارے گمراہ کرنے والوں کا گناہ بھی ان گمراہ کرنے والوں کو بھگتنا پڑے گا۔

بنی اسرائیل نے پیغمبروں کی سیرتوں کو بگاڑ کر عام گنہگار انسانوں کی طرح تحریف کیا اور اصلاح کرنے والوں کو قتل کرتے رہے

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآؤُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ o (البقرہ: ۶۱)

ترجمہ: اوران (یہودیوں) پر ذلت اور بیکسی کا ٹھپہ لگا دیا گیا اور وہ اللہ کا غضب لیکر لوٹے، یہ سب اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کا ناحق قتل کرتے تھے، یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ بیحد زیادتیاں کرتے تھے۔

وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ o (النور: ۴۰)

ترجمہ: اور جس شخص کو اللہ ہی نور عطا نہ کرے اس کے نصیب میں کوئی نور نہیں۔

بنی اسرائیل نبیوں کا کوئی احترام نہیں کرتے تھے، آج بھی عام انسانوں کی طرح ان کا نام لیتے ہیں، ان کے بدکار مشرکانہ ذہن رکھنے والے فاسق وفاجر پیشواؤں اور رہنماؤں نے نبیوں کو عام گنہگار انسانوں کی طرح اخلاقِ رذیلہ کے جھوٹے الزامات اور جھوٹی تہمتیں لگائیں، اور ان کی سیرتوں کو بگاڑ کر کتاب الٰہی میں شامل کر دیا، ان کو الوہیت میں اللہ کے ساتھ شریک کیا؛ یہاں تک کہ ان کا ناحق قتل کیا، اپنی کتابوں میں پیغمبروں پر ایسے گندے الزامات اور بیہودہ تہمتیں لگائے جن کو پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کی سیرتوں کو اتنا گرا دیا کہ دنیا ان کی بداعمالیوں اور بدکاریوں پر طعنہ دے تو یہ کہیں گے کہ یہ اعمال تو ہم نے فلاں فلاں نبیوں کی سیرتوں سے سیکھے ہیں۔

کتاب الٰہی میں تحریفات کی داستانوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت بات یہ ہے کہ وہ

خدا کے جن برگزیدہ بندوں کو نبی اور پیغمبر کہتے ہیں انہی کو شرک، کفر اور بداخلاقی و بدتمیزی والے بھی کہتے تھے، یہود کے نزدیک نبی کے معنیٰ صرف ''پیشین گوئی کرنے والے'' کے تھے، وہ یہ یقین کرتے تھے کہ اس کی دعاء یا بددعاء فوراً قبول ہوتی ہے، ان کے نزدیک حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ کی نبوت اور رسالت کا محض دھندلا سا رسمی خاکہ تھا، عیسائیوں کے پاس بھی رسالت اور نبوت کی کوئی واضح حقیقت نہیں بیان کی گئی، جیسے قرآن نے بیان کیا ہے، موجودہ انجیلوں میں نہ رسولوں کی تعریف ہے، نہ ان کے تذکرے اور نہ سچائی وصداقت کی گواہی۔

حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کے تذکرے انجیل میں پیغمبرانہ شان کے ساتھ نہیں بلکہ عام گنہگار انسانوں کی طرح بیان کیا، یہاں تک کہ بائبل میں تحریف کرکے لکھا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت لوطؑ نے شراب پی کر اپنی بیٹیوں سے زنا کیا، حضرت داؤدؑ بوڑھاپے میں کنواری خادماؤں سے پہلوگرم کرتے تھے، حضرت داؤدؑ نے اوریاؑ کی بیوی کو محل میں بلا کر زنا کیا، اور پھر اوریاؑ کو قتل کرکے اس کی عورت کو اپنی بیوی بنالیا، حضرت سلیمانؑ اُسی عورت سے پیدا ہوئے، حضرت سلیمانؑ بوڑھے ہوگئے تو ان کی بیویوں نے ان کا دل غیر معبودوں کی طرف مائل کردیا۔

حضرت موسیٰؑ پر حضرت ہارونؑ کو حکومت واقتدار کی خاطر پہاڑ پر لے جا کر قتل کرنے کا الزام لگایا، حضرت ہارونؑ پر الزام لگایا کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے غیاب میں بچھڑا بنایا اور اس کی پرستش کروائی۔

یہودؑ حضرت سلیمانؑ کو تعویذ، گنڈہ، عملیات اور شیطان کے ذریعہ حکومت کرنے والا کہتے، حالانکہ سحر اور جادو تورات میں شرک قرار دیا جاچکا تھا، عیسائی صرف حضرت عیسیٰؑ کو تو معصوم مانتے باقی سب پیغمبروں اور انسانوں کو پیدائشی گنہگار سمجھتے، انہوں نے نعوذ باللہ پیغمبروں کو شرابی، زانی، قاتل، مشرک اور بت پرستوں کی صف میں لا کھڑا کردیا، ان سے بڑھ کر انبیاء علیہم السلام کی بے ادبی ساری دنیا میں کسی قوم نے نہیں کی۔

حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو بادشاہ مانتے ہیں، انہوں نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی، حضور اکرم ﷺ کے قتل کے کئی منصوبے بنائے، زہر دیا، جادو کیا، دھوکہ سے قلعہ میں بلا کر اوپر سے چٹان گرا کر یا یکدم حملہ کروا کر قتل کرنا چاہا، مشرکوں سے مل

کر ان کو اسلام کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارا، جنگ خندق میں معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے وعدہ خلافی کی اور مشرکین مکہ کا ساتھ دیا۔

جتنا بغض اور عداوت انہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسلام اور مسلمانوں سے تھی وہ آج بھی ان کی نسلوں میں منتقل ہوتی جا رہی ہے، ان کے پیشوا اپنے ماننے والوں میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے نفرت منتقل کر رہے ہیں، اسلام سے دور رکھنے اور ان کے شہروں میں اسلام اور مسلمانوں کے پھیلنے سے روکنے کے لئے گمراہ کن کتابیں اسلام پر لکھتے اور اسلام کی شکل کو بگاڑ کر سمجھاتے ہیں، عوام کو سمجھاتے کہ مسلمان جاہل غنڈے، قاتل عورتوں پر ظلم کرنے والے، گوری چمڑی کے بھوکے اور زانی ہوتے ہیں، پتھر کے کمرے کی عبادت کرتے ہیں، دن میں پانچ مرتبہ زمین کو چومتے ہیں، ان کے بہکانے کی وجہ سے ہی ان کی عوام رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے کارٹون بناتے ہیں، مگر اسلام کے ماننے والے کبھی کسی پیغمبر کا مذاق نہیں بناتے، سب کا ادب واحترام ہر اعتبار سے کرتے ہیں، یہ تو خیر دوسروں کے ساتھ ہو رہا ہے، حضرت موسیٰؑ جیسے عظیم المرتبت نبی ان کے وار سے بچ گئے، حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے، مگر پوری دنیا میں مسیح ابن مریمؑ کے قاتل مشہور ہو گئے، اور وہ خود دلیری و بے شرمی کے ساتھ اس جرم کے دعویدار ہیں، ان میں کے کچھ لوگ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ اور ان کے دو جانباز صحابہ یوشع اور کالب پر پتھراؤ کیا اور حضرت موسیٰؑ نے ان کے حق میں بددعاء کی۔

تحریفات کے ذریعہ خدا کو بھی انسانی صفات والا بنا دیا:

☆ خدا ٹھنڈے وقت جنت میں پھرتا تھا، آدم و حوا نے جنت میں خدا کی آواز سنی۔ (پیدائش: باب ۳، فقرے ۸، تورات)

☆ یعقوب خدا سے رات بھر کشتی کرتا رہا، خدا انسانی شکل میں تھا، وہ خدا کو شکست دے کر پٹخ دیا تو آخر میں خدا نے اسرائیل کا لقب دے کر اپنا پیچھا چھڑایا۔ (پیدائش: 31.32.33 تورات)

☆ موسیٰ اور ہارون کے ساتھ بنی اسرئیل کے ۷۰ سردار پہاڑ کے اوپر گئے اور انہوں نے خدا کو دیکھا، اس کے پاؤں کے نیچے نیلم کے پتھر کا چبوترا تھا جو آسمان کی مانند صاف و شفاف تھا۔ (خروج، باب: 24-10-11، تورات)

☆ خداوند نے چھ دنوں میں آسمان، زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب بنایا اور ساتویں

دن آرام کیا، اس لئے خدا نے ہفتہ کے دن کو برکت دی اور اُسے مقدس ٹھہرایا۔ (خروج:۲۰۔۱۱، باب:۳۱:۱۷)

☆ خداوند نے آدم کی تخلیق اپنی شبیہ پر بنائی۔(پیدائش 1:5:27:1)

☆ انجیل میں توحید اور شرک کا مربع بنادیا گیا، حضرت مسیحؑ کے لئے کہیں ابن آدم، خدا کا پیارا بیٹا، خدا اکلوتا بیٹا، نجات دہندہ، مظہر خدا، خداوند جیسے الفاظ کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں۔

☆ خدا اتنا مجبور ہوا کہ اولادِ آدم کے گناہ معاف کرنے کے لئے وہ اپنے بیٹے کو سخت تکلیف و اذیتیں دے کر کانٹوں کی صلیب پر چڑھا کر سولی دے دی۔

☆ طوفانِ نوح کے وقت خدا نے بے سوچے سمجھے مخلوقات کو پیدا کر کے سخت نادم ہوا، طوفان آجانے سے اُسے بے حد غم ہوا، یہاں تک کہ روتے روتے اس کی آنکھیں سوج گئیں اور فرشتوں کو اس کی عیادت کرنی پڑی۔ (مقالات شبیر احمد عثمانی:۴۸)

اللہ کے بارے میں انجیل میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باپ، ماں، بیٹے اور روح القدس پر مشتمل ایک پرائیویٹ کمپنی اور خاندان ہے اور یہ پورا عالم اُسی کمپنی کی نگرانی و ماتحتی میں چل رہا ہے، انجیل میں تحریف کر کے عیسائی سارے انسانوں اور خدا کے درمیان باپ اور بیٹوں کا رشتہ لگادیا، اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا خاص بیٹا بنا کر خدا کو اتنا مجبور بتلایا کہ وہ خود انسانوں کے گناہ معاف کرنے کے بجائے اس نے سارے انسانوں کے گناہ معاف کرنے کے لئے اپنے خاص بیٹے ہی کو سولی پر چڑھادیا، بنی اسرائیل اپنے آپ کو خدا کا کنبہ تصور کرتے اور اس پر فخر و ناز کرتے۔

یہ لوگ اپنے اندر اصلاح کی آواز کو اٹھنے نہیں دیتے تھے اور اصلاح کرنے والوں کے دشمن بن کر مخالفت کر کے قتل کر دئے تھے، حضرت یحییٰؑ کو قتل کر کے تھال میں سر رکھ کر لا کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا، پوری قوم ان کے قتل پر خاموش تماشائی بنی رہی، ان کے مخالف لوگوں نے ان کے قتل پر خوشی منائی، اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا اور اللہ کی اطاعت سے روکنا انسان کو اعمال صالحہ سے اخلاق رذیلہ سکھانا' ان کے پاس گناہ اور برائی کا تصور ہی نہیں رہا، حضرت موسیٰؑ سے حضرت مسیحؑ تک یہ لوگ پورے قبر پرست تو ہم پرست بن چکے تھے، جن کا تذکرہ اناجیل اربعہ میں جگہ جگہ ملتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو تاکید کی کہ میری قبر کو عبادت گاہ مت بناؤ!، یہود و نصاریٰ پر لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا ڈالا۔

دکھاوا، ظاہری دینداری، ظاہر پرستی، عیاشی، دنیا طلبی، فریب، چغلی، زنا و بدکاری، شراب نوشی، ظلم و ناانصافی، سود و رشوت خوری اور بے ایمانی، آپسی پھوٹ، نفاق، مشرکوں کا شرک، لکڑی اور پتھر کو مقدس ماننا، ناچ گانا، جنسی انارکی اور بہت سے اخلاق رذیلہ میں مبتلا ہو گئے تھے، شریعت کے پابندی سے آزاد ہو چکے تھے، یہاں تک کہ حالتِ حیض میں مباشرت جائز کر لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نبی کی سیرت کو امت کے لئے اطاعت و اتباع کرنے محفوظ رکھتا ہے، مسلمانوں کی کثیر تعداد نبی کی سیرت کو تو کوئی نہیں بگاڑے، بلکہ نبی کی سیرت محفوظ رہنے کے باوجود سنت کو چھوڑ کر مغربی کلچر کی نقالی کو اعلیٰ اور عمدہ تہذیب سمجھتے ہیں اور نبی کی صرف ذات سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، خلافت راشدہ کے بعد مسلمان بادشاہوں، نوابوں اور جاگیرداروں نے ناچ گانا بجانا، شراب، زنا، ازواج کی کثرت بڑے بڑے محلات پر اپنا روپیہ اور وقت صرف کرنا شروع کر دیا، دنیا کی دوسری قوموں کو گمراہی میں بھٹکنے چھوڑ دیا، ان سے بغض و عداوت میں مبتلا ہو گئے جس کی وجہ سے ظالم حکمران کافر و مشرک ان پر مسلط کر دئے گئے۔

بنی اسرائیل کی مصلحین کے قتل سے امت مسلمہ کو سبق:

قرآن نے بتلایا کہ بنی اسرائیل اپنی مذہبی حالت میں اتنا بگڑ چکے تھے کہ وہ برائی اور گمراہی کو پسند کرتے اور ان کی اصلاح و سدھار کرنے والوں کی مخالفت کرتے ان کی اصلاح کو نہیں مانتے؛ یہاں تک کہ انہوں نے بہت سے انبیاء اور اصلاح کرنے والوں کو قتل بھی کر دیا، اور آخر میں حضرت عیسیٰ مسیحؑ اور حضرت محمد ﷺ کو بھی قتل کرنے کی پوری کوشش کی، ان کے اس طرح کے سلوک سے امت مسلمہ کو یہ سبق دیا گیا کہ حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء کی حیثیت سے بھیجے گئے تھے، ان کے بعد پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا اور پیغمبر کے دنیا سے چلے جانے کے بعد پیغمبر کے جانشین امت مسلمہ کے صحیح علماء ہوں گے اور وہ پیغمبر کی جگہ امت کو قرآن و حدیث کا درس دیں گے اور امت کی رہنمائی اور سدھار کا کام کریں گے، ان میں ایک جماعت باقاعدہ معروف و منکر کا فریضہ ادا کرے گی، جس طرح بنی اسرائیل نے اپنے اصلاح کرنے والوں کو نہیں مانا اور قتل تک کر دیا' امت مسلمہ پیغمبروں کا سلسلہ بند ہو جانے کے بعد اپنے اصلاح کرنے والوں کی قدر کرے، ان کی نافرمانی اور مخالفت نہ کرے اور نہ ان کے خلاف آواز اٹھائے اور نہ ان کو قتل یا قید کرنے کی کوشش کرے، اگر انہوں نے حق کی دعوت اور امت کی سدھار اور اصلاح کے کام کی مخالفت کی تو یہ

بنی اسرائیل کی نقل ہوگی، وہ بھی اپنی روش سے آخر تک حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت کرتے رہے، حق کو حق جان کر ان کی اصلاح کو قبول نہ کیا، مگر ہر زمانہ میں مسلمان حکمرانوں نے اپنی حکومت بچانے کے لئے علماء حق کو قید بھی کیا، اور بہت سوں کو تو قتل بھی کر ڈالا، مسلکی جھگڑوں میں ان کا انکار کیا، اور قاتلانہ حملے بھی کئے، کہیں دین الٰہی یا دین کی باتوں میں تحریف کے خلاف آواز اٹھانے پر قید کیا، کوڑے لگائے اور قتل بھی کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو دو سال ہی میں حق پر چلنے اور حق کو نافذ کرنے سے روکنے کے لئے زہر بھی دیا۔

ایمان قبول نہ کرنے میں حضرت جبرئیلؑ سے دشمنی کا بہانہ:

قُلْ مَن كَانَ عَدُوّاً لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّهِ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِيْنَ o مَن كَانَ عَدُوّاً لِّلّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَالَ فَإِنَّ اللّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِيْنَ o (البقرہ:۹۷۔۹۸)

ترجمہ: (اے پیغمبرؐ!) کہہ دیجئے کہ اگر کوئی شخص جبرئیل کا دشمن ہے تو (ہوا کرے) انہوں نے تو یہ کلام اللہ کی اجازت سے تمہارے دل پر اتارا ہے جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کر رہا ہے اور ایمان والوں کے لئے جس میں ہدایت اور خوشخبری ہے، اگر کوئی شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں اور رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے تو (وہ سن لے کہ) اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

یہود کو جب ایمان کی دعوت دی گئی تو وہ پہلے ہی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور دشمن تھے، ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ پر وحی آتی ہے تو انہوں نے ایمان قبول نہ کرنے کا یہ بہانہ بنایا کہ ہمیں جبرئیل سے دشمنی ہے، وہ ہمارا دشمن فرشتہ ہے اس لئے کہ اس نے ہمیشہ ہماری قوم پر ہلاکت و بربادی اور عذابات لائے ہیں، وہ ہم میں ہونے والی راز کی باتیں محمدؐ کے پاس بیان کرتا ہے، اس لئے ہماری اس سے عداوت ہے، میکائیل رحمت والے ہیں، وہ اگر وحی لاتے تو ہم ضرور ایمان لاتے۔

یہود کی یہ قدیم عادت تھی کہ وہ پیغمبروں میں تو تفریق کرتے ہی تھے، کسی کو مانتے اور کسی کو نہیں مانتے، اسی عادت کے تحت انہوں نے فرشتوں میں بھی تفریق کر رکھی تھی، ان کا کہنا تھا کہ میکائیل سے ان کی دوستی ہے، جبرئیل سے نہیں، یہ ان کا ایک احمقانہ اعتراض تھا۔

حضرت جبرئیلؑ کوئی انسان نہیں، فرشتے ہیں اور انسان کی صفات کے تحت وہ کسی کے خلاف

یا کسی کی ہمدردی میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتے، وہ خواہش اور ذاتی ارادے سے کوئی حکم اور کوئی کام نہیں کر سکتے، اللہ کے حکم کے بغیر زمین پر نہیں آسکتے اور نہ کسی پیغمبر کے پاس جاسکتے ہیں، وہ تو اللہ کے پیغمبر کی حیثیت سے ہر پیغمبر کے پاس وحی لائے، درمیان میں احکام میں کوئی ردو بدل نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ دنیا کے انسانی بادشاہوں کی طرح کوئی مجبور ومحتاج اور غافل نہیں کہ اس کے درباری اس کے احکام کے خلاف بھی کریں، وہ حضرت موسیٰؑ کے پاس بھی تورات کے بہت سے احکام لائے، جب وہ حضرت موسیٰؑ کے پاس آتے تھے تو حضرت محمد ﷺ کے پاس آنے اور وحی لانے پر اعتراض کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو بھی جھٹلایا اور اللہ کو دیکھنے سننے کا مطالبہ بھی کیا، اللہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو جبرئیل کا دشمن ہے اس کا میکائیل بھی دشمن اور اللہ بھی دشمن ہے، ایسے لوگ مؤمن نہیں کافر ہیں۔

ایمان لانے کے لئے جس طرح تمام پیغمبروں پر بغیر تفریق کے ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح فرشتوں پر بھی بغیر تفریق کے ایمان لانا ضروری ہے، قرآن نے یہ تعلیم دی کہ فرشتوں سے دشمنی اور بغض رکھنا جہالت اور بیوقوفی ہے، وہ کوئی کام اللہ کے حکم کے بغیر نہیں کرتے، اللہ کی کوئی ادنیٰ مخلوق بھی نہ کسی کو نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان، ایمان کے شرائط میں ہے کہ فرشتوں کو مانو، ان کا ادب واحترام کرو، اور یہ ایمان رکھو کہ خیر اور شر سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، ان کا یہ بھی اعتراض اور بہانہ تھا کہ اگر قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کا تذکرہ نہ ہوتا تو وہ بھی ایمان لاتے۔

خاص ایام میں عورت کو گندی اور منحوس سمجھا جاتا تھا

مشرکین کی طرح یہود بھی عورت کو ایام ماہواری میں بالکل پلید اور منحوس اور نجس سمجھتے تھے، یہاں تک کہ عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا تک نہیں کھاتے تھے، اس کے ہاتھ سے دیا ہوا پانی بھی نہیں پیتے تھے، اس کے بیٹھنے کی جگہ کو ناپاک سمجھتے، اس کے مخصوص ایام میں اس کے کھانے پینے کے برتن، کپڑے اور بستر کو بھی اچھوت اور ناپاک سمجھ کر اس کو گھر سے دور علاحدہ رکھتے تھے۔

ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت حواؑ نے حضرت آدمؑ کو ممنوعہ پھل کھانے کی ترغیب دی، اس لئے عورت کو شوہر کی غلامی، ماہواری اور حمل کی سزاء ملی، شادی کے بعد دولہن اپنے سر کے بال پورے نکال دیتی ہے اور وِگ کا استعمال کرتی ہے، ان کے نزدیک عورت کے سر کے بال ستر ہیں،

جسے شادی سے پہلے دوسرے لوگوں نے دیکھا ہے، نئے بال صرف شوہر ہی دیکھ سکتا ہے، اگر کسی مرد کی شادی غیر یہودی عورت سے ہوتو پیدا ہونے والی اولاد یہودی نہیں مانتے، بچہ کی ختنہ تیرہ سال بعد کرواتے ہیں، کانوں کے اوپر کے اور داڑھی کے بال لمبے لمبے رکھتے ہیں، کٹوانا حرام سمجھتے ہیں، جمعہ کی رات سے ہفتہ کی مغرب تک کوئی چیز خود پکا کر نہیں کھاتے اور عورت سے مباشرت نہیں کرتے، جمعہ کی مغرب سے پہلے ہی پکا لیتے ہیں۔

شادی کے دن دولہا دولہن روزہ رکھنا اچھا تصور کرتے اور مغرب کے وقت شراب کا پیالہ ہاتھ میں لیکر اللہ سے دعاء کرتے اور ایک دوسرے کو پلاتے ہیں، سڑک پر چلنے میں بہت تیز تیز چلتے ہیں، ان کا یہ تصور ہے کہ سڑک پر دوسری قوموں کے لوگ جو جہنمی ہیں ان سے دور رہنا چاہئے، کسی کو یہودی بننے کی دعوت اب نہیں دیتے، ان کی اولاد ۱۳/سال کی لڑکی، ۱۴/سال کا لڑکا ہونے تک تو رات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، سال میں ایک دن مغفرت کا منا کر سال بھر کے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، دن میں دو مرتبہ عبادت کا تصور رکھتے ہیں، حالانکہ وہ شرک، بے ایمانی، ناانصافی، سود، رشوت، جھوٹ جیسے اخلاق رذیلہ اور کبیرہ گناہ کو گندہ نہیں سمجھتے تھے، آج بھی مشرک قوموں میں ایام ماہواری کے بارے میں یہی تصور ہے، ان کو دیکھ کر آتش پرستوں نے بھی یہود کی طرح یہی عمل اختیار کیا، ان کے برعکس نصاریٰ مخصوص ایام میں عورت سے نفسانی خواہش یعنی صحبت تک کر لیتے۔

ابتداء میں مدینہ کے لوگ جب اسلام قبول کئے تو ان پر بھی یہی اثر پڑا اور وہ بھی یہودیوں کی طرح اپنی عورتوں سے ان ایام میں نفرت کرنے لگے، اسلام نے ایمان والوں کو ان ایام میں بداخلاقی ونفرت سے منع کیا اور ایامِ ماہواری میں صرف مباشرت سے منع کیا، باقی تمام کام اور تعلقات اُسی طرح رکھنے کا حکم دیا جیسے دوسرے ایام میں رکھے جاتے ہیں، اس پر یہود نے شور مچایا کہ محمد (ﷺ) ہمارے ہر عمل کے خلاف حکم دیتے ہیں۔

عورت کی اندرونی حالت کی حفاظت کے لئے، مسلم علماء نے حالت روزہ میں ماہواری آنے پر اپنی حالت کو گھر والوں سے چھپانے اور روزہ دار جیسی حالت ہی اختیار کرنے کی تعلیم دی، تاکہ شرم وحیاء باقی رہے اور گھر کے دوسرے مردوں کو پتہ نہ چلے، سب کے سامنے کھانے پینے سے منع کیا، جب اسلام نے مسلمانوں کو ایامِ ماہواری میں خاص ہدایات دے کر عورت کے ساتھ حسنِ سلوک اور عزت دار برتاؤ کا حکم دیا تو یہودیوں نے واویلا مچایا کہ یہ کیسا نبی ہے جو ہمارے پورے

اعمال کے خلاف حکم دیتے ہیں، اور ہم نے جن جن چیزوں کو ناجائز کیا تھا' ان کو جائز کر رہے ہیں۔

روزے کے احکام میں من مانی تبدیلیاں کیں

اللہ تعالیٰ نے جس طرح امت محمدیہ پر روزے فرض کئے اسی طرح پچھلی قوموں پر بھی روزے فرض کئے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو ۳۰ ردنوں کے ساتھ کوہِ طور پر بلایا تھا، یہود کے روزوں کا وقت اور ان کی صحیح تعداد نہیں معلوم، نصاریٰ کے روزے چونکہ مختلف مہینوں میں آتے تھے اور انہیں گرمی سردی برداشت کرنا پڑتا تھا، تجارت اور معاش پر اثر پڑتا تھا، تو ان کے مذہبی پیشواؤں نے مل کر روزوں کے لئے معتدل مہینے کا انتخاب کر کے عوام کو انہی دنوں میں روزہ رکھنے کی تعلیم دی، عام طور پر وہ ۴۰ ردن روزہ رکھتے ہیں، اللہ کے احکام کے خلاف ان روزوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے انہوں نے اپنی طرف سے دس روزوں کا اضافہ کرلیا، نصاریٰ کے روزے افطار کر لینے کے فوراً بعد پھر دوسرا روزہ سونے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے، وہ افطار کے بعد مزید پھر کچھ نہیں کھا سکتے تھے، اور ان کو روزوں کے ایام کی راتوں میں اپنی بیویوں سے علاحدہ رہنا یعنی صحبت کرنا منع تھا۔

مشرکین مکہ نے بھی حج کے مہینوں کو قمری مہینوں سے بدل کر شمسی مہینوں کے حساب سے کر دیا تھا، تاکہ ان کی سہولت کے مہینہ میں حج ہو، یہود دس محرم کو فرعون سے نجات کے شکرانے اور اس کی یاد میں اور اپنی قوم کے مصیبت سے چھٹکارا پانے کے بعد کے ایام میں بطور شکرانہ روزہ رکھتے تھے۔

شروع شروع میں امت مسلمہ کو بھی یہی حکم تھا کہ افطار کے بعد سونے کے ساتھ ہی روزہ شروع ہو جاتا اور بیوی سے صحبت کرنے کی اجازت نہیں تھی، جب صحابہؓ اس کو برداشت نہ کر سکے تو اللہ نے سہولت پیدا کر کے صبح صادق سے غروبِ آفتاب کے درمیان روزہ کے اوقات رکھے اور راتوں میں بیوی سے صحبت کی اجازت دے دی۔

مسلمانوں کی کثیر تعداد نے شریعت کے احکام میں تو تبدیلی نہیں کی، مگر وہ پانچ وقت کی نماز کے مقابلہ صرف جمعہ کی دو رکعت کا اہتمام کر لیتے ہیں، پردے کی اوٹ سے کوئی چیز مانگنے کا حکم ہے، ماڈرن طبقہ نے چہرے کا پردہ مناسب خیال نہ کر کے صرف اسکارف پہننے کا طریقہ اختیار کر لیا اور کھلے چہرے کے ساتھ پھرتے ہیں، حالانکہ عورت کی آنکھ، ناک، منہ اور ہونٹوں ہی سے خوبصورتی کا اندازہ لگایا جاتا ہے، حرام مال نہ کھانے کی شریعت نے سختی سے تاکید ہے، مگر لڑکی سے

شادی کے وقت مہر ادا کرنے کے بجائے مہر کو ادھار رکھ کر لڑکی سے شریعت کے خلاف ڈوری تلک کے نام پر پیسہ لیکر سامانِ جہیز کا مطالبہ کر کے نکاح کرتے ہیں، حرام مال واپس کئے بغیر بس دل کو بہلانے کے لئے توبہ کر لیتے ہیں، اور توبہ کے بعد جیسے پہلے تھے پھر ویسے ہی رہتے ہیں، گناہ نہیں چھوڑتے، توبہ کے ذریعہ اللہ سے مذاق کرتے رہتے ہیں۔

نئے مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور شک میں مبتلا کرنے کا طریقہ

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوْا بِالَّذِیْ أُنزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ٥ (آل عمران: ۷۲)

ترجمہ: اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ جو کلام مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آؤ، اور دن کے آخری حصہ میں اس سے انکار کر دینا، شاید اس طرح مسلمان (بھی اپنے دین سے) پھر جائیں۔

قرآن نے یہود کے اس طرزِ عمل کو پیش کر کے مسلمانوں کو ہوشیار کیا کہ وہ امت کے نئے افراد میں شک اور گمراہی پیدا کرنے کے لئے صبح کو ایمان لا کر مسلمان بنتے اور پھر شام کو مختلف اعتراض کر کے ایمان سے پھر جاتے، شام کو ایمان لاتے پھر دوسرے دن ایمان کا انکار کر دیتے، اس سے ان کا یہ مقصد ہوتا کہ جو لوگ نئے نئے ایمان لانے والے ہیں یا ان کی قوم کے جو لوگ ایمان لا رہے ہیں ان کے اس عمل سے اسلام کے سچا ہونے میں شک وشبہ پیدا ہو جائے اور اسلام سے پھر جائیں، یا وہ لوگ جو اسلام کے لئے اپنے اندر نرم گوشہ پیدا کر کے محمد (ﷺ) پر اعتماد کر رہے ہیں وہ بھی دور رہیں۔

اسلام کی وہ باتیں جو تورات اور قرآن میں مشترکہ ہیں اگر یہ منافق اپنے فائدوں کے لئے مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے تھے تو ان کو اپنی محفلوں میں واپس آنے کے بعد سختی سے ڈانٹتے تھے، اور کہتے تھے کہ تم مسلمانوں سے وہ سب باتیں کیوں بیان کر رہے ہو، ورنہ مسلمان ہم پر حجت قائم کر دیں گے اور ہم پر اللہ کے پاس حجت قائم ہو جائے گی، گویا وہ اللہ کو سمیع، بصیر، علیم وخبیر ہی نہیں سمجھتے تھے، اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ اسلام جو تورات کی مشترکہ باتیں پیش کر رہا ہے وہ پھیلنے نہ پائیں، اور اسلام کا پھیلنا رُک جائے، نئے ایمان قبول کرنے والوں کو گمراہ اور شک میں مبتلا کرنے کے لئے غیر ضروری اعتراضات اور تنقیدیں بھی کرتے تھے، مثلاً محمد (ﷺ) پیغمبر ہیں تو

مشورہ کیوں لیتے ہیں؟ جنگ احد میں شکست کیوں ہوئی؟ زخمی کیوں ہوئے؟ مکہ میں ستائے کیوں گئے؟ چھپ کر ہجرت کیوں کی؟

آج بھی یہود و نصاریٰ کی مختلف تنظیمیں یہ فتنے دوسری شکلوں میں برپا کئے ہوئے ہیں، وہ سیاسی حالات میں یا مسلمان بن کر اختلافات پیدا کرتے ہیں، چنانچہ خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں عبداللہ بن سباء منافق نے ظاہری مسلمانیت سے خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کروایا، اختلافات پیدا کروایا، یہ کام آج بھی جاری ہے، ان کے ایجنٹ ساری دنیا میں منافق بن کر احادیث اور قرآن کی تشریحات میں غلط بیانی سے یا جھوٹی احادیث سے اختلافات اور انتشار پیدا کر رہے ہیں، اس سے ان کا مقصد اسلام کو پھیلنے سے روکنا اور دین کو مٹانا ہوتا ہے، اپنی نشر گاہوں، اخبارات، غلط لٹریچر کے ذریعہ اسلام کی غلط تصویر پیش کرتے ہیں، بے دین مسلمانوں کو ٹی وی پر لاکر ان سے اسلام کے قانون کے خلاف بات کرواتے ہیں اور ان کی بعض قوانین سے بیزاری ظاہر کرواتے ہیں، انہوں نے قرآن مجید کے مقابل میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ''الفرقان'' نامی کتاب بھی شائع کی ہے۔

بنی اسرائیل نے کتاب الٰہی کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا تھا

وَلاَ تَشْتَرُواْ بِآيَاتِي ثَمَناً قَلِيلاً وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ○ (البقرہ: ۴۱)

ترجمہ: اور میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لیکر نہ بیچو! اور (کسی اور کے بجائے) صرف میرا خوف دل میں رکھو۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا کی زندگی کا ضابطہ و قانون سمجھانے کے لئے ہر زمانہ میں وحی کے ذریعہ ہدایت نازل کی، تاکہ انسان کتابِ الٰہی کی روشنی میں اپنی زندگی گذار سکے اور کتابِ الٰہی کو سمجھانے کے لئے پیغمبروں کے بعد علماء کو ان کا وارث بنایا، مگر جب علماء سوء دنیا کی چمک دمک اور دولت کے دیوانے بن جاتے ہیں اور دین کے علم کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیتے ہیں تو وہ کتاب الٰہی سے فائدہ صرف دنیا کمانے کا حاصل کرتے ہیں۔

دین کو جب کاروبار اور پیشہ بنالیتے ہیں اور دین' دنیا کے کاروبار کی طرح ایک پیشہ اور تجارت بن جاتا ہے، اس کے بعد علماء سوء کی نگاہیں تمام تر عوام کی سدھار کے بجائے ان کی جیب پر

جم جاتی ہیں، اور وہ زبان سے دولت بٹورنے کے لئے دولتمندوں کی گود میں بیٹھ جاتے ہیں اور عوام کے مطلب و مرضی کے مطابق کتاب کے احکام کو تاویلات کے ذریعہ احکامِ الٰہی سے بچنے کے طریقے سکھاتے ہیں اور بہانے بنا کر خود بھی احکام الٰہی سے ہٹ کر فسق و فجور کی زندگی میں مبتلا رہتے ہیں، وہ دین کی بظاہر خدمت کے نام پر اپنی دُکانداری چلاتے ہیں، اور اپنی عوام میں مقبولیت، عزت اور عیش و آرام کے لئے دولت مند لوگوں سے چمٹے رہتے ہیں اور ہمیشہ اہل حق کی تائید نہ کر کے ان کو گمراہ اور باطل کہتے ہیں اور باطل کی تائید کر کے ان کو صحیح کہتے ہیں، باطل کا ساتھ دیتے ہیں تا کہ ان کی دُکانیں بند نہ ہو جائیں اور شہرت چودراہٹ ختم نہ ہو جائے۔

یہی حال بنی اسرائیل کے علماء سوء کا ہو گیا تھا، وہ کتاب الٰہی کی صاف صاف باتیں جو محمد (ﷺ) اور قرآن کی تائید اور نشانیوں کی تھیں اور توحید و آخرت کی تھیں ان کو غلط طریقوں سے سمجھا کر یا چھپا کر مشرکین مکہ کی تائید کی اور محمد (ﷺ) و اسلام کی مخالفت کرتے رہے اور کتاب الٰہی کو دنیا کے چند معمولی ٹکوں کی خاطر دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا تھا، کتاب الٰہی سے عوام کو زندگی کی ہدایت و رہنمائی کرنے کے بجائے اس کو جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈوں اور چھو چھا کی کتاب بنا ڈالا، اور عوام کو دیوانہ بنا کر اپنے اطراف جمع رکھتے تھے۔

بہت سی باتیں کتاب الٰہی سے ہٹ کر اپنے ذہن و دماغ سے لکھ کر اُسے خدا کی طرف سے کہتے اور عوام کی مرضی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، تاویلات مثلاً ہفتہ کو مچھلی نہ پکڑنے کا حکم تھا، گڑھے کھود کر مچھلی کو روک کر دوسرے دونوں میں پکرنا سکھایا، سود کو تجارت کہہ کر شکلیں بدل کر احکام کی خلاف ورزی کروائی، بابل سے نکلنے کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی بعثت تک یہود نے فرشتوں سے علم سحر سیکھ کر اس کو ایک قومی فن بنالیا تھا اور پھر اس سے بچنے اور حفاظت کے بجائے اس کو شر میں استعمال کرنا شروع کر دیا، میاں بیوی میں جدائی ڈالنے، جھگڑے پیدا کرنے اور نوجوان عورتوں کو اپنی طرف راغب کرنے کا کام شروع کر دیا تھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے دلائل کے ساتھ دعوتِ دین کو سمجھنے کے بجائے نبی پر ہی جادو کا وار کیا مگر ناکام رہے۔

جب لوگوں کے ذہنوں میں تعویذ گنڈوں اور جھاڑ پھونک کی اہمیت بیٹھ جائے تو وہ کتاب الٰہی پر سے نظریں ہٹا لیتے ہیں، اور توحید سے شرک میں مبتلا ہو کر اللہ سے رجوع نہیں ہوتے، اسباب سے نفع و نقصان کا عقیدہ بنا لیتے ہیں، جب انسان کو سفلی علوم سے چمتکار نظر آتا ہے تو وہ

کتاب آسمانی سے نہ دلچسپی رکھتا ہے اور نہ ہدایت حاصل کرنے کی فکر پیدا کرتا ہے، بعض اہل حق یہود کے ان علماء پر جادو ٹونا چھو چھا، جنتر منتر، تعویذ گنڈوں پر اعتراض کرتے کہ آسمانی علوم رکھ کر اہل کتاب ہو کر یہ کیا ڈھونگ رچا رہے ہو؟ دین الٰہی کے ذریعہ عوام کو اللہ سے جوڑ کر صحیح رہنمائی کرنے کے بجائے جادو اور جھاڑ پھونک سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رہے ہو؟ تو انہوں نے اپنے عیب اور کمزوری کو چھپانے کے لئے حضرت سلیمانؑ پر جھوٹا الزام لگایا کہ وہ جادو کے علم سے ہی حکومت کرتے تھے، اس سے ان کی پیغمبری میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا، اللہ نے صاف طور پر ان کے اس الزام کی نفی کر دی، اللہ نے بنی اسرائیل کے علماء کے اس عمل کو پیش کر کے امت مسلمہ کو یہ سبق دیا کہ وہ کتاب الٰہی کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنائیں اور لوگوں کو تعویذ گنڈوں اور جھاڑ پھونک کا عادی نہ بنائیں بلکہ کتاب اللہ سے جوڑیں اور کتاب پر عمل کرنے کی تعلیم دیں، اسی میں برکت اور کامیابی کا احساس دلائیں، مگر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایمان کے کمزور ہونے، قرآن کو صرف برکت کے لئے پڑھتی ہے، اس کی آیات اور سورتوں کا وِرد دنیا کے نفع کمانے، مردوں کو تکلیف سے بچانے، جنات وشیاطین کو بھگانے کے لئے کرتی ہے۔

کتاب کے ساتھ مذاق یہ ہے کہ وہ خود تلاوت نہ کر کے کرایہ پر لوگوں کو لا کر تلاوت کرواتے ہیں، اس کو سمجھنے اس کی آیات پر غور وفکر کرنے کی کبھی نہ کوشش کرتے اور نہ فکر رکھتے ہیں، مساجد میں بہت کم کتاب الٰہی کے دروس ہوتے ہیں ان کے حفاظ کی بڑی تعداد زندگی بھر بغیر سمجھے ہی تلاوت کرتی ہے، رمضان میں بڑے پابندی کے ساتھ تراویح میں ہر سال بڑی بڑی رقمیں لے کر قرآن سناتے ہیں، مسلمان بھی قرآن سنتے ہیں مگر عمل بہت کم کرتے ہیں۔

یہود رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھ کر شرارتیں کرتے تھے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ o (البقرہ:۱۰۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! (نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر) رَاعِنَا مت کہا کرو، اور اُنْظُرْنَا کہا کرو اور سنا کرو، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

پیغمبروں کا ادب واحترام ان کے پاس نہیں تھا جس طرح وہ دوسرے پیغمبروں کے ساتھ

بے ادبی و بدتمیزی کرتے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتے، رسول ﷺ کی مجالس میں دکھاوے کے لئے منافقانہ ذہن کے ساتھ شریک ہوتے، اصلاح اور ہدایت لینے نہیں آتے تھے، بلکہ دورانِ گفتگو حضور اکرم ﷺ کی کسی بات کی تفصیل معلوم کرنے کیلئے لوگ رَاعِنا کہتے، اس کے معنیٰ ہیں ہماری رعایت کیجئے، بات کو سمجھنے دیجئے، مگر یہ لفظ عربی اور عبرانی دونوں زبانوں میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ مختلف معنیٰ میں بولا جاتا تھا، یہود شرارت سے اس لفظ کو زبان موڑ کر رَاعِیْنَا کہتے، جس کے معنیٰ ''ہمارے چرواہے'' کے ہیں، عربی زبان میں اس طرح بولنے سے اس کے معنیٰ یوں ہوتے کہ ''سن! تو تو بہرا ہو جائے''، اللہ تعالیٰ نے آدابِ مجلس نبوی میں یہ لفظ استعمال کرنے سے منع فرما دیا، اس کے بجائے اُنْظُرْنَا کہنے کی تعلیم دی۔

ان کا یہ حال تھا کہ جب حضور اکرم ﷺ کی محفل میں بیٹھتے اور احکامِ الٰہی سنتے تو بلند آواز سے کہتے ''ہم نے سن لیا'' اور آہستہ کہتے ''ہم نے قبول نہیں کیا''، زبان کو لچکدار بنا دیتے، یا ذو معنیٰ الفاظ استعمال کرتے، جس کے معنیٰ ہوتے کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں کوئی کچھ سنائے، یا خدا کرے کہ تم بہرے ہو جاؤ۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں آتے تو ''سام علیکم'' کہتے، جس کے معنیٰ ہیں ''تم پر موت آئے''، حضور اکرم ﷺ اس کا جواب ''وعلیکم'' کہہ کر دیتے، جس کے معنیٰ ہوتے ''اور تم پر بھی''، حضرت عائشہ صدیقہؓ اندر سے غصہ ظاہر کرتیں تو حضور اکرم ﷺ انہیں سمجھاتے کہ عائشہ! غصہ مت کرو، میں نے اس کی بددعاء اس پر واپس کر دی ہے۔

آج بھی پیغمبر اسلام ﷺ کے تعلق سے یہود وقفہ وقفہ سے کارٹون بناتے ہیں، حالانکہ انہی میں کے ایک سمجھ دار شخص مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب ''دی ہنڈریڈ'' یعنی 'سو عظیم شخصیات' میں پیغمبر اسلام ﷺ کو نمبر ایک مقام پر اور اپنے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کو تیسرے مقام پر رکھا ہے، مغرب کے سنجیدہ لوگ آج بھی رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو پڑھ کر متاثر ہو رہے ہیں، ان کے مؤرخین نے رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی مخالفت اور غلط پروپیگنڈہ کرنے اور اپنی قوم کو اسلام سے دور رکھنے کے لئے مختلف قسم کا غلط لٹریچر شائع کیا، یہ لوگ اپنی محفلوں میں مسلمانوں کو لٹیرے، قاتل اور عورتوں پر ظلم کرنے والے، دہشت گرد، جاہل اور کعبہ کو پوجنے والے بتاتے ہیں، اور مختلف حربے استعمال کر کے اپنی قوم کو مسلمانوں سے نفرت دلاتے ہیں۔

بنی اسرائیل نسل پرستی کا شکار ہو کر دو فرقوں میں بٹ گئے

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّورَاةُ وَالإِنجِيْلُ إِلاَّ مِن بَعْدِهِ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ o هَـأَنتُمْ هَـؤُلاَءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُم بِهِ عِلمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَاللّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ o مَا كَانَ إِبْرَاهِيْمُ يَهُودِيّاً وَلَا نَصْرَانِيّاً وَلَكِن كَانَ حَنِيْفاً مُّسْلِماً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ o (آل عمران: ۶۵تا۶۷)

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی تو نازل ہوئی تھیں، کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے؟ دیکھو! یہ تم ہی تو ہو جنہوں نے ان معاملات میں اپنی سی بحث کر لی ہے جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا، اب ان معاملات میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تمہیں سرے سے علم ہی نہیں ہے،؟ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی؛ بلکہ وہ تو سیدھے سادے خالص مسلمان تھے اور شرک کرنے والوں میں کبھی شامل نہیں تھے۔

بنی اسرائیل پر جب دین ابراہیمی کا غلبہ کم ہو گیا تو ان پر آہستہ آہستہ نسل پرستی کا بھوت سوار ہو گیا، پھر انہوں نے اپنے آپ کو مسلم کہلانے کے بجائے یہودی یا نصرانی کہلانا شروع کر دیا، اور اپنا نام مسلم تک بھول گئے، اور دو علاحدہ فرقوں میں بٹ گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ وہ پکے مسلم تھے، اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کا نام مسلم رکھا تھا، اور وہ خود اپنے آپ کو مسلم کہتے تھے، اسی طرح اللہ نے حضرت یعقوبؑ کو اسرائیل کا لقب دیا، جس کے معنیٰ ہیں اللہ کا بندہ، اور قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کو بنی اسرائیل کے نام سے پکارا، مگر یہ لوگ حضرت یعقوبؑ کا یہ نام بھی بھول گئے اور اپنے آپ کو یہودی یا نصرانی کہلانا پسند کیا، حالانکہ نسلی نام رکھنا تھا تو ابراہیمی، اسحاقی، یعقوبی رکھ سکتے تھے، مگر یہود نے حضرت یعقوبؑ کے ایک بیٹے یہودا تھے، ان کے نام سے یہودی کہلانے لگے، جیسے اس زمانے میں لوگ صدیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی، قادری، چشتی، قاسمی وندوی وغیرہ لقب رکھ کر فخر کرتے ہیں۔

نصرانیت حضرت مسیحؑ کے بعد ان کی والدہ محترمہ حضرت مریمؑ کے متعلق عقائد میں غلو کر کے ظہور میں آئی، یہود کو دین ابراہیمی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ان کی یہودیت دینِ ابراہیمی سے مرتد

ہونے کے بعد وجود میں آئی۔

حضرت ابراہیمؑ کی تعظیم یہود و نصاریٰ اور مسلمان تینوں کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت جب یہود و نصاریٰ کو دین اسلام کی دعوت دی گئی تو یہود نے کہا کہ ابراہیمؑ یہودی تھے، نصاریٰ نے کہا کہ وہ نصرانی تھے، مشرکین نے کہا وہ ہمارے پیشوا تھے اور مشرک تھے، قرآن نے اسلاف پرستی کے مرض میں گرفتار لوگوں سے خطاب کر کے دریافت کیا کہ کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوبؑ کی موت کا وقت قریب آیا؟ جب وہ دنیا چھوڑ کر جا رہے تھے اور اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی بندگی کرو گے؟ بیٹوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے جو آپ کے والد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق (علیہم السلام) کا بھی معبود ہے، (بس اسی ایک معبود کی عبادت کریں گے) اور ہم سب اسی کے مسلم (فرمانبردار) بنے رہیں گے۔

یہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ کی مشترکہ وصیت کا بیان ہے، کسی نے یہ نہیں کہا اور نہ ان کے باپ دادا یا کسی اور پیغمبر نے یہ وصیت نہیں کی کہ تم یہودی یا نصرانی بن کر رہو، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ کی اس وصیت سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اصل اسلام ہی تھا۔

رُوئے زمین پر جتنے مذاہب وادیان وجود میں آئے ہیں وہ دین ابراہیمی کو پھاڑ کر روگردانی کرنے کے بعد آہستہ آہستہ وجود میں آئے ہیں، ہر پیغمبر کے دنیا سے چلے جانے کے بعد دین کی شکل کو بگاڑ دیا گیا، سچائی اور حق بہت ساری باتیں اگر باطل ادیان میں ہیں تو یہ سب اسی سے چرائی گئی ہیں، جب بندہ، بندہ کو رب بنالیتا ہے اور مخلوق ہی آپس میں عبد و معبود بن جائے تو اسلام بجائے اسلام کے بہت سے ناموں سے مشہور ہو گیا، اس طرح کئی مذاہب وجود میں آ گئے۔

کیا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ و اسحاقؑ کی اولادیں یہودی و نصرانی تھیں؟

قرآن مجید نے ان سے دریافت کیا کہ کیا ابراہیم و اسماعیل اور اسحاق و یعقوب کی اولاد میں کوئی بھی یہودی یا نصرانی مذہب رکھتا تھا تو دعویٰ پیش کرو، مگر کوئی ہمت نہ کر سکا، سب خاموش رہے، یہ تمام انبیاء دین اسلام کے پیرو تھے، قرآن نے یہود و نصاریٰ کو یہ بھی سمجھایا کہ تورات اور انجیل کا نزول تو ابراہیم و اسحاق اور یعقوب کے بہت عرصہ بعد ہوا، دونوں کتابوں میں تحریف کر کے تم لوگوں نے یہودیت و نصرانیت اختیار کر لی، یہودیت و نصرانیت کا تعلق ابراہیم، اسحاق اور یعقوب سے ہرگز نہیں ہے، سب کے سب خاموش رہے۔

مشرکین سے کہا کہ تم کتاب ہی نہیں رکھتے، صرف نسل کی بنیاد پر حضرت ابراہیمؑ سے نسبت رکھ کر ان کو مشرک کہتے ہو، حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے اور نہ مشرک، وہ تو مسلم تھے، آخر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ کیوں جھگڑتے ہو؟

آج پوری دنیا میں یہوڈ یہودیوں کے نام سے اور عیسائی نصرانیوں کے نام سے مشہور ہوگئے ہیں، ان کا مسلم نام گم ہوکر رہ گیا ہے، موجودہ زمانہ میں مسلمان بھی حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، دیوبندی و بریلوی کہلانے کو فخر سمجھتے ہیں، یہ لوگ بھی اپنے آپ کو مسلم کہنے کو بھول گئے، یہودیوں نے یہودا کے نام سے نسل پرستی کے اظہار کے لئے یہودی کہنا پسند کیا، اب اپنے آپ کو وہ بنی اسرائیل نہیں کہتے، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کے زمانے سے آج تک ان کو پھر دین ابراہیمی میں آنے کا موقع تھا اور ہے، مگر وہ نہیں آنا چاہتے۔

بزرگوں اور ولیوں سے سفارش اور دوزخ سے بچانے کا تصور

وَاتَّقُواْ يَوْماً لاَّ تَجْزِىْ نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئاً وَلاَ يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلاَ يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلاَ هُمْ يُنصَرُونَ o (البقرہ:۴۸)

ترجمہ: اور (اے بنی اسرائیل!) ڈرو اس دن سے جس دن کوئی شخص بھی کسی کے کام نہیں آئے گا، نہ کسی سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ کسی سے کسی قسم کا فدیہ لیا جائے گا اور نہ کوئی مدد پہنچے گی۔

وَقَالُواْ لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلاَّ أَيَّاماً مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللّهِ عَهْداً فَلَن يُخْلِفَ اللّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ o بَلَى مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ o وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ أُولَـئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ o (البقرہ: ۸۰تا۸۳)

ترجمہ: اور یہودیوں نے کہا کہ ہمیں گنتی کے چند دن کے علاوہ آگ ہرگز نہیں چھوئے گی، آپ ان سے کہئے کہ کیا تم نے اللہ کی طرف سے کوئی عہد لے رکھا ہے جس کی بناء پر وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا یا تم اللہ کے ذمہ وہ بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں کچھ پتہ نہیں؟ (آگ تمہیں) کیوں نہیں (چھوئے گی)؟ جو لوگ بھی بدی کماتے ہیں اور ان کی بدی انہیں گھیر لیتی ہے تو ایسے لوگ ہی دوزخ والے ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو

وہی جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل کتاب خاص طور پر یہود اپنے آپ کو پیغمبروں اور ولیوں کی اولاد سمجھتے ہیں، کہتے ہیں کہ وہ دوزخ میں نہیں جائیں گے، اور اگر گئے بھی تو چند دن ہی رہ پائیں گے' کیونکہ ان کے بزرگ سفارش کر کے انہیں جہنم سے نکال لیں گے، دوزخ غیر بنی اسرائیل اور غیر یہودیوں کے لئے ہے۔

ان کی کتابوں میں اتنی زیادہ تحریف کر دی گئی جس میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیمؑ دوزخ پر تشریف رکھتے ہوں گے اور کسی اسرائیلی کو اس میں گرنے نہیں دیں گے۔

(تلمود:۹۰۵،ڈاکٹر گوہن)

کہتے ہیں کہ جہنم کی آگ کو اسرائیلی گناہ گاروں پر کوئی قدرت حاصل نہ ہوگی، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی نسلوں میں سے ہیں، ہمارے جسموں میں حضرت ابراہیمؑ کے اجزاء منتقل ہوتے آرہے ہیں، اس لئے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی' ہمیں بھی دوزخ کی آگ نہ چھو سکے گی، اگر دوزخ میں گئے بھی تو ہمارے اولیاءؑ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے فوراً نکال لیں گے، گویا وہ اللہ کے دربار کو بھی دنیا کے انسانی بادشاہوں کا دربار تصور کرتے ہیں' جہاں بادشاہ کے مقرب چمچے درباری اپنے اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور اقرباء کو دباؤ ڈال کر اور رشوت دے کر چھڑا لیتے ہیں، اس تصور کی وجہ سے وہ اللہ کے پاس جواب دینے اور آخرت کے عذاب اور سزاء سے بے فکر ہو گئے اور کتاب الٰہی سے لاپرواہ ہو کر اپنے آپ کو گناہوں کے دلدل میں پھنسا لیا اور دنیا کو گناہوں کا جنگل بنا دیا۔

ان کے علماء سوء نے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ان کو اسی طرح کی جھوٹی تسلیاں دے کر انہیں گمراہ کیا اور احساس دلایا کہ تم پیغمبروں اور ولیوں کی اولاد ہو، عمل کرو یا نہ کرو ہر حال میں' اگر دوزخ میں ڈالے بھی گئے تو فوراً نکال لئے جاؤ گے، جنت صرف اور صرف تمہارے ہی لئے بنائی گئی ہے، جب کسی بھی انسان کو بغیر عملِ صالح کے نجات کا احساس دلایا جائے تو وہ عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتا، ایسی صورت میں عوام کتابُ اللہ پر عمل کرنا چھوڑ دیتی ہے، کہ خواہ مخواہ اللہ کی اطاعت کر کے زندگی میں تکالیف کیوں اٹھائیں' جبکہ ہم کو آگ میں جلنا ہی نہیں ہے، ایسے لوگ گناہ کر کے نڈر بنے رہتے ہیں، اسی وجہ سے ان کی پوری تاریخ نافرمانیوں اور بداعمالیوں سے بھری پڑی ہے۔

دوسری طرف عیسائی پیشواؤں نے لوگوں کو یہ احساس دلا دیا کہ حضرت عیسیٰؑ تمہارے

گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے خود کو سولی پر چڑھا لیا ہے، ذرا غور کیجئے! گناہ کوئی کرے اور سزاء اور کفارہ دوسرا ادا کرے، جبکہ گناہ کرنے والوں کو گناہ کے بُرے ہونے کا احساس ہی پیدا نہیں ہو رہا ہے یا وہ گناہ کو گناہ جانتے ہوئے مزے کی خاطر مسلسل گناہ ہی کر رہا ہے، اس طرح لوگوں کو اللہ کا باغی اور نافرمان بنانے میں ان کے بگڑے ہوئے علماء ذمہ دار ہیں، آج بھی ان کا عقیدہ یہی ہے، قرآن نے ان کے بزرگوں کی شفاعت کے عقیدہ کو مختلف مقامات پر جھوٹ اور غلط قرار دیا ہے اور اس کی سند پوچھی، اور ان کو احساس دلایا کہ اللہ کے پاس نسل، خاندان اور قوم کی بنیاد پر نجات نہیں ہوگی؛ بلکہ صحیح ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہی نجات کا دارومدار ہے۔

قرآن نے بتلایا کہ حضرت عیسیٰؑ کو سولی ہی نہیں ہوئی، وہ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے، نہ وہ خدا کے بیٹے ہیں اور نہ قتل کئے گئے ہیں، اس لئے کفارہ کا تصور ہی غلط ہے، قرآن انسانوں کو یہ بھی تعلیم دی کہ کوئی انسان کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، وہاں نفسا نفسی کا عالم ہوگا، اولاد ماں باپ سے دور بھاگے گی، سب کو اپنی اپنی زندگی کا حساب دینا ہوگا۔

اسلامی تعلیمات میں یہ ہے کہ ایمان والا اگر گنہگار ہو تو بقدر گناہ دوزخ میں سزاء ہو سکتی ہے، سزاء پوری ہونے کے بعد اُسے جہنم سے نکال لیا جائے گا، جو لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے یعنی کفار و مشرکین اور منافقین ان کے لئے دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ جلنا ہی ہے، ان کا چند دن سزاء پانے کے بعد وہاں سے نکلنا ناممکن ہے اور یہ ان کا غلط تصور ہے۔

قیامت کے دن اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت و سفارش نہیں کر سکے گا، یہودی حضرت عیسیٰؑ و انجیل اور حضرت محمد ﷺ اور قرآن کا انکار کرنے کے بعد کافر ہو گئے، نصاریٰ حضرت محمد ﷺ اور قرآن کا انکار کرنے کے بعد کافر ہو گئے، یہ دونوں مومن باقی نہیں رہے، اس لئے ان کا دعویٰ جھوٹا ہے، آج بھی نصاریٰ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مان کر خاص پانی میں غوطہ لگانے سے گناہ دُھل جاتے ہیں، پیشواؤں کی طرف سے گناہ معاف کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور عیسائی جنت کے حقدار ہو جاتے ہیں، یہ ایک غلط خیال اور تصور ہے، ان دونوں کے پاس نجات صحیح ایمان اور اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر ہونے کا تصور ہی نہیں؛ بلکہ خاندان، حسب و نسب اور نسبت پر ہونے کا تصور ہے، جو بالکل غلط اور غیر اسلامی ہے، اس تصور پر وہ کوئی سند نہیں بتلا سکتے، یہ صرف ان کا اپنا وہم و گمان ہے۔

بالکل یہی حال امت مسلمہ کے بگڑے ہوئے علماء کا ہے، وہ لوگوں کو حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی ذات سے خوب محبت رکھنے اور بزرگوں کا دامن پکڑے رہنے کی تعلیم دیتے ہیں، چاہے عمل کرو یا نہ کرو، کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہو، امت محمدیہ ہونے کی حیثیت سے معافی مل جانے کا تصور دیتے ہیں، لوگوں کو اعمالِ صالحہ اختیار کرنے اور کتاب اللہ کے مطابق زندگی گذارنے اور صحیح توبہ سے دور کر رکھا ہے، اور وحیٔ الٰہی پر عمل کی اہمیت ختم کر دی، اور لوگوں کو بزرگوں اور ولیوں سے غلو کروا کر بدعات کا عادی بنا دیا، مسلمانوں کو توحید کے ساتھ شرکیہ عقائد و اعمال میں مبتلا کر دیا ہے۔

یہود آپس میں حق کو چھپانے کی تاکید کرتے تھے

وَإِذَا لَقُواْ الَّذِيْنَ آمَنُواْ قَالُواْ آمَنَّا وَإِذَا خَلاَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوْا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ o أَوَلاَ يَعْلَمُونَ أَنَّ اللّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ o (البقرہ:۷۶،۷۷)

ترجمہ: اور جب یہ لوگ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو پہلے ایمان لا چکے ہیں تو (زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں، اور جب یہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں جاتے ہیں تو (آپس میں) کہتے ہیں کہ 'کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں؛ تاکہ یہ (مسلمان) تمہارے پروردگار کے پاس جا کر انہیں تمہارے خلاف دلیل کے طور پر پیش کریں؟ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں؟' کیا یہ لوگ (جو ایسی باتیں کرتے ہیں) یہ نہیں جانتے کہ اللہ کو ان ساری باتوں کا خوب علم ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں؟

یہودیوں میں بعض لوگ جو منافق بن کر مسلمانوں میں رہتے وہ مسلمانوں کو خوش کرنے اور ان کے دل میں جگہ پیدا کرنے کے لئے تورات اور دوسری مقدس کتابوں میں حضور اکرم ﷺ کی جو نشانیاں اور بشارتیں بیان کی گئی ہیں ان کو بتاتے اور تخلیہ میں جب اپنے یہودیوں سے ملتے تو ڈانٹ کھاتے کہ یہ کیا بیوقوفی کر رہے ہو کہ مسلمانوں کو وہ باتیں کیوں بتاتے ہو جو ہماری مقدس کتابوں میں ہیں، یہی دلائل مسلمان جب ہمارے سامنے پیش کر کے ہمیں قرآن اور پیغمبر پر ایمان لانے کے لئے بطور دلیل اور حجت کے پیش کریں گے تو ہم ان کا انکار نہیں کر سکتے، قرآن نے کہا کہ ظالمو! دنیا میں حق کو چھپا کر اور سچائی پر پردہ ڈال کر مرو گے تو کیا اللہ کو اس کا علم نہیں ہوگا؟ ان کی یہ خفیہ

باتیں مؤمنوں کو وحی کے ذریعہ بتلادی گئیں۔

امت مسلمہ میں بھی مختلف گروہوں کے لوگ غیر مسلموں کے ساتھ مل کر منافق کا رول ادا کرتے اور ان کے رنگ میں رنگ کر اسلامی احکام کی مخالفت کرتے اور تنقیدیں کرتے اور دوسرے کے مخبر بن کر امت مسلمہ کے راز اُن تک پہنچاتے ہیں، یہ لوگ حق کو ظاہر کرنے اور باطل کی مخالفت کرنے کے بجائے باطل کا ساتھ دیتے ہیں اور ان سے عہدہ، کرسی اور دولت حاصل کر کے اپنی دنیا بناتے ہیں۔

بنی اسرائیل موت سے بہت گھبراتے ہیں

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الآخِرَةُ عِندَ اللّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُاْ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ o وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَداً بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ o (البقرہ: ۹۴، ۹۵)

ترجمہ: آپؐ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہے (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے) تو موت کی تمنا تو کر کے دِکھاؤ! اگر تم واقعی سچے ہو۔ اور (ہم بتلا دیتے ہیں کہ) انہوں نے اپنے جو کرتوت آگے بھیجے ہیں ان کی وجہ سے یہ کبھی ایسی تمنا نہیں کریں گے، اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

یہ دونوں گروہ اپنے آپ کو جنتی سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نجات صرف انہی کی ہوگی، مگر موت سے بہت گھبراتے ہیں، دنیا میں جینے کی لمبی عمر کی تمنا کرتے ہیں، اگر ان کو ایک ہزار برس کی عمر مل جائے تو بھی ان کا جی نہیں بھرتا، قرآن نے ان سے کہا کہ اگر تم اپنے آپ کو جنت کا حقدار سمجھتے ہو تو موت کی تمنا کرو! ہر انسان کو اس کا ضمیر احساس دلاتا ہے کہ وہ فرمانبردار ہے یا نافرمان اور باغی اس کو دلی سکون نہیں ہوتا، جو ایمان اور اعمال صالحہ رکھتا ہے تو دنیا سے زیادہ آخرت کو پسند کرتا ہے اور وہاں جلد جانا چاہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ کو تمام اہل کے ساتھ مباہلے کی دعوت دی تھی کہ اگر وہ حق پر ہیں تو مباہلے کے لئے آجائیں، مگر نصاریٰ ڈر گئے اور مباہلے کے لئے تیار نہیں ہوئے، جو لوگ ایمان میں کمزور ہوتے ہیں وہ موت سے گھبراتے ہیں اور دنیا سے چمٹے ہوئے جینے کے متمنی رہتے ہیں، نفس ان کا خدا ہوتا ہے، ان کا ایک آدمی بھی جنگ میں مارا جاتا ہے تو خوب واویلا کرتے

ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جہاد کے حکم پر محض موت سے بچنے کے لئے انکار کر دیا، یہ دنیا کے لالچی اور حریص ہوتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ صرف اپنے ہی کو نجات کا حقدار تصور کرتے ہیں

وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَن كَانَ هُوْدًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِيْنَ o بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ o (البقرہ: ۱۱۱، ۱۱۲)

ترجمہ: اور یہ (یہودی وعیسائی) کہتے ہیں کہ جنت میں سوائے یہودیوں اور عیسائیوں کے کوئی بھی ہرگز داخل نہیں ہوگا، یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں، آپ ان سے کہئے کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو اپنی کوئی دلیل لاؤ۔ کیوں نہیں؟ جو شخص بھی اپنا رُخ اللہ کے آگے جھکا دے اور وہ نیک عمل کرنے والا ہو، اُسے اپنا اَجر اپنے پروردگار کے پاس ملے گا، اور ایسے لوگوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

سورۃ البقرہ، ۱۳۵/آیت میں ارشاد ہے: ''اور یہ (یہودی وعیسائی' مسلمان سے) کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ! راہِ راست پر آ جاؤ گے، کہہ دیجئے کہ نہیں! بلکہ ہم تو ابراہیمؑ کے دین کی پیروی کریں گے جو ٹھیک سیدھی راہ پر تھے، اور وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔''

ان کے نزدیک صرف یہودی بنے رہنے یا پھر نصرانیوں کے نزدیک نصرانی بنے رہنے ہی کو نجات کا حقدار سمجھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ صرف حضرت موسیٰؑ کو ماننا، تورات پر چاہے عمل کریں یا نہ کریں' کافی ہے، نصرانیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مان لینا نجات کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے، ان دونوں کے نزدیک عقیدہ کیسا ہی کیوں نہ ہو عمل صالحہ کریں یا نہ کریں' چند رسوم کو ادا کرتے رہنا ہی جنتی بننے کے لئے کافی ہے، ان کا توحید و شرک کا ملا جلا عقیدہ ہے، ایمان و اعمال صالحہ سے چاہے کتنی ہی دور کیوں نہ ہوں پیغمبروں، ولیوں اور بزرگوں کی اولاد ہونے کا احساس ان کو گمراہ کئے ہوئے ہے، پھر نسل پرستی اور گروہی بیماری نصاریٰ کو بھی لگ گئی، وہ بھی گروہی نجات کا تصور رکھتے ہیں، بلکہ نسل، خاندان، قوم یا پھر حضرت عیسیٰؑ کی نسبت ہی سے نجات ملے گی۔

آج یہی بیماری امت مسلمہ کے اکثر لوگوں میں بھی آ گئی ہے، وہ ایمان ہی صحیح نہیں رکھتے، کثرت سے بدعات میں گرفتار ہوتے، سنتوں کے خلاف بدعات کو پسند کرتے ہیں اور انہیں دین سمجھتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بزرگوں اور ولیوں کے ساتھ غلو کرتے اور شریعت کی پرواہ نہیں کرتے، قبروں، جھنڈوں، علموں کے ساتھ شرکیہ عقائد واعمال رکھتے ہیں، اور پیروں، بزرگوں اور رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑ کر جنت میں جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے کو جنت کا حقدار سمجھتے ہیں، عمل کرنے والے مسلمانوں کو بے دین اور کافر کہتے ہیں، خود نماز نہیں پڑھتے، خود توحید کے مقابل شرک کرتے ہیں اور پھر دوسروں کو گمراہ کہہ کر خود کو جنتی سمجھتے ہیں، یہود ونصاریٰ کی طرح احساسِ برتری اور حسب ونسب بزرگ پرستی نے ان کو بھی گمراہ کیا ہے۔

بیان کردہ آیات میں اہل کتاب کی بیہودہ بکواس کا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے، اور کہا گیا کہ کہاں چلے ہو یہودیت ونصرانیت کی دعوت دینے؟ اصل تو ملت ابراہیمی ہے؛ جس کی دعوت ہر زمانہ میں تمام پیغمبروں نے دی ہے، حضرت ابراہیمؑ تو خالص توحید کے داعی تھے، انہوں نے ہمیشہ شرک سے بیزاری کا اعلان کیا تھا، مشرکین کے عقائد باطلہ اور اہل کتاب کی روِش میں زیادہ فرق نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے، ان آیات میں اللہ نے نجات کا ایسا صحیح قانون بتلا دیا جسے رہتی دنیا تک چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

جنت میں تو وہ لوگ داخل ہوں گے جو ایمان اور اعمال صالحہ والے ہوں گے، چاہے وہ کسی بھی زمانہ، نسل، رنگ، وطن اور کسی بھی علاقہ کے کیوں نہ ہوں، جو ایمان سے خالی ہوں گے وہ دوزخ کی آگ میں داخل کئے جائیں گے، مسلمانوں کو اس طرح دعوے کرنے اور ایمان واعمالِ صالحہ کے بغیر خیالی جنت کے خواب دیکھنے سے منع کیا گیا ہے، مشرکین کعبۃ اللہ کی نسبت سے اپنے کو حضرت ابراہیمؑ کے پیرو سمجھتے تھے، اللہ نے انہیں سمجھایا کہ وہ تمہاری طرح مشرک نہیں تھے، وہ شرک سے ہمیشہ بیزار رہے، اس لئے یہ تینوں گروہ قانونی طور پر خلفِ ابراہیمی سے خارج ہیں، اپنے آپ کو ابراہیم کا پیرو نہ سمجھیں۔

یہود ونصاریٰ کا خدا کے ساتھ اہل وعیال کا عقیدہ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتْ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنَّى

يُؤْفَكُونَ ۝ (التوبہ: ۳۰)

ترجمہ: یہودی یہ کہتے ہیں عزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصرانی یہ کہتے ہیں کہ مسیحؑ اللہ کے بیٹے ہیں، یہ سب ان کی منہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں، یہ اُن لوگوں کی سی باتیں کر رہے ہیں جو اُن سے پہلے کافر ہو چکے ہیں، اللہ کی مار ہو اِن پر! یہ کہاں اوندھے منہ بہکے جا رہے ہیں؟

بنی اسرائیل مصر کے مشرک قوموں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنے ذہن و دماغ سے توحید میں ملاوٹ کرتے رہے اور اپنے ذہن کی رگوں میں سے شرکیہ جذبات وخیالات کو نہیں نکال سکے، چنانچہ جب یہ دو گروہوں میں بٹ گئے، ان کا شرک ان کی نسلوں میں منتقل ہو گیا، انبیاء کرامؑ کو ان کے مقام سے اونچا کر دیا، حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے ایک پیغمبر ہیں، بنی اسرائیل کی نشاۃِ ثانیہ میں ان کی وجہ سے ان کو بڑی ترقی نصیب ہوئی اور یہ تورات کو از سرِ نو جمع کر سکے، یہودی ان کا بڑا ادب واحترام کرتے ہوئے بعد میں ان کو خدا کا بیٹا بنا دیا۔

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا اور ان کی زندگی کے بعد ان کی غیر فطری پیدائش پر ان کے ساتھ غلو کیا اور ان کو بھی خدا کا بیٹا بنا دیا، ان کو حضرت مسیحؑ کی تعلیم اور عقائد سے کوئی سروکار نہیں، گویا یہ دونوں گروہ توحید کی روح ہی نکال دئے، ان کی روش اور مشرکین کے عقائدِ باطلہ اور اعمالِ رذیلہ میں کوئی زیادہ فرق نہ پہلے تھا نہ بعد میں آیا، جن نبیوں اور بزرگوں کو مانا غلو کر کے خدا کی ذات وصفات اور حقوق میں شریک کر ڈالا، آج بھی عیسائی اپنے کلیساؤں میں بی بی مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی خیالی تصاویر لگاتے ہیں یا ان کے خیالی مجسمے بنا کر ان پر عقیدت کے ساتھ پھول چڑھاتے ہیں، گیٹار اور باجے بجا کر گیت گاتے ہیں، خدا کے بجائے اٹھتے بیٹھتے حضرت عیسیٰؑ کو (گاڈ، جیسس کرائسٹ، سن آف گاڈ کے نام سے) یاد کرتے ہیں، خدا سے بڑھ کر حضرت عیسیٰؑ سے محبت کرتے ہیں اور ان کی زندگی کے ان طور طریقوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ توحید سے بہت دور ہو چکے ہیں، اور اللہ کی پہچان ہی صحیح نہیں رکھتے، قرآن جس وقت نازل ہو رہا تھا اس وقت بھی ان دونوں گروہوں کا حال یہی تھا مگر پھر بھی قرآن میں ان کو یا مشرکین کہہ کر نہیں پکارا بلکہ یا اہل الکتاب یا پھر یا بنی اسرائیل کہا ہے۔

مسلمانوں نے بھی رسول اللہ ﷺ اور بعض بزرگوں کے ساتھ کم علمی اور جہالت کی وجہ سے غلو کیا، انہوں نے حضور ﷺ کو خدا یا خدا کا بیٹا تو نہیں بنایا، البتہ بعض نے آپ کو بشر کے مقام بڑھا کر بشر

ماننے سے انکار کیا، اور شاعری میں غلو کر کے خدا جیسا بنا دیا، خدا سے بڑھ کر رسول سے محبت کا اظہار کیا، اور بعض بزرگوں کو خدائی طاقت وقدرت والا بنا دیا، اور کسی کو اولاد دینے والا، کسی کو صحت دینے والا، کسی کو شادی کرانے والا اور کسی کو مشکل کشا اور کسی کو حاجت رَوا بنا دیا، تمام پیغمبر انسانوں میں سے ہی آئے، اگر ان کو بشر نہ مانا جائے تو سورۂ کہف کی آیت: اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا انکار ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے خود آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے اعلان کروایا کہ میں تم جیسا ایک انسان ہو، البتہ آپ ﷺ عام انسانوں کی طرح نہیں، تمام پیغمبروں کو بشر ماننا ایمان کا لازمی جز، اور تقاضا ہے۔

بنی اسرائیل نے معاشرتی زندگی میں نسلی امتیاز پھیلایا

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ ○ (البقرہ:۴۴)

ترجمہ: کیا تم دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں؟

احکامِ الٰہی کو نظر انداز کر کے اپنے جاہل و بے دین مذہبی پیشواؤں کے ذریعہ ایسے اصول بنا لئے جس سے معاشرے میں نسلی اور قومی امتیاز پیدا کر دیا اور انسانوں میں بھائی چارے کو ختم کر کے نفرت پیدا کر دی، ان کی قوم میں مساوات انسانی کا بالکل تصور ہی نہیں، اونچ نیچ اور کالے گورے کا تصور جیسے گھٹیا تصورات میں آج تک مبتلا ہیں، اور اس پر فقہی احکام کی طرح عمل کرتے ہیں، چنانچہ کالے گورے، ملکی اور غیر ملکی کا امتیاز اتنا زیادہ ہے کہ ان کی عبادت گاہیں، ان کے اسکولس علاحدہ علاحدہ رکھ کر انسانوں میں مساوات کو ختم کر کے چھوت چھات پیدا کر دی، چنانچہ کالوں سے نفرت کر کے ان کے ساتھ بیٹھنے اور عبادت کرنے سے نفرت میں مبتلا ہو گئے، ان کے نزدیک انسانوں کا قتل کوئی بڑی چیز نہیں، عام عادت بن گئی ہے، اور کثرت سے جس ملک کے انسانوں کو چاہا ان کا قتل عام کر دیتے، بمباری کے ذریعہ پوری بستی، مکانات، دواخانے اور مردوں، عورتوں اور بچوں سب کو ختم کر دیتے ہیں۔

اپنی عبادت گاہوں میں امت مسلمہ کو چور، ڈاکو، قاتل، غنڈے، زانی عورتوں پر ظلم کرنے والا بتلا کر مسلمانوں سے دور رہنے کی تعلیم دیتے ہیں، فلموں اور ڈراموں میں مسلمان کو چوروں،

ڈاکوؤں اور بے رحم قاتلوں کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور غلط و گمراہ کن لٹریچر کے ذریعہ ان کے لئے انسانوں میں نفرت پھیلاتے ہیں، اسلام مخالف دشمنی کا زہر بھرتے ہیں، چنانچہ ان کی اندرونی زہریلی محنتوں کی وجہ سے عوام پیغمبر اسلام پر کارٹون بنانے کی جسارت کرتے ہیں، کہیں اذان اور مسجدوں کو برداشت کرنا نہیں چاہتے، کہیں عورتوں کا نقاب میں پھرنا ان کو تکلیف دیتا ہے، کہیں پر بندوق سے گولی چلا کر ہلاک بھی کر دیتے ہیں، اور کہیں خود اپنی سازش سے کمپنی، بازار، بڑی دُکان یا بڑی بلڈنگوں کو گرا کر مسلمانوں پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں اور لڑائی وفساد کا بازار گرم کرتے ہیں۔

کہیں اپنے ہی کارندوں سے بھیس بدلوا کر منافق مسلمان بن کر اپنے ہی ملک میں گاڑیاں، دکانیں اور مکانات جلاتے ہیں یا لوگوں پر حملے کرتے ہیں، اس سے ان کا مقصد وہاں سے ایمان والوں کو باہر نکال دینا، ملک میں شہریت سے محروم کر دینا ہوتا ہے یا اسلام سے متاثر ہونے والوں میں اسلام سے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنا ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود انہی کے ممالک میں سمجھ دار وعقلمند لوگ اسلام پر غور وفکر کر کے زیادہ اسلام قبول کر رہے ہیں، اسلام کا پھیلنا وہاں کے تعصب پسند لوگوں کو برداشت نہیں ہو رہا ہے۔

بنی اسرائیل نے صرف نسلی امتیاز کی وجہ سے رسول ﷺ کا انکار کیا

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَن يُنَزِّلُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ o (البقرہ: ۹۰)

ترجمہ: بُری ہے وہ قیمت جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، کہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کا صرف اس جلن کی بناء پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ اپنے فضل کا کوئی حصہ (وحی) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہ رہا ہے اُتار رہا ہے؟ چنانچہ یہ (اپنی جلن سے) غضب بالائے غضب لے کر لوٹے ہیں، اور کافر لوگ ذلت آمیز سزاء کے مستحق ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے دو نسلیں بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل چلیں، اور زیادہ تر انبیاء بنی اسرائیل میں آتے رہے، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ بھی، حضرت اسماعیلؑ کے بعد ان کی اولاد بنو اسماعیل میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوئے، آخری نبی ورسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسماعیل میں پیدا ہوئے، بنی اسرائیل نے صرف اس بناء پر کہ حضرت محمد ﷺ بنی اسرائیل میں نہیں ہیں، نبی نہیں

مانا، اور حق جاننے کے باوجود اس سے اعراض کیا، حالانکہ بنو اسماعیل بھی حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تھی، ان کا یہ اعتراض تھا کہ حضرت محمد ﷺ بنی اسرائیل میں نہیں آئے، اُمّی عربوں' بنو اسماعیل میں آئے، اس لئے باوجود آپ ﷺ کو بحیثیت رسول اللہ جاننے کے ماننے سے انکار کر دیا، چاہے وہ کتنی ہی حق کی تعلیم دے اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرے، یا ان کی کتابیں اس رسول کی تصدیق کریں۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ دین کا کام چاہے کوئی بھی جماعت اپنے اپنے طریقے پر یا مختلف شعبوں کے تحت الگ الگ انداز میں کرے تو مسلمان ان کی مخالفت نہیں کرتا، حق کو حق جان کر اس کو مانتا، ساتھ دیتا اور تائید کرتا ہے، دین کے داعی چاہے کسی ملک اور قوم کے ہوں، کسی نسل کے ہوں' ایک دوسرے کے فریق نہیں رفیق ہوتے ہیں۔

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں ایک ہی زمانے اور وقت میں نبی تھے، مگر کبھی ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کی، ایک دوسرے کی تائید کی، اس لئے امت مسلمہ کے مختلف لوگ مختلف جماعتیں بن کر دین کے مختلف شعبوں کا کام کریں گے، کوئی وعظ و نصیحت کرے گا، کوئی مدرسے چلائے گا، کوئی دعوت الی اللہ کا کام کرے گا، کوئی سیاسی اور دنیوی ادارے چلائے گا، کوئی دینی لٹریچر شائع کرے گا، سب کو ایک دوسرے کی تائید کرنا ہوگا، ایک جماعت ہی سارے شعبوں کا کام خوبی کے ساتھ نہیں کر سکتی۔

مگر افسوس! بہت سے مسلمان عقل و فہم اور علم کی کمی کی وجہ سے وسیع النظری نہ ہونے کی وجہ سے محدود ذہنیت کی بناء پر ایک دوسرے کے کاموں اور شعبوں کی مخالفت کرتے ہیں اور دوسرے کے دینی کاموں کو دین کا کام نہیں سمجھتے، اپنے ہی کام کو صحیح اور دین کا کام سمجھتے ہیں، دوسرے کاموں اور شعبوں میں کام کرنے والے مسلمانوں کو گمراہ سمجھتے ہیں، حق بات چاہے غیر مسلم ہی کی طرف سے کیوں نہ آئے اُسے قبول کرنا ایمانداری کی علامت ہے، اور حق کی مخالفت کرنا بے ایمانی ہے، یہ عمل بنی اسرائیل کی نقالی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو نبی ماننے سے ایمان باقی نہیں رہتا

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر کے قیامت تک کے لئے حضور ﷺ کی نبوت کو جاری رکھا، اب قیامت تک کوئی نیا نبی اور نئی کتاب امت مسلمہ کے لئے نہیں آئے

گی ، اللہ تعالیٰ نے آخری وحی نازل کر کے وحی کا سلسلہ بھی ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے اور قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔

ہر زمانہ کے نبیوں کے ذریعہ بعد کے آنے والے نبیوں کی بشارتیں دی گئی تھیں اور تورات و انجیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کی بہت سی نشانیاں وعلامتیں بتلائی گئی تھیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باقاعدہ اپنے بعد احمد (ﷺ) کے آنے کا تذکرہ کر کے ان پر ایمان لانے کی تعلیم دی تھی، مگر بنی اسرائیل نے نہ تورات اور انجیل پر عمل کیا اور نہ حضرت عیسیٰؑ کی پیشین گوئیوں کو مانا، کتاب اور نبی کی باتوں کو نہ مان کر ایمان سے خارج ہو گئے۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ قرآن مجید میں محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی پیغمبر کے آنے کی کوئی بشارت، نشانی اور علامتیں نہیں بتلائی گئیں، اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا تذکرہ فرمایا، آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، میں خاتم الانبیاء ہوں، اس لئے رسول اللہ ﷺ کے بعد اگر کسی انسان کو نیا نبی بنایا جائے اور مانا جائے تو بنانے والے، ماننے والے اور جسے نیا نبی بنایا گیا سب کافر اور اسلام سے خارج ہوں گے، کسی نئے نبی کو ماننا رسول اللہ ﷺ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو محفوظ کیا، تاکہ امت رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے ذریعہ قرآن سے ہدایت حاصل کرتی رہے، اب امت مسلمہ رسول اللہ ﷺ کے بعد قیامت تک کسی بھی انسان کو نیا نبی اور پیغمبر نہیں مانے گی اور نہ قرآن مجید سے ہٹ کر کوئی نیا ہدایت نامہ ان کے پاس آئے گا، اگر کوئی نیا انسان نبی بن کر نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہوگا، اس کو ماننے والے بھی ایمان والے نہیں ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد پیغمبر کے وارث ان کے علماء ہوں گے:

اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد امت مسلمہ کے علماء کو پیغمبر کی تعلیمات کا وارث بنایا اور نبی کی زندگی اور وحی الٰہی کو محفوظ کر کے امت مسلمہ کے علماء پر امت کے سدھار اور اصلاح کی ذمہ داری ڈال دی تاکہ امت مسلمہ اپنے نبی کے اتباع میں قرآن مجید پر عمل کر کے اللہ کی اطاعت وعبادت کی تعلیم باقاعدہ حاصل کرتے رہیں اور ان میں معروف ومنکر کی ذمہ داری امت کے تمام افراد پر ڈال دی تاکہ امت قرآن مجید کو بھولنے اور اس سے غفلت میں مبتلا نہ ہو،

حضرت موسیٰؑ کے سات آٹھ سالوں بعد بنی اسرائیل تورات کو آسمانی کتاب کی حیثیت سے بھول گئے تھے، حضرت عزیرؑ نے پھر اُسے دوبارہ جمع کیا، اس لئے نبی کے بعد امت مسلمہ علماء سے ہدایت و رہنمائی حاصل کر کے اسلام پر زندگی گذارے، بنی اسرائیل کے بعض جاہل لوگوں کی طرح کتاب کو سمجھ کر رہنمائی حاصل کئے بغیر غیر ضروری مسائل پیدا نہ کرے، نہ اپنے دماغ سے دین کی شکلیں بدلے۔

قرآن کا انکار کر کے گویا انہوں نے خود اپنی کتاب کا بھی انکار کیا!

تورات وانجیل کی بہت ساری باتیں قرآن میں مشترک ہیں، اور توحید ورسالت، آخرت پر آسمانی کتابوں کی ایک ہی تعلیم ہے، قرآن خود ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور انہیں آسمانی کتابیں کہتا ہے، گویا قرآن ان کے سچا ہونے کی تصدیق کر رہا ہے، اور کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے، مگر یہ لوگ محض حق کی مخالفت میں جو ان کی سچائی کی گواہی دے رہا ہے، اسے ہی جھٹلاتے ہیں اور قرآن ہی کا انکار کر رہے ہیں، اس طرح وہ قرآن کا انکار کر کے گویا اپنی کتابوں کو بھی جھٹلا رہے ہیں، قرآن کہتا ہے کہ یہ لوگ کسی دین پر نہیں۔

جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا گیا یہ لوگ اس کو ماننے سے انکار کئے، سرکشی کی اور مخالفت کرنے لگے، اور خود اپنی کتاب کی انہی باتوں کو مانتے ہیں جو ان کی خواہش، رائے اور مرضی ومنشاء کے مطابق ہو، جو ان کے نفس پر بار بنے اور ان کی خواہش سے اختلاف ہو اُسے نہیں مانتے تھے، ان کی اس روش پر اللہ نے ان کو روحانی سزا یہ دی کہ وہ قیامت تک ذلیل اور رسواء کر دئے گئے، وہ نہ حق کو سمجھ سکے اور نہ ہدایت کی روشنی دیکھ سکے۔

قرآن اور رسول اللہ ﷺ کو نہ ماننے کے لئے یہ تک کہہ دیا گیا کہ کسی انسان پر وحی الٰہی نہیں آسکتی، تو قرآن نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حضرت موسیٰؑ انسان نہیں تھے؟ کیا تورات ان کو نہیں عطا کی گئی تھی؟ وہ انسان تھے، اہل وعیال والے تھے، وہ بھی دوسرے انسانوں ہی کی طرح انسانوں سے پیدا ہوئے اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہا کہ وہ اور ان کی والدہ کھانا کھاتے تھے، ان کو بھی موت سے گذرنا ہے۔

ان کی کتابوں کی سند، قرآن اور پیغمبر کے سچے ہونے کا ثبوت

اسلام نے قرآن کے سچے ہونے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغمبر ہونے کی دلیل صرف یہ نہیں دی کہ یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اعلان کروادیا بلکہ قرآن نے سمجھایا کہ قرآن اور محمد ﷺ تورات وانجیل اور زبور صحف انبیاءِ بنی اسرائیل کی پیشین گوئیوں کے عین مطابق آئے ہیں، جن کے نازل ہونے سے پہلے یہود ونصاریٰ ان نشانیوں وعلامتوں کو جانتے اور پہچانتے اور ان ہی نشانیوں کی وجہ سے پیغمبر کو اولاد سے بڑھ کر پہچانتے ہیں، جو لوگ اپنی مقدس کتابوں پر صحیح ایمان رکھتے تھے انہوں نے ایمانداری سے قرآن اور محمد ﷺ کو مانا اور بار بار کہا گیا کہ یہ قرآن ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی کتاب ہے جو ان کے پاس ہیں، قرآن نے کہا کہ اس لئے سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے نہ بنو، تم اگر ایمان لاؤ گے تو سب سے زیادہ سربلند رہو گے۔

ان کی سچائی کی دلیل یہ بھی ہے کہ تمہارے صحیفوں میں جو نشانیاں اور پیشین گوئیاں کی گئی تھیں ان کے آنے اور قرآن کے نازل ہونے سے ان کی تصدیق ہوگئی اور یہ قرآن نے تمہاری کتابوں کو سچا ثابت کردیا، ہر زمانے میں تمام انبیاء یہی دین لے کر آئے تھے، حضرت محمد ﷺ بھی کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے، اسی دین کی دعوت دے رہے ہیں جو ابراہیم، اسحاق، یعقوب، عیسیٰ اور موسیٰ علیہم السلام کا دین تھا، تعصب، ہٹ دھرمی، ضد اور سرکشی نہ کر کے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنا ہی دینِ حق پر آجانا ہے۔

کتابِ الٰہی کی شرعی پابندیوں سے چھٹکارا پانے کے لئے اسلامی قوانین سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ○ (المائدہ: ۴۳)

ترجمہ: اور یہ کیسے تم سے فیصلہ لینا چاہتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا فیصلہ درج ہے؟ پھر اس کے بعد (فیصلے سے) منہ بھی پھیر لیتے ہیں، دراصل یہ ایمان والے نہیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو یہودیوں سے مختلف معاہدات ہوئے، اس لئے کہ ابھی مدینہ میں اسلامی ریاست مستحکم نہیں ہوئی تھی، یہودی اس وقت تک باقاعدہ اسلامی

ریاست کی رعایا نہیں بنے تھے، اللہ نے حضور ﷺ کو اختیار دیا تھا کہ ان کے فیصلے کرو یا ان کی شرعی عدالتوں میں بھیج دو، اللہ نے یہود و نصاریٰ دونوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی کتاب میں نازل شدہ احکام الٰہی کے مطابق فیصلہ کرلیا کریں، ان معاہدات کی وجہ سے حضور ﷺ نے یہودیوں کو اپنے اندرونی جھگڑے اور مقدمات کو ان کی اپنی شریعت کے مطابق آزادی سے حل کرنے کی اجازت دی تھی، اس لئے کہ ابھی قرآنی احکام کے نازل ہونے کا سلسلہ جاری تھا، جس کی وجہ سے ان کے مقدمات کا فیصلہ ان کے قاضی اور مفتیان تورات کے قوانین کے مطابق کر سکتے تھے، ان کے دنیا پرست علماء اپنی عدالتوں میں رشوت کے ذریعہ مال حرام کھا کر یا دولت مند، صاحبِ اقتدار اور اثر و رسوخ والے اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ مقدمات کے فیصلے جیسے چاہے کروا لیتے تھے، یہود اپنے قاضیوں سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بیان کر کے جھوٹی گواہی دلا کر فیصلے کروا لیتے تھے۔

اس طرح یہود اپنے مقدمات حضور اکرم ﷺ کے پاس لانے کے لئے مجبور تھے، پھر بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس وہی مقدمات لاتے جن میں ان کو تورات کے احکام کے مطابق نقصان ہوتا یا سزا ملتی، یا شرعی پابندیوں سے چھٹکارا ملتا یا اسلامی قانون سے فائدہ ہوتا، یا پھر اسلام کی دشمنی اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا موقع ملتا کہ اسلامی قانون کو ظلم و زیادتی بتلا کر نئے ایمان قبول کرنے والوں کو گمراہ کیا جا سکتا تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس اس امید سے آجاتے تھے کہ شاید اسلامی شریعت میں ان کے لئے کوئی آسانی اور دوسرا حکم ہو اور وہ اس طرح تورات کے قانون پر عمل کرنے سے بچ جائیں۔

چنانچہ اسی طرح کا ایک مقدمہ خیبر کے دولتمند یہودی خاندان کی ایک عورت اور مرد کے درمیان زنا کا پیش آیا، تورات کے مطابق رجم کی سزاء تھی، وہ لوگ آپس میں مشورہ کر کے اس مقدمہ کو اپنی عدالت میں لیجانے کے بجائے حضور ﷺ کے پاس لائے؛ تاکہ حضور ﷺ رجم کے بجائے کوئی دوسرا حکم دیں تو قبول کرلیں، اگر رجم ہی کا حکم دیں تو قبول نہ کیا جائے، جب آپ ﷺ نے رجم کا حکم سنایا تو اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا، اس انکار پر حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہاری کتاب میں اس گناہ کی سزاء کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ کوڑے مارنا اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرنا ہے۔

آپ ﷺ نے ان کے وہاں موجود علماء کو قسم دے کر پوچھا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ یہی

سزاء ہے، یہ جھوٹا جواب تھا، ان کا اس وقت کا ایک بڑا عالم ابن صوریا جس کو وہ سب سے بڑا عالم مانتے تھے وہاں موجود تھا، وہ خاموش رہا، آپ ﷺ نے اُسے قسم دے کر پوچھا کہ جس نے تم لوگوں کو فرعون سے بچایا اور طور پر شریعت عطا کی! کیا واقعی تورات میں زنا کی یہی سزاء لکھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھے ایسی بھاری قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا، حقیقت یہ ہے کہ زنا کی سزاء رجم ہی ہے، مگر جب ہمارے یہاں زنا کی کثرت ہوئی تو ہمارے حکام، بااثر اور صاحبِ اقتدار لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بڑے لوگ زنا کریں تو انہیں چھوڑ دیا جائے اور چھوٹے زنا کریں تو رجم کر دیا جاتا، اس پر عوام بعد میں ناراض ہونے لگے تو تورات کا قانون بدل کر یہ اصول بنالیا گیا کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگائے جائیں اور منہ کالا کر کے گدھے پر اُلٹے منہ سوار کیا جائے، اس جواب کے بعد یہودیوں کو کچھ بولنے کی گنجائش نہ رہی، حضور اکرم ﷺ نے دونوں کو سنگسار کر دیا۔

اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ لوگ سچائی کے ساتھ اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے، ان کا ایمان اپنے نفس اور اس کی خواہشات پر تھا، اور اب بھی ہے، ان کے نفس نے پہلے کتاب اللہ کو ماننے سے انکار کیا اور نبی کو جھٹلایا، وہ اللہ کے قانون کے بجائے اپنے نفس کی خواہشات اور عقل سے بنائے گئے جھوٹے انسانی قانون پر زندگی گذارنا چاہتے تھے، اب بھی اسی انداز پر زندگی گذار رہے ہیں۔

قرآن مجید المائدہ: ۴۷۔۴۸ میں یہ بتلایا گیا کہ اللہ کے احکام کو جان بوجھ کر چھوڑ کر انسان کے بنائے ہوئے قانون پر فیصلہ کرنا کفر ہے، یہ گویا اللہ کے حکم کا انکار کہلائے گا، اور اللہ کے حکم سے ہٹ کر فیصلہ کرنا ظلم ہے، اس لئے کہ سوائے اللہ کے مکمل اور صحیح عدل وانصاف صرف خالق ہی کر سکتا ہے، اس کے علاوہ کتاب الٰہی کے قانون سے منہ موڑ کر دوسرے قانون سے فیصلہ کرنا اللہ کی بندگی کے بجائے انسانوں کی بندگی کرنا ہے، یہ فسق ہوگا، اس طرح اہل کتاب کافر، فاسق اور ظالم ٹھہرے۔

بعض لوگ کفر، ظلم اور فسق سن کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ آیات تو بنی اسرائیل کے حق میں ہے کہ وہ اگر کتاب الٰہی کے خلاف فیصلہ کریں تو کافر، ظالم اور فاسق ہیں، اس پر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: کیا یہ تمہارے لئے نہیں، ان کے لئے سب کڑوا کڑوا اور تمہارے لئے سب میٹھا میٹھا، ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! تم انہی کے طریقوں پر قدم بہ قدم چلو گے، ان آیات میں صاف مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قانون

پر فیصلہ کرتا ہے تو وہ تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، یعنی کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔

اللہ کے ہر حکم کے خلاف انسانی قانون اور طریقے بنا لئے

ان کی دین کی ناپسندیدگی کا یہ عالم ہے کہ شریعت کے ہر حکم کے خلاف انسانی قانون اور طریقوں کو اپنے اپنے ملکوں میں رواج دے دئے ہیں، اور اگر دنیا کے کسی ملک میں قرآن مجید کے کسی قانون کو لاگو کرنے کی کوئی حکومت کوشش کرے تو یہ لوگ اُسے دقیانوسی اور ظلم بتلا کر لاگو کرنے نہیں دیتے، جیسے انہوں نے پوری دنیا کے ممالک میں قتل کی سزاء کو ختم کر کے ۱۴ سال عمر قید کی سزاء مقرر کی، زنا پر رجم کے قانون کو تقریباً پوری دنیا سے ظلم کہہ کر ختم کر دیا، مرد کو مرد کے ساتھ، عورت کو عورت کے ساتھ شادی کر کے میاں بیوی بن کر رہنے کو جائز بتلا کر قانون بنا دیا، عورت کی رضامندی سے شوہر ہو یا نہ ہو، مرد و عورت کو رضامندی سے شہوت پوری کرنا گناہ اور جرم نہیں قرار دیا۔

انسانی عمر مختصر ہونے کی وجہ بتلا کر لڑکا لڑکی کو جوان ہونے سے پہلے ہی سیکس کی تعلیم کو عام کر دیا اور شادی سے پہلے بچہ پیدا ہو جانے پر حرام بچوں کی پرورش کے علاحدہ انتظام کئے، عام انسانوں کو سکون حاصل کرنے کے لئے شراب خانے، نائٹ کلب اور ہوٹلوں میں کیبرے ڈانس کے ذریعہ منہ کا مزا اور آنکھوں، کانوں، دل و دماغ اور شرمگاہ سے زنا میں مبتلا رہنا سکھایا، زندگی بس عیش و مستی کرنے کا نام بتلا کر انسانوں کو گناہوں میں زندگی گذارنا سکھا دیا، ہر ملک اور ہر شہر میں جوا، ریس اور شراب کی کمپنیاں قائم کر دیں، پوری دنیا میں سود کو عام کر دیا، ساری دنیا میں بینکوں کے ذریعہ سودی کاروبار کو زندگی کا حصہ بنا دیا، پوری دنیا میں آسمانی کتاب کی حامل قوم سود خور قوم کے نام سے مشہور ہے، سود کو انہوں نے تجارت بنا لیا اور لوگوں کو مکان، موٹر، اور تجارتی قرض لینے پر مجبور کر کے سود کو عام کر دیا، نوجوان لڑکے لڑکیوں کو شادی سے پہلے یا بعد بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ رکھنے کو ماڈرن کلچر کہہ کر بے شرمی و بے حیائی پھیلا دی اور زنا کو آسان کر دیا۔

عورتوں کو باوجود سرد ممالک ہونے کے بالکل مختصر لباس کا عادی بنا کر ننگے رہنے اور جسم کی نمائش کرنے اور مردوں کی نظروں میں پُرکشش بنے رہنے کا عادی بنا دیا، عورتوں کو مردوں کی برابری کا احساس دلا کر گھریلو اور خاندانی زندگی کو برباد کر کے عوامی اداروں میں لے آئے، غیر مرد کی خدمت کرنے کے لئے ایر ہوسٹس، نرس اور ریسپشنسٹ بننے اور منسٹرس اور آفیسرس کی پی اے بننے کی ترغیب

دے کر عزت دار زندگی کا احساس دلایا، اور پوری دنیا میں پردے میں رہنے کو قدامت، دقیانوسیت، غیر مہذب اور جہالت بتا کر پردہ دار عورتوں کو بھی بے پردہ بنادیا، کالج اور اسکول میں مخلوط تعلیم کا رواج قائم کیا، دفتروں اور کمپنیوں میں عورت اور مرد کے ایک ساتھ ملازمت کرنے کو عام کردیا، اس طرح انسانی معاشرہ اللہ کے احکام کے خلاف تباہی و بربادی کی زندگی گذار رہا ہے۔

مسلمانوں کی کثیر تعداد بھی مغربی کلچر پر زندگی گذار رہی ہے

موجودہ زمانے میں بے دین ایمان سے کمزور مسلمان بھی بنی اسرائیل کے کلچر کو پسند کر رہے ہیں اور انہی کی نقل میں زندگی گذارنے کو اعلیٰ تہذیب وتمدن سمجھ رہے ہیں اور جان بوجھ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام اور سنت طریقوں کے خلاف عمل کر رہے ہیں، بہت سے مسلمان قانونِ شریعت کے خلاف صرف دنیا کے فائدوں یا نفس کے غصہ ہونے اور غیر مسلموں کے قانون کے مطابق دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے اسلامی شریعت کے خلاف وراثت، طلاق، خلع، اور تلک یا ڈوری کے، دُکان ومکان پر ملکیت کے جھوٹے دعوے، یا قتل وخون، دھوکہ بازی، زنا بالجبر، جیسے واقعات میں غیر مسلموں کے انسانی قانون سے فائدہ دیکھ کر اپنے مقدمات شریعتِ اسلامیہ سے حل کرنے کے بجائے غیر مسلموں کی عدالتوں سے فیصلے حاصل کرتے ہیں اور اسلامی قانون سے بچ کر چھٹکارا یا دنیا کا فائدہ حاصل کرلیتے ہیں، اللہ کے پاس پکڑے جانے کا احساس بالکل نہیں رکھتے، حالانکہ قرآن مجید پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔

شریعت اسلامی نے عورتوں کو مہر ادا کرنے کا حکم دیا، تو یہ لوگ نکاح کے نام پر ڈوری اور تلک کی رقم کے ساتھ سامانِ جہیز کا مطالبہ کرکے نکاح کرتے ہیں، شریعت نے لڑکی والوں سے ناجائز طریقے پر دعوت لینے سے منع کیا ہے، یہ لوگ باقاعدہ مہمانوں کی تعداد بتلا کر زبردستی دعوت لیتے ہیں۔

اسلامی شریعت نے پانچ وقت کی نماز ہر مسلمان پر فرض کی ہے، یہ لوگ صرف جمعہ کی نماز ادا کرلیتے ہیں، شریعت نے صرف دو عیدوں کی اجازت دی ہے، یہ لوگ میلاد، گیارہویں، بارہویں، عاشوراء، براءت، قدر وغیرہ کو عید کی طرح سمجھتے ہیں۔

عیسائی ۲۵ر ڈسمبر کو حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش میں عید مناتے ہیں، مسلمان ۱۲ر ربیع الاول کو حضرت محمد ﷺ کی پیدائش میں عید مناتے ہیں، اور بعض نے تو میلاد کا نام عید الاعیاد رکھ دیا جو کہ

شریعت کے خلاف ہے، جبکہ اسلام نے مسلمانوں کو رمضان اور بقرعید دو ہی عیدیں منانے کی اجازت دی ہے، ان سے ہٹ کر کوئی دوسرے دنوں میں عید منانا رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی نافرمانی کرنا ہے، اسلام مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی تعلیم دیتا ہے، نفس کی خواہش پر چلنا مسلمانیت نہیں بلکہ بنی اسرائیل کا طریقہ ہے، اس کے باوجود مسلمان گیارہویں، بارہویں اور دس محرم خوب اہتمام سے مناتے ہیں، اور بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ کی پیدائش کہہ کر کیک کاٹتے ہیں، باجے سے جلوس نکالتے ہیں، شہر کو سجاتے ہیں، بعض تو نعت لگا کر جھومتے اور ناچتے ہیں، قوالیاں لگاتے ہیں، اور پکار پکار کر حضور ﷺ سے محبت کا اظہار کرتے ہیں، مگر اس دن نماز ادا کرنے مسجد نہیں آتے اور اس کے علاوہ بہت سی نافرمانی والے کام کرتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ رکوع کی اجازت نہیں دی، یہ لوگ باقاعدہ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں اور وہاں کا پانی دھو کر پیتے ہیں، شریعت اسلامیہ نے اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے اور کسی سے دعاء مانگنے کی اجازت نہیں دی، یہ لوگ رزق، اولاد، تندرستی، ملازمت، تجارت، لڑکیوں کی شادی، نفع ونقصان ولیوں، بزرگوں کی قبروں پر مانگتے ہیں اور کعبۃ اللہ سے ہٹ کر کسی گھر کا طواف کرنے کی اجازت نہ ہونے کے باوجود پھر بھی درگاہوں، قبروں اور مزارات کا طواف کرتے ہیں اور اہل کتاب کی طرح ولیوں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا اور وہاں وہ تمام رسوم ادا کرتے ہیں جو عبادت میں کئے جاتے ہیں، چھوٹے حج کے نام سے درگاہوں کی زیارت کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل اپنے پیغمبر کے غیاب میں بچھڑے کی پرستش کی، ہم پیغمبر کی غیر موجودگی میں قبر، علم اور جھنڈوں اور اکابر کی پرستش کر رہے ہیں، بنی اسرائیل کتاب الٰہی کی چند باتوں پر عمل کرتے اور چند باتوں کے خلاف جان بوجھ کر چلتے تھے، ہم بھی قرآن کی چند باتوں پر عمل کرتے ہیں اور بہت ساری باتوں میں جان بوجھ کر خلاف چلتے ہیں، بنی اسرائیل کتاب کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے کئی فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے، ہم بھی قرآن مجید رکھتے ہوئے قرآن مجید کو تو نہیں بدلا مگر اپنے اپنے فرقوں کے لحاظ سے اس کا معنیٰ ومطلب نکال لیا اور کئی مسلکوں اور گروہوں میں بٹ گئے، بنی اسرائیل کتاب الٰہی رکھ کر بھی ایک دوسرے کو گمراہ کہتے تھے، ہم بھی ایک دوسرے کو گمراہ اور بے دین کہتے ہیں۔

بنی اسرائیل اپنے علماء کو رب بنا بیٹھے، ہم بھی اپنے بزرگوں اور علماء کو رب بنائے ہوئے ہیں، اور قرآن وحدیث کے مقابلہ ان کی حرام کو حلال کرنے والی چیزوں پر عمل کرتے، بنی اسرائیل نے ہفتہ کا احترام نہ کر کے دوسرے دنوں میں شکار کرتے تھے، اکثر مسلمان سوائے جمعہ کے دوسرے دنوں میں عبادت نہیں کرتے اور اسلام کی پابندی صرف رمضان میں کرتے ہیں، بنی اسرائیل کتاب الٰہی رکھ کر اس پر عمل نہیں کرتے تھے، سورۂ جمعہ کے پہلے رکوع میں ان کے اس عمل پر ان کو گدھے سے تشبیہ دی گئی، اگر ہم بھی ویسا ہی کریں گے تو کیا یہ تشبیہ ہمارے اوپر بھی مثال نہیں بنے گی۔

قرآن مجید کو صرف ثواب، برکت یا میت کے ایصال ثواب کی کتاب بنا دیا گیا، کبھی اس کے دروس مسلم معاشرہ میں نہیں ہوتے، جن کے پاس قرآن سمجھایا جاتا ہے ان کو گمراہ سمجھتے ہیں، مسلمانوں کی طرز زندگی قرآن وحدیث کے مطابق نہ ہو کر سوسائٹی اور سماج کے طور طریقوں، رسم و رواج پر ہے، اور اُسے دین سمجھے ہوئے ہیں، فضول خرچی میں شیطان سے بھی آگے نکل گئے ہیں، فیشن پرستی میں بنی اسرائیل کو پیچھے چھوڑ دیا، عقائد میں مشرکین کی طرح عقائد رکھتے ہیں، ان تمام بداعمالیوں کے باوجود آخرت سے غافل رہتے ہوئے اپنے آپ کو جنتی تصور کر کے زندگی گذار رہے ہیں، اولاد کو مسلمان نہیں بنا سکتے۔

کفر کرنے کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ آدمی صاف صاف انکار کر دے، دوسرے یہ کہ زبان سے تو مانے مگر دل سے نہ مانے، یا اپنے رَویّے اور عمل سے ثابت کر دے کہ وہ جس چیز کو ماننے کا دعویٰ کر رہے ہیں فی الواقع اُسے نہیں مانتے، کفر کی ان دونوں قسموں میں سے جس قسم کا برتاؤ بھی انسان اختیار کرے گا اس کا نتیجہ حق سے دوری اور باطل راستوں میں بھٹکنے کے سواء کچھ نہ ہوگا، جو مسلمان اس طرح کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں ان کو اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہئے کہ وہ ایمان کی روِش پر ہیں یا کفر اور بغاوت وسرکشی کی روِش پر۔

اہل کتاب ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں!

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ۔ (البقرہ:۱۱۳)

ترجمہ: اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود

(کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں' حالانکہ یہ سب (آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں۔

جب تورات کے احکام میں تحریف ہوئی تو یہودا اپنے آپ کو حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یہودا سے نسبت جوڑ کر یہودیت کی بنیاد رکھی، آخر میں ان کی اصلاح کے لئے حضرت مسیحؑ کو بھیجا گیا تا کہ یہودی بن جانے والے فرقے کو پھر سے صحیح دینِ موسوی پر آجانے کی دعوت دی جائے، اور ملت ابراہیم کے وہ پیرو بن جائیں، حضرت عیسیٰؑ اللہ کی طرف سے انجیل مقدس لے کر آئے تھے۔

نسلی اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بھی بنی اسرائیل میں سے تھے، یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر نہ مانا اور انجیل کا انکار کیا، ان کی زندگی ہی میں ان کی اور ان کے ماننے والوں کی سخت مخالفت کر کے ان کے دشمن بنے رہے، حضرت عیسیٰؑ کا وطن ناصرہ تھا، یہودی علماء نے حضرت عیسیٰؑ کے بعد ان کے ماننے والوں کو ایک گمراہ بدعتی ناصرہ فرقہ قرار دے کر بنی اسرائیل سے علاحدہ کر دیا، حضرت عیسیٰؑ نے اپنے ماننے والوں کا نام کبھی عیسائی یا نصرانی نہیں رکھا، نہ اپنے نام سے عیسائی مذہب کی کوئی بنیاد رکھی، انہوں نے عام بنی اسرائیل اور اپنے پیروؤں کو شریعت موسوی سے ہٹ کر نہ الگ کوئی فرقہ بنایا، نہ کوئی جماعت بنائی اور نہ اس کا کوئی نام رکھا، ان کے بہت عرصہ بعد بھی ابتدائی پیرو نے خود بھی اپنے آپ کو اسرائیلی ملت سے نہ الگ کیا اور نہ کوئی الگ گروہ بن کر رہے اور نہ انہوں نے اپنے لئے کوئی امتیازی نام ونشان مقرر کیا، عام یہودیوں کے ساتھ بیت المقدس کے ہیکل میں عبادت کے لئے جاتے تھے اور اپنے آپ کو موسوی شریعت ہی پر عمل کرنے کا پابند بنائے تھے۔

آگے چل کر سینٹ پال (St Paul) نے عیسائیت کی بنیاد رکھی، اور ''دین بلا شریعت'' کا نظریہ قائم کیا اور شریعت کی پابندی ختم کر دی، اور یہ اعلان کر دیا کہ بس مسیح کو خدا کا بیٹا مان کر ایمان لانا نجات کے لئے کافی ہے، پھر لوگ غلو میں آکر اپنے آپ کو عیسائی کہنے لگے، حالانکہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد میں نہ کوئی یہودی تھے اور نہ نصرانی، حضرت موسیٰؑ کے بعد آنے والے بنی اسرائیل کے پیغمبروں نے کبھی بھی یہودیت ونصرانیت کی بنیاد نہ ڈالی۔

مگر بنی اسرائیل دو گروہوں میں بٹ کر یہودی وعیسائی علاحدہ علاحدہ گروہ بن کر ایک دوسرے کے سخت مخالف بن گئے، کتاب الٰہی رکھتے ہوئے دونوں کے عقائد، اعمال اور کلچر وتہذیب الگ الگ ہو گئے، ان کی عبادت گاہیں الگ ہو گئیں، دونوں کی عبادتوں کے طریقے الگ ہو گئے، یہود کے پاس ہفتہ کے دن کا احترام آہستہ آہستہ ختم ہو گیا، نصاریٰ نے اتوار کو اپنے لئے عبادت کا

علاحدہ دن مقرر کرلیا، مگر آج ان کے تمام ممالک میں اتوار کو تعطیل منائی جاتی ہے۔

دونوں بگڑے ہوئے گروہوں کے پیشوا جب وعظ و نصیحت کرتے تو ایک دوسرے کو گمراہ اور بے دین کہتے اور ایک دوسرے کو جہنمی سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک دین ابراہیم کا کوئی تصور ہی باقی نہیں رہا، حالانکہ ان کے پاس کتابِ الٰہی موجود ہے۔

قرآن نے انہیں سمجھایا کہ تمہاری یہودیت و نصرانیت تورات اور انجیل کی تحریفات کے بعد پیدا ہوئی، حضرت ابراہیمؑ تو ان دونوں کے نزول سے پہلے آچکے تھے، ایک ادنیٰ و معمولی عقل رکھنے والا بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جس دین پر تھے وہ بہر حال نہ یہودیت تھا اور نہ نصرانیت، حضرت ابراہیمؑ تو مسلم تھے، وہ راہِ راست پر تھے، نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، انہوں نے اور حضرت یعقوبؑ نے اپنی اپنی اولادوں کو خاص طور پر نصیحت کی تھی کہ ان کے بعد تم اللہ ہی کو ایک اور اکیلا مان کر اسلام پر زندگی گذارنا۔

مگر بنی اسرائیل آہستہ آہستہ گمراہ ہوکر دو فرقوں میں بٹ گئی اور پھر دونوں کئی فرقوں میں بٹ کر مختلف خیالات والے بن گئے، اور ہر فرقہ اپنے آپ کو صحیح ہدایت یافتہ سمجھتا اور بداعمالیوں، نافرمانیوں اور بغاوت کے ساتھ زندگی گذارنے کے باوجود مطمئن ہیں اور خود کو جنتی سمجھتے ہیں، بعد میں عیسائیوں کے نزدیک مذہب انسان کی زندگی کا نجی معاملہ بن گیا اور یہ تصور آگیا کہ دنیوی معاملات میں انسان بالکل آزاد ہے، دنیا میں جو چاہے عیش و مستی کرلو، اپنے اپنے پیشوا کے پاس جاکر گناہوں کا اعتراف کرلینے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، ان کے پیشوا' اللہ سے ان کے گناہوں کو معاف کروالیتے ہیں۔

مسیح نے ساری انسانیت کے گناہوں کو دھونے کے لئے سولی پر چڑھنا قبول کرلیا، اس لئے جنت کے وہ حقدار بن جاتے ہیں، یہود کے نزدیک یہ تصور ہے کہ ان کے بزرگ ان کی مغفرت کروالیں گے، اس لئے خواہ مخواہ اعمال صالحہ اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

عیسائیوں کی اصل گمراہی یہ ہے کہ وہ مسیح کو اللہ کا بندہ اور رسول نہیں مانتے، بغیر دلیل اور ثبوت کے غلو کرکے انہیں اللہ کا بیٹا اور الوہیت میں اس کا شریک قرار دیتے ہیں، اگر یہ بنیادی غلطی ٹھیک ہوجائے تو ان کو اسلامی تعلیمات سمجھنا بہت آسان ہوجاتا ہے، چنانچہ ہر زمانہ میں جن بنی اسرائیل کے لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بندہ اور رسول جانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

نشانیوں کو پہچان گئے اور جنہوں نے قرآن مجید میں تورات وانجیل کی تصدیق پائی وہ آسانی سے اسلام قبول کر گئے، جن میں امت مسلمہ کی ماں حضرت صفیہؓ اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ، حضرت ثعلبہ بن سعیدؓ، حضرت اسد بن عبیدؓ جیسے بڑے بزرگ صحابہ کرام کہلاتے ہیں۔

یہودیوں کا جرم یہ ہے کہ وہ مسیح کے انکار اور مخالفت میں حد سے آگے بڑھ گئے، وہ نعوذ باللہ بی بی مریمؑ پر زنا کا الزام لگا کر حضرت عیسیٰؑ کو زنا سے پیدا ہونے کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں، یہود اگر دین ابراہیمی کو ذہن میں رکھ کر حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات پر غور کریں تو ان کو اسلام آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے، قرآن نے ایمان سمجھانے کے لئے انہی انبیاء کی تعلیمات کو پیش کر کے انسانوں کو اسلام کی دعوت دی، اس لئے قرآن میں انہی انبیاء کے تذکرے زیادہ ہیں۔

یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں اور ایک دوسرے کو گمراہ، بے دین تصور کرنے کے باوجود محض اسلام کی مخالفت اور دشمنی میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار بنے ہوئے ہیں، ان دونوں کا حال یہ ہے کہ خود تو بے دینی، بے حیائی اور مجرمانہ زندگی گذار رہے ہیں، فسق وفجور اور انتہائی اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہیں۔

دنیا میں جو لوگ ایمان لاکر متقی، پرہیزگار، امن والے بنتے ہیں' ان کو بگاڑتے اور اللہ کے باغی بنادیتے ہیں، ان کی مجرمانہ حرکتوں کا شروع سے یہ حال رہا ہے کہ دنیا میں خدا کے اصل دین کو مٹانے کے لئے جو تحریک بھی اٹھتی ہے اکثر اس کے پیچھے انہی لوگوں کا دماغ، ان کی سرمایہ کاری ہی کام کرتی نظر آتی ہے، دنیا میں اللہ کے بندوں کو صحیح دین کی دعوت دینے کے لئے جو تحریک اٹھے اُسے روکنے اور ناکام کرنے میں یہی لوگ آگے آگے رہتے ہیں، حالانکہ یہ کتاب اللہ کے حامل اور انبیاء کے وارث ہیں، دین اسلام کی مخالفت میں حضرت اسماعیلؑ کو ذبیح اللہ نہیں مانتے اور حضرت اسحاقؑ کو ذبیح کہتے ہیں اور منیٰ کے قریب قربان گاہ کا انکار کرتے ہیں۔

امت مسلمہ کے دنیا پرست، کمزور ایمان والوں کو استعمال کر کے امت کے اتحاد واتفاق کو برباد کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے، چنانچہ غلام احمد قادیانی بھی انہی کی پیداوار ہے، اسلام کے مقابلے میں یہ لوگ آج بھی دنیا کی مشرک، بت پرست اور کافر قوموں سے اتفاق واتحاد کرتے ہیں، حد سے زیادہ بداعملیاں، اخلاقِ رذیلہ دنیا کے دوسرے لوگوں کو سکھانے میں سب سے آگے

آگے ہیں، پھر بھی اپنے آپ کو پاک باز اور اللہ کا محبوب سمجھتے ہیں۔

دنیا کی تمام قوموں میں مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جو حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا احترام کرتی اور ان سے محبت کرتی ہے، حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا برگزیدہ پیغمبر مانتی ہے اور ان کے سولی پر چڑھائے جانے کا انکار کرتی ہے، اور انجیل کو آسمانی کتاب مانتی ہے، اور بی بی مریمؑ کو دنیا کی پاکباز عورتوں میں کی، ایک پاکباز خاتون مانتی ہے اور اللہ کی محبوب و خاص بندی مانتی ہے، یہود حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کا دعویٰ کرتے اور جادوگر کہتے ہیں۔

عیسائی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ قتل ہوکر دوبارہ زندہ ہوگئے، اور اب آسمانوں میں چلے گئے ہیں، اسلام ان کے قتل ہونے کا انکار کرتا ہے، اس کے باوجود نصاریٰ ان کے دوست بنے ہوئے ہیں، یہ دونوں فرقے پھر کئی کئی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، کالے گورے میں فرق، ان کی عبادت گاہیں، ہوٹلس، کالونیاں، اسکولس اور کالجس سب الگ الگ ہیں، عبادت خانوں میں گٹار اور میوزک بجاتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی خیالی تصاویر اور بت بنا کر ان پر پھول چڑھاتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد کرنے کے بجائے عیسیٰ (Jesus) اور مریم (Mary) کو یاد کرتے ہیں، اور پھر اپنے آپ کو حق پرست تصور کرتے ہیں، انہوں نے اپنے علماء کو اپنا رب بنالیا۔

امت مسلمہ بھی خلافت راشدہ کے بعد کئی فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے، ہر گروہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ اور جنتی سمجھتا ہے اور دوسرے کو گمراہ اور جہنمی سمجھتا ہے، ایک گرہ کا آدمی دوسرے گروہ کے آدمی کا نہ احترام کرتا ہے نہ سلام کرتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کو مسلمان نہیں سمجھتا، حالانکہ سب کے پاس کتابِ الٰہی موجود ہے، سارے گروہ قرآن پڑھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کو پیغمبر مانتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج بھی ادا کرتے ہیں، مگر ان میں اتحاد و اتفاق نہیں، ہر کوئی اپنی مسجدیں الگ الگ بنا رہا ہے، مسلکوں کے نام پر ان کے دینی مدارس الگ الگ بنالئے ہیں، ذیلی و اختلافی مسائل میں ہم خیالی نہ رکھ کر ایک دوسرے سے دور رہتے ہیں، دین کی تبلیغ کے بجائے اپنے اپنے مسلکوں کی تبلیغ کرتے ہیں، ہر کوئی شخصیت پرستی میں گرفتار ہے اور ان کی قبروں کو عبادت گاہ بنالئے ہیں۔

مسلمان کسی پیغمبر کی توہین نہیں کرتے!

امت مسلمہ کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ تمام پیغمبروں پر ایمان رکھیں اور ان سے محبت رکھیں،

ان کا ادب واحترام کریں، کسی کا انکار نہ کریں اور نہ کسی پر کارٹون بنائیں اور نہ کسی کا مذاق اڑائیں، اور کسی پر غلط باتیں اور جھوٹے الزامات نہ لگائیں، کسی کی بے عزتی کے ساتھ نام نہ لیں، جس طرح حضرت محمد ﷺ کا ادب واحترام کیا جاتا ہے اور ان سے محبت کی جاتی ہے اسی طرح تمام انبیاءؑ کا ادب واحترام کریں اور ان سے محبت کریں، جس طرح قرآن کو آسمانی کتاب مانتے ہیں اسی طرح تمام انبیاء پر نازل ہونے والی تمام کتابوں کو آسمانی کتاب مانیں، دوسری قوموں کا حضرت محمد ﷺ پر مذاق اُڑانے، تنقید کرنے، کارٹون بنانے پر ان سے بدلے میں یہی کام نہ کریں اور نہ کسی پیغمبر کا مذاق اڑائیں، دیگر پیغمبروں کے حق میں بے عزتی کے الفاظ استعمال نہ کریں؛ ورنہ مسلمان باقی نہیں رہو گے، البتہ اطاعت واتباع حضرت محمد ﷺ کی کریں گے اور قرآن مجید کے مطابق ہی عمل کریں گے، اگر کوئی انسان کسی بھی قسم کی گستاخی، کسی بھی پیغمبر کی شان میں کرے گا تو وہ ایمان سے محروم ہو کر مسلمان باقی نہیں رہے گا، کافر ہو جائے گا۔

تحویل قبلہ کے حکم میں یہود کی خدا پرستی کا پول کھل گیا

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ. (البقرہ:۱۴۳)

ترجمہ: اور جس قبلہ پر تم پہلے کاربند تھے اُسے ہم نے کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کے لئے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کا حکم مانتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے؟ اور اس میں شک نہیں کہ یہ بات تھی بڑی مشکل، لیکن ان لوگوں کے لئے (ذرا بھی مشکل نہ ہوئی) جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی۔

ان آیات میں اللہ تحویلِ قبلہ کا حکم دے کر انسانوں کا امتحان لیا اور ایمان قبول کرنے والوں کی تربیت فرمائی، اور کھرے وکھوٹے کے فرق کو کھلے طور پر ظاہر کروادیا، اس حکم میں اطاعت وفرمانبرداری کسے کہتے ہیں اچھی طرح سمجھا دیا گیا، چنانچہ تحویل قبلہ کے واقعہ میں قیامت تک آنے والوں کے لئے ''اللہ کے حکم کی اطاعت وفرمانبرداری اصل عبدیت وبندگی ہے'' کا زبردست درس دیا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے ہی سے ان کی اولاد کا قبلہ بیت اللہ ہی ہے، حضرت نوح علیہ السلام تک سب کا قبلہ بیت اللہ ہی تھا، طوفان کے وقت بیت اللہ کی عمارت بھی گر گئی، اس کے بعد اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے اُسے دوبارہ تعمیر کیا، یہی ان کا اور ان کی اولاد اور

امت کا نماز اور حج کا مرکز اور قبلہ بنا رہا، انہوں نے اللہ کے حکم سے اس وقت ساری دنیا کے انسانوں کو حج کی آواز لگائی تھی، ان کی زندگی کے بہت زمانے بعد انبیاءِ بنی اسرائیل کے لئے بیت المقدس قبلہ قرار دیا گیا، بعض روایات میں ہے کہ انبیاء سابقین جو بیت المقدس میں نماز ادا کرتے تھے وہ بھی عمل ایسا کرتے تھے کہ بیت المقدس بھی سامنے رہے اور کعبۃ اللہ کی طرف بھی رُخ ہو جائے، مکہ میں جب رسول اللہ ﷺ پر نماز فرض ہوئی تو رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

مشرکینِ عرب کے نزدیک بیت اللہ کی اہمیت:

عرب کے مشرکین کا یہ حال تھا کہ وہ ایمان سے دوری کی وجہ سے شرک میں مبتلا تھے اور اللہ سے بڑھ کر اسباب سے محبت کرتے تھے اور باپ دادا کی اندھی تقلید میں وہ اسباب کی عظمت، تقدس اور محبت میں جیتے تھے اور اسی میں مرنے بھی تیار ہو جاتے تھے، ان کے نزدیک خدا سے بڑھ کر وطن کی محبت، خاندان و قبیلے کی محبت، نسل پرستی، قوم پرستی، بتوں کی محبت، نفس کی محبت ان کے دلوں میں بے انتہاء بھری ہوئی تھی، وہ اپنے آپ کو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد یعنی بنو اسماعیل سمجھتے اور اسی ناطے وہ بیت اللہ سے اللہ بڑھ کر محبت کرتے تھے اور اُسے بتوں سے بھر کر قوم پرستی کا بت بنا دیا تھا، اور کعبۃ اللہ کی عظمت، تقدس اور محبت میں جان تک دینے کے لئے تیار رہتے تھے، صرف حجر اسود کو نصب کرنے کے لئے تلواریں نکال لی تھیں، ان کی ساری قوم نے کعبۃ اللہ کو بھی ایک بت کی طرح مقام دے دیا تھا۔

ابرہہ کے واقعہ کے بعد ان کے دلوں میں مزید اس کا خوف بیٹھ گیا تھا، وہ اس پر جانوروں کو ذبح کر کے قربانی کا گوشت اور خون لا کر چڑھاتے تھے، اس کو توڑنے یا اس کے کسی حصہ کی تعمیر کرنے سے بھی خوف رکھتے تھے، کعبۃ اللہ سے تو بے انتہاء محبت و عظمت رکھتے تھے مگر کعبۃ اللہ کے مالک کے بھیجے ہوئے پیغمبر کو نہیں مانتے تھے اور پیغمبر ہی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا بیٹھے، گویا ان کے پاس اللہ کا ڈر و خوف نہیں تھا، اللہ سے بڑھ کر بیت اللہ کا ڈر اور احترام تھا، اسی بیت اللہ کے مجاور بن کر پورے عرب میں مقام و مرتبہ پایا' لیکن اکیلے اللہ کو ماننے اور اس کی اطاعت کے لئے تیار نہیں ہوئے، تحویل قبلہ کے حکم سے ان کی نافرمانی اور بغاوت کی حقیقت کھل گئی۔

اہل کتاب کے نزدیک بیت المقدس کی اہمیت:

بنی اسرائیل خاص طور پر یہود اپنے کو پہلے سے سب سے اعلیٰ نسل اور اللہ کے چہیتے اور اہل علم

پیغمبروں کی اولاد سمجھتے تھے، وہ بھی اپنے غرور وتکبر اور نسل پرستی اور باپ دادا کی اندھی تقلید میں اپنے آبائی قبیلے کے سواء کسی دوسرے قبیلے کو برداشت کرنا ان کے لئے بھی بہت مشکل اور نا قابل برداشت تھا، بیت المقدس یہود اور عیسائیوں کا قبلہ تھا، جب دونوں بیت المقدس میں ہوتے تو عبادت کے وقت بیت المقدس کی طرف رخ کر کے اُسے اپنا قبلہ بناتے اور مانتے تھے، اور جب بیت المقدس سے باہر ہوتے تو یہود مشرق کی طرف اور نصاریٰ مغرب کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے، مشرق و مغرب کو اپنا اپنا قبلہ تصور کرتے تھے، اور اللہ کے مشرق ومغرب میں ہونے کا تصور رکھتے تھے۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد مختصر مدت تک ہی بیت المقدس قبلہ رہا، ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ آپ بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنائیے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ ہجرت کے ساڑھے سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس قبلہ بنا کر نماز ادا کی، بیت المقدس مدینہ کے شمال میں ہے، مکہ جنوب میں ہے، اس کی وجہ سے سمت بالکل بدل گئی، اور اب کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرنے کا امکان باقی نہ رہا، لیکن اللہ اپنی حکمت سے تقریباً سترہ مہینے تک بیت المقدس ہی کی طرف نماز ادا کروانا چاہتا تھا۔

بیت المقدس کو قبلہ بنانے پر مکہ کے نئے مسلمانوں کو شاق گذرا:

مشرک عربوں کو اپنے اس قوم پرستی کے بت کو چھوڑنا بہت مشکل اور نا قابل برداشت تھا، جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ان کے لئے یہ بہت مشکل اور بڑا امتحان تھا، اور ان کے ایمان کو درست کرنے کی یہ حکمت بھی تھی، اس لئے کہ مسلمان عربوں کو یہ بات تکلیف دہ تھی، اس لئے کہ کعبۃ اللہ کی تعظیم اور اُسے اپنا قبلہ وہ بچپن سے اپنی قوم، باپ دادا سے دیکھتے سنتے آرہے تھے، سارا عرب حج کے لئے وہاں آتا تھا، ابرہہ نے اُسے گرانا چاہا لیکن قریب بھی نہ آسکا، ابرہہ کے واقعہ نے اس کی عظمت اور بڑھا دی، انسانوں کی یہ بہت بڑی کمزوری ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کے طور طریقوں کو چھوڑنے میں بہت مشکل محسوس کرتے ہیں، پھر یہ تو کعبۃ اللہ کا مسئلہ تھا۔

یہودی مسلمانوں کو اپنے قبلہ کی طرف رخ کرنے پر شک میں مبتلا کرنے لگے، مسلمانوں کو بیت المقدس کے رخ پر نماز ادا کرتا ہوا دیکھ کر اور بیت المقدس کو قبلہ بنانے پر یہود نے بہت خوش ہوتے ہوئے کہنا شروع کیا اور پروپیگنڈہ کرنے لگے کہ مسلمان خود ان کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کر رہے ہیں، اور ان کے قبلہ کو سچا مان رہے ہیں، لہٰذا ہم اور ہمارا مذہب سچا ہے، اس

پروپیگنڈے سے وہ مکہ کے مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اوران کے ایمان کو متزلزل کرنا چاہتے تھے تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کریں، یہ احساس پیدا کرنا چاہا کہ ان کا دین سچا ہونے کی وجہ سے محمد ﷺ خود ان کے دین کی پیروی کر رہے ہیں۔

یہود نے مسلمانوں کو یہودیت قبول کرنے کی دعوت دینی شروع کی:

مسلمانوں کے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے پر یہود نے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور اسلام قبول نہ کرنے کا یہی بہانہ بنایا تھا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا بیت المقدس کو قبلہ بنا کر نماز پڑھنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ان کا دین ہی سچا دین ہے، ان کا قبلہ ہی اصل اور صحیح قبلہ ہے، وہی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے لئے مناسب بات یہ ہے کہ وہ ان کا دین قبول کر لیں، ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دیں۔

رسول اللہ ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ بیت اللہ ہی قبلہ بنے:

بخاری شریف کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف اللہ کے حکم سے نماز ادا کرتے رہے، مگر فطری طور پر بیت اللہ سے کٹ جانا رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر بہت شاق گذر رہا تھا، آپ ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ بیت اللہ ہی مسلمانوں کا قبلہ ہو، جو بحکم الٰہی حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے نماز اور حج کے مرکز کیلئے بنایا تھا، آپ ﷺ اپنی دلی خواہش کے پورا ہونے کے لئے وحی الٰہی کے انتظار میں بار بار آسمان کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھتے تھے اور اس بات کی منتظر تھے کہ اس سلسلہ میں اللہ کی کوئی ہدایت ورہنمائی مل جائے۔

کعبۃ اللہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دینے پر یہود کا اعتراض وغصہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد اللہ نے جب بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا تو یہود بہت خوش ہو گئے، مگر جب یہود کو معزول کر کے دنیا کی امامت حضرت محمد ﷺ کی امت کو دے دی اور کعبۃ اللہ کو ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا اور دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں تمام مسلمانوں کو بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا اور امت مسلمہ کو امت وسط بنا دیا اور ان کی نماز کا مرکز بیت اللہ کو بنا دیا تو یہود پر بہت گراں گذرا، اس لئے کہ وہ اب اپنی بڑائی اور اعلیٰ ہونے کی دلیل نہیں دے سکتے تھے، اور نہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کر سکتے تھے، اس لئے کہ ان کو

ان کے مقام ومرتبہ سے سے معطل کر کے امت مسلمہ کو سب سے بڑا اور اعلیٰ مقام دے دیا گیا تھا، ان کو بھٹکانے اور ان کے بارے میں پروپیگنڈے کرنے کا موقع ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

اس حکم کی مخالفت میں انہوں نے دوسرے انداز سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہ کہنا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) آخر ہمارے قبلہ سے کیوں ہٹ گئے؟ جب بیت المقدس کی طرف رخ کرنا غلط تھا تو پہلے کیوں قبلہ بنایا اور جتنی نمازیں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ادا کی گئیں وہ سب اکارت گئیں، اگر بیت المقدس صحیح قبلہ تھا تو اب مسجد حرام بیت اللہ کی طرف رخ کرنا غلط ہے، بیت اللہ کی طرف رخ کر کے تم لوگ اپنی نمازیں ضائع کر رہے ہو، یہ دراصل اللہ کا حکم نہیں تھا، محمد (ﷺ) پر کوئی وحی نہیں آتی، وہ خود اپنے دل سے احکام دے رہے ہیں، اس طرح وہ مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنا چاہتے تھے، ان کے ساتھ منافقین نے بھی یہ اعتراض کیا کہ محمد ﷺ کے دین کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، ان کا قبلہ روز روز جب چاہے بدلتا ہے۔

بیت اللہ کو قبلہ نہ ماننا' دین ابراہیمی سے انکار:

اہل کتاب بیت اللہ کو قبلہ نہ مان کر دین ابراہیمی میں آنے سے انکار کیا، انہوں نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ کے دین پر گویا چلنے سے انکار کر دیا، تحویل قبلہ کے حکم کے بعد اہل کتاب نے اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کے دین اور ان کے بنائے ہوئے قبلہ کی طرف آنے سے انکار کر دیا اور اس عہد کی کھلی نافرمانی کی جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ نے دنیا چھوڑتے وقت اپنی اولاد سے لیا تھا کہ ''تم میرے بعد اپنے باپ دادا کے دین کے پیرو رہو گے''، اور اللہ کے حکم کے خلاف اپنے گھمنڈ، غرور اور اعلیٰ ہونے کے تصور سے اللہ کے نافرمان اور باغی بن گئے، جیسے شیطان نے حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کر کے غرور اور اعلیٰ ہونے کے تصور پر نافرمان اور باغی بنا، یہود اپنے اس انکار سے حزب شیطان میں شریک ہو گئے۔

بیت اللہ کی اصل وارث امت مسلمہ ہی ہو گی:

بیت اللہ کو قیامت تک امت مسلمہ کا قبلہ مقرر کر کے یہ تعلیم دی گئی کہ یہی وہ پہلا گھر ہے جسے زمین پر حضرت آدمؑ نے اللہ کے حکم سے سب سے پہلے بنایا تھا، طوفانِ نوح میں گر جانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ نے پھر اللہ کے حکم سے دوبارہ تعمیر کی، یہ وہ پہلا گھر تھا جو نماز کے مرکز اور حج کی مرکزیت کے لئے ایمان والوں کے لئے بنایا گیا تھا، اس لئے یہ صرف ایمان

والوں کی میراث ہے، مشرکوں کا اس پر کوئی حق نہیں، حضرت ابراہیمؑ نے اس گھر کو نماز کا مرکز بنانے اور اپنی اولاد میں ایک ایسا رسول جو کتاب کی تعلیم حکمت و موعظت کے ساتھ دینے والا ہو کو مبعوث کرنے کی دعا کی تھی اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو دین اسلام کی دعوت دے رہے ہیں اور قرآن مجید سمجھا رہے ہیں یہ اسی دعاء کے قبول ہونے پر بنو اسماعیل میں مبعوث ہوئے ہیں، انہی کی اولاد ہیں، اس لئے ان کی امت مسلمہ ہی حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کے وارث ہیں، اور اس گھر کے حقدار وہی ہیں، اگر اہل کتاب بیت اللہ کو قبلہ مان کر محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر ان کی اتباع و اطاعت کریں گے تو وہ بھی امت مسلمہ میں شریک ہو کر اس گھر کی میراث میں شریک ہو سکتے ہیں؛ ورنہ نافرمان اور باغیوں میں ان کا شمار ہوگا۔

تحویل قبلہ سے مشرکینِ مکہ اور اہل کتاب کا بہت بڑا امتحان تھا:

بیت اللہ اور بیت المقدس کی طرف رخ کروانا یہ اللہ کی ایک خاص حکمت اور امتحان کے تحت ہوا تھا، تحویل قبلہ سے دونوں گروپ کے لوگ جو اللہ سے بڑھ کر باپ دادا کی اندھی تقلید اور قوم پرستی، قبلہ پرستی، اسباب پرستی، بت پرستی اور نفس پرستی میں مبتلا تھے، ان کا دراصل امتحان اور آزمائش تھی، اس سے اہل کتاب کی خدا پرستی کا پول اور مشرکین کا خدا سے بڑھ کر بیت اللہ سے شرکیہ عقائد کے ساتھ چمٹے رہنا کھل کر سامنے آ گیا، ان کا صرف حضرت ابراہیمؑ سے نسبت دینا ایک ڈھونگ ظاہر ہو گیا، ورنہ وہ اپنے باپ کے دین ابراہیمی کی طرف واپس آنے اور اُسے اختیار کرنے سے انکار کر گئے، اور اللہ کے حکم کو نہ مان کر رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہ کر کے حقیقی قبلہ کو قبلہ ماننے سے انکار کر گئے، اور جو لوگ خدا سے بڑھ کر عربیت کے بت پرست تھے وہ بھی بیت المقدس کو وقتی قبلہ بنائے جانے سے اللہ کے حکم کو نہ مان کر رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہ کی اور اپنے آپ کو مشرک ہی ظاہر کر دیا، کٹ کر الگ ہو گئے، تحویل قبلہ نے ان کو چھانٹ دیا جو اپنے آپ کو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے اور کعبۃ اللہ کو قومی عظمت کا بت بنایا تھا، کعبۃ اللہ کو برائے نام اللہ کا گھر کہتے اور ان کا خدا سے تعلق کا ڈھونگ کھلے طور پر ظاہر ہو گیا کہ کون حقیقی اللہ کے پرستار ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے اور کون حزب شیطان ہیں، اللہ نے اپنی حکمت سے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے کا عارضی اور وقتی حکم دیا تھا، اس سے مقصود یہ امتحان تھا کہ کون اللہ کے حکم پر رسول اللہ ﷺ کی دل سے اتباع کرتا اور کون اپنی جہالت و نافرمانی پر جما رہتا ہے، کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو گئی۔

تحویلِ قبلہ کے ذریعہ اللہ کی ذات ہر سمت سے پاک ہونے کی تعلیم دی گئی:

تحویل قبلہ سے انسانوں کے اس جاہلانہ تصور کو ختم کیا گیا کہ اللہ مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں ہے، اللہ کی ذات سمت اور جہت سے بالاتر اور پاک ہے، یہ تمام سمتیں اللہ کی ہیں اور اسی کی بنائی ہوئی ہیں، کسی سمت کو قبلہ بنانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ اس سمت میں ہے، اللہ تمام سمتوں کا مالک ہے، کسی خاص سمت یا مقام میں مقید نہیں، سمت اور مقام تو مخلوق کے لئے مقرر کی جاتی ہے، مخلوق ایک سمت دیکھ سکتی ہے، ایک ہی سمت چل سکتی ہے، ایک ہی سمت بیٹھ سکتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرح نہیں، وہ کائنات کے کونے کونے میں، زمین و آسمان کی ہر مخلوق و ہر ذرہ کے حال کو ہر لمحہ دیکھتا ہے، ہر ایک کی سنتا اور ان کی پرورش کرتا ہے، اس کی مخلوقات ان سمتوں کے علاوہ اوپر نیچے، زمین آسمانوں میں ہر جگہ موجود ہے، اس لئے اس کے لئے سمت مقرر کرنا گمراہی اور غلطی ہے، اس نے قبلہ مقرر کر کے انسانوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ دنیا کے کسی کونے میں رہیں اپنے آپ کو کسی بھی مخلوق سے جوڑنے کے بجائے اپنے مالک اور پروردگار سے رجوع ہونے جوڑنے کے لئے اس مرکز کی طرف رخ کر کے رجوع ہوں، اسی لئے اس نے اپنے بندوں کو اپنے سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ایک سمت یعنی قبلہ مقرر کیا، جس کی طرف دنیا کے چاروں طرف سے ایمان والے اپنا رخ کرتے ہیں، اللہ نے اس مرکز کو دنیا کے سنٹر ہی میں بنایا ہے، جس کی وجہ سے اس کی کوئی سمت نہیں۔

فرشتوں کا قبلہ بیت المعمور بھی اسی کے بالکل اوپر ہے، چنانچہ جس طرح زمین پر اس کا طواف اور زیارت انسان کرتے ہیں آسمانوں پر ان کے ساتھ ساتھ فرشتوں کا طواف اور عبادت جاری رہتی ہے، جس طرح زمین پر اس گھر کا طواف اور عبادت بند نہیں ہوتی، آسمانوں پر برابر فرشتوں کا طواف اور عبادت کبھی بند نہیں ہوتی۔

ایمان والے بندے دنیا کے کسی کونے میں کیوں نہ ہوں نماز کے لئے ٹھریں تو ذہنی اور قلبی اعتبار سے اپنے حواس اور اعضاء و جوارح سے ہر طرف سے کٹ کر یکسوئی کے ساتھ مسجدِ حرام کی طرف رخ کر لیتے ہیں، اور یہ تصور رکھتے ہیں کہ ان کا مالک کسی مقام میں مقید نہیں، قبلہ نہ خدا ہے اور نہ خدا جیسا، وہ تو صرف ایک کعب نما کمرہ ہے، مٹی اور پتھر سے بنا ہوا ہے، پھر اس کو غلاف میں چھپا دیا جاتا ہے، جو صرف اور صرف نماز کا مرکزی مقام کی حیثیت رکھتا ہے، حج کا مرکز ہے اور توحید کی دعوت دیتا ہے، اور انسانوں کے ہاتھوں سے بنایا گیا ہے، وہ بھی صرف ایک مخلوق ہے، جس کی

وجہ سے پوری دنیا کی مساجد کا رخ اسی مرکزیت کی طرف ہوتا ہے اور ساری دنیا کے مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں انفرادی واجتماعی شکل میں، جنگل اور میدان میں، مسجد اور گھروں میں ہوں اسی کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں، اور اللہ کو مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی قیدوں اور سمتوں سے بالاتر وپاک سمجھتے ہیں، جس طرف رخ کر کے اللہ کو سجدہ اور رکوع کرتے ہیں اس طرف تھوکنے میں بھی احتیاط کرتے ہیں، اس کا سونے اٹھنے بیٹھے میں، بول وبراز میں، ادب واحترام کرتے ہیں، میت کو دفن کرنے میں اسی کی طرف میت کا رخ کرتے ہیں۔

بیت اللہ کو حج کا مرکز بنا کر حضرت ابراہیمؑ کو یاد دلایا جارہا ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بیت اللہ ہی کو تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے حج کا مرکز بھی بنادیا، دنیا کے کسی دوسرے ملک میں مسلمان حج نہیں کر سکتے، وہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضور اکرم ﷺ اور ان کے اہل وعیال کی نشانیاں ہیں، اور وہاں حاجی کو حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اور حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے واقعات تازہ ہوجاتے ہیں اور ایک ایمان والا حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کو یاد رکھ کر اپنا عقیدہ واعمال ان کی طرح بنا سکتا ہے، ان کی طرح اللہ سے والہانہ محبت اور لگاؤ پیدا کر سکتا ہے، اور ان کی طرح عبدیت وبندگی اور قربانیاں دینے کا سبق حاصل کر سکتا ہے، اس لئے بیت اللہ کو حج کا مرکز بنایا گیا تاکہ مسلمان ہر سال وہاں آکر توحید کا درس لیں اور اللہ سے محبت اور تعلق بڑھائیں، بیت اللہ کو اللہ نے مسلمانوں کے لئے تجلیات اور رحمتوں وبرکتوں کے لوٹنے کا مرکزی مقام بنادیا، یوں تو دنیا کی تمام مساجد اللہ کا گھر ہیں اور رحمتوں کو لوٹنے کے مقامات ہیں، مگر بیت اللہ کو اللہ نے خصوصی مقام عطا فرمایا۔

حج کے ایام میں ہر سال کالے گورے، امیر وغریب، عالم وغیر عالم سب اسی ایک مرکز پر جمع ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو ایک اللہ سے تعلق اور نسبت پیدا کرنے کے لئے اس قبلہ سے جڑتے اور اتحاد واتفاق اور مساواتِ انسانی کا درس لیتے ہیں، اور ایک امت ایک جماعت ایک قوم کا ساری دنیا کو ثبوت دیتے ہیں، یہ قبلہ تمام دنیا کے ایمان والوں کے لئے قیامت تک نماز اور حج کا مرکز بنادیا گیا۔

اس طرح اللہ نے ایمان والوں کو ایک قبلہ سے جوڑ کر شرک سے محفوظ کر دیا اور ایک جسم واحد کی طرح بنادیا، اس طرح کی مرکزیت دنیا کے کسی دوسرے مذہب والوں میں نہیں، اس طرح جوڑنے اور ہر روز اس کی طرف نماز میں رخ کرنے سے مسلمان دنیا کے کسی کونے کسی ملک کسی

علاقے میں رہیں اسی قبلہ کو اسلام کا مرکز اور اپنے آپ کو ایک امت مسلمہ تصور کرتے ہیں اور ایک اکیلے اللہ کی یاد کو زندہ رکھتے ہیں۔

تحویل قبلہ میں قبلہ کو خدا نہ سمجھنے کی بھی تعلیم ہے:

تحویل قبلہ میں یہ بھی حکمت نظر آتی ہے کہ قبلہ دراصل صرف ایک سمت کا نام ہے، ایک مرکز اور کمرہ اور نشانی ہے، اس کو خدا مت سمجھو، مشرکوں کی طرح اس کو بت سمجھ کر اس کی عبادت و پرستش مت کرو، نہ اس پر گوشت وخون چڑھاؤ، صرف اللہ کا حکم ہونے کی وجہ سے اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرو، خالص اللہ کی محبت واطاعت میں اس کا ادب واحترام ایک مخلوق کی حیثیت سے کرو، اس میں کوئی خدائی طاقت وکمال نہیں، اللہ جب جو حکم دے اسی طرف رخ کرنا اور جس طرف رخ کرنے سے منع کردے رُک جانا، ان مقامات کی کوئی ذاتی خصوصیت نہیں ہے، یہ خود بوسیدہ ہو کر گرا بھی ہے اور گرایا گیا بھی ہے، اس کی فضیلت اور عظمت صرف اللہ کے قبلہ بنانے سے ہوگی۔

جس طرح اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں، یہ سجدہ آدمؑ کو کوئی عبادت و پرستش کے لئے نہیں تھا بلکہ اللہ کے حکم کے تحت تعظیماً تھا، اس سجدہ کے ذریعہ اللہ کے حکم کو فرشتوں نے پورا کیا، حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے میں فرشتوں نے آدمؑ کو نہ اللہ مانا اور نہ ہی اللہ جیسا مانا، اسی طرح اس گھر کو اللہ کے حکم پر محترم جان کر اس کا طواف کرو۔

اسی وجہ سے مسلمان بیت اللہ کو نماز کا قبلہ مان کر اس کو اللہ یا اللہ جیسا نہیں سمجھتے، اور نہ وہ کوئی بت سمجھتے ہیں، وہ قبلہ کو ایک مرکز ایک نماز کے رخ کی نشانی، ایک بے جان عمارت تصور کرتے ہیں، کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے قیام، سجدہ اور رکوع کعبۃ اللہ کو نہیں اللہ کو کرتے ہیں، اور بیت اللہ مسجد حرام میں ہونے کی وجہ سے پوری دنیا میں اللہ کے گھر کے نام سے مشہور ہے، جس طرح دنیا کی تمام مساجد اللہ کا گھر کہلاتی ہیں اور یہ گھر تمام مساجد کی ماں کہلاتی ہے، یہ مسلمانوں کے لئے عقیدۂ توحید کا مرکز بھی ہے، اس کے ذریعہ شرک کی تمام جڑوں کو کاٹ دیا گیا، کروڑوں خداؤں کی پرستش میں بٹے ہوئے انسانوں کو قبلہ کی وجہ سے ایک اللہ سے جوڑ دیا گیا۔

مسلمان کے دوسری قوموں کو دعوتِ دین نہ دینے اور اسلام کی تصویر صحیح طرح سے نہ سمجھانے کی وجہ سے غیر مسلم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کعبۃ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ایک مٹی اور پتھر کے کمرے کو خدا مانتے ہیں، ان کے پیشوا اپنے ماننے والوں کو اس طرح سمجھا کر گمراہ کرتے ہیں۔

تحویل قبلہ کے ذریعہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرنے اور اسی کے واسطے ہر چیز کا ادب واحترام کرنے کی تعلیم دی:

اسلام انسانوں کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرنے اور ان کا ادب و احترام اور اطاعت اللہ ہی کے واسطے سے کرنے کی تعلیم دیتا ہے، انسانوں کو ہمیشہ اللہ کی عظمت، بڑائی واحترام میں زندہ رہنے کی تعلیم دیتا ہے، تاکہ انسان کا دل اسباب سے بالکلیہ کٹ جائے اور سب کچھ اللہ ہی سے ہونے کا تصور رکھے، تحویل قبلہ کے ذریعہ انسانوں کے دلوں کی جاہلیت کی آلودگی کو دور کیا گیا تاکہ انسان کی ساری کی ساری توجہ اسباب سے ہٹ کر دل و جان سے اللہ کی طرف ہوجائے، اللہ اور بندے کے درمیان نسل پرستی، خاندان پرستی، نفس پرستی، اسباب پرستی، وطن پرستی، بزرگ پرستی کا دخل نہ ہو، ان تمام چیزوں سے محبت واطاعت اور عظمت واحترام صرف اللہ کے واسطے اللہ کے حکم کے مطابق ہو، بیت المقدس اور کعبۃ اللہ سے رخ موڑنا دراصل اسی دل کی جہالت اور قوم وملت کی مقدس چیزوں کے جاہلانہ تصور سے دل کو پاک کرنا تھا، تاکہ انسان ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی پیروی واتباع کے لئے تیار رہے، اللہ کے حکموں پر دوڑے اور انسان اللہ سے بڑھ کر اسباب کی محبت میں گرفتار نہ ہو۔

بنی اسرائیل کا انبیاء کے ساتھ غلو میں مبتلا ہوکر اللہ کے حکم کو نہ ماننا:

پیغمبروں سے بھی محبت اللہ کے واسطے ہو، اللہ سے بڑھ کر پیغمبروں سے محبت کرنا شرک اور ایمان سے ہاتھ دھونا ہے، نبی کی عظمت واحترام اور اطاعت اللہ کے لئے ہو، پچھلی قوموں نے اللہ سے بڑھ کر اپنے اپنے نبی اور رسولوں سے محبت کی اور محبت میں غلو کر کے حد سے آگے بڑھ گئے اور اللہ کے حکم کا انکار کر دیا، جس کی وجہ سے وہ نئے رسول اور نئی کتاب کے آنے کے باوجود نہیں مانا اور نئے رسول کی اطاعت کرنے سے انکار کیا، اور اللہ کے حکم کے خلاف چل کر ایمان سے کفر میں مبتلا ہوگئے، جس کی مثال بنی اسرائیل بھی ہے۔

جس طرح بیت المقدس، تورات اور حضرت موسیٰؑ سے قومی ونسلی وابستگی اور غلو کی بنیاد پر یہود حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو باوجود بنی اسرائیل سے ہونے کے تورات کی تحریفات اور بدعات وخرافات کو درست کرنے نہ دے کر حضرت موسیٰؑ سے ہٹ کر نئے نبی اور نئی کتاب انجیل کو اللہ کے حکم کے باوجود ماننے سے انکار کیا، اور بعد میں حضرت محمد ﷺ اور قرآن مجید کا بھی انکار کیا،

پھر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ اور انجیل سے قومی و نسلی وابستگی اور غلو کی بنیاد پر اللہ کے حکم کے خلاف حضرت محمد ﷺ اور قرآن کا انکار کیا، یہ دونوں اپنے اپنے نبیوں کے مرتبہ میں غلو میں مبتلا ہو کر اللہ کے حکم کو نہ مان کر کفر کیا۔

یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنی سگی اولاد کو یا اس سے بھی بڑھ کر، مگر ان کے نزدیک اللہ کے حکم کے مقابلہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے نسلی امتیاز و قومی وابستگی بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی، جس طرح بیت المقدس کے ساتھ تھی، حق کو حق جاننے، اور پیغمبروں کو اور بیت اللہ کی حضرت ابراہیمؑ سے نسبت جاننے اور پہچاننے کے باوجود ان سب کا انکار کیا، اور پیغمبر کے خلاف مشرکین کی مدد کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔

اللہ نے انسانوں کو پیغمبروں سے محبت کرنے کا جو حکم دیا اس لئے دیا کہ لوگ پیغمبر کی محبت میں اللہ کے حکم وحی کی پیروی کریں، نہ کہ ان کی قوم و نسل کی بنیاد پر ذات سے محبت کر کے وحی کا انکار کریں، قرآن مجید کو آخری کلام الٰہی مان کر اس لئے بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ پچھلی کتابوں اور صحیفوں میں جو تحرفات کی جا چکی تھیں اور جو انسانی کلام کی ان میں ملاوٹ کر دی گئی تھی اور توحید و شرک کے فرق کو ملا دیا گیا تھا، ان تمام کتابوں کا عطر اور نچوڑ' قرآن مجید کو نازل کر کے دین ابراہیمی کی اصلی شکل پیش کی گئی، تاکہ انسان حقیقت میں خالص توحید، رسالت و آخرت کو مانے اور اپنی آخرت سدھار لے۔

اس سے امت مسلمہ کو بھی یہ سبق ملتا ہے کہ وہ پیغمبر سے بھی اللہ کے واسطے محبت کرے، مگر امت مسلمہ کے جاہل لوگ جو کتاب کی تعلیم سے واقف نہیں یا اپنے علمائے سوء کے بھٹکانے میں رسول اللہ ﷺ کی محبت میں غلو کر کے شرکیہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

حالانکہ یہ دونوں گروہ اپنی اپنی کتابوں اور نبیوں کے ارشادات سے حضرت محمد ﷺ کے آنے کی نشانیاں و پیشین گوئیاں اس طرح پڑھتے اور سنتے آ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آخری نبی کو انہی کے بھائیوں میں سے برپا کرے گا، اس نبی کا مقام ہجرت کے بعد یثرب ہوگا اور وہ شہر دعوتِ اسلامی کا مرکز ہوگا، وہ نبی بت پرستوں کو شکست دے کر کامیابی حاصل کرے گا، دین ابراہیمی کو دوبارہ اُسی کے ہاتھوں سربلندی نصیب ہوگی، وہ پچھلی کتابوں اور نبیوں کی تائید کرے گا۔

چنانچہ یہود حضور اکرم ﷺ کے آنے کے انتظار میں تورات میں نشانیاں پڑھ پڑھ کر پہلے

سے مدینہ میں آ کر بس گئے اور اپنے کھوئے ہوئے وقار کی واپسی کے لئے مشرکوں کے مقابلے کامیابی حاصل کرنے کے لئے آخری نبی کی مدد کے لئے اللہ سے دعائیں کرتے تھے، مگر جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو ان میں حسد وجلن پیدا ہوگئی اور یہ کہہ کر انکار کیا کہ یہ اسماعیلی ہے، اسرائیلی نہیں، قوم ونسل کا بہانہ بنا کر اللہ کے حکم کے باوجود نبی اور قرآن مجید کا انکار کیا اور دین ابراہیمی میں واپس نہ آئے، ایمان سے کفر میں چلے گئے، اللہ کا وعدہ تھا کہ وہ انہی کے بھائیوں میں سے ایک نبی برپا کرے گا، یہ نہیں کہا تھا کہ نبی اسرائیل میں سے برپا کروں گا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ بھی حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھے، حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ انہی کے بیٹے یعنی ایک ہی باپ کے بیٹے تھے، رسول اللہ ﷺ گویا بنی اسرائیل کے چچازاد بھائی تھے، بنی اسماعیل بھی حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں تھی۔

عبادت واطاعت نام ہے اللہ کے حکم کو پورا کرنے کا:

یہود نے بیت اللہ کو قبلہ نہ مان کر شیطان کی روِش اختیار کی، جس طرح اللہ نے فرشتوں کے ساتھ اُسے بھی حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنی بڑائی اور تکبر وگھمنڈ میں سجدہ نہ کر کے اللہ کے حکم کے خلاف کیا اور ذلیل کر کے نکال دیا گیا، اُسی طرح یہود اپنی نسل پرستی، بڑائی اور علم کے غرور وتکبر میں امی عربوں کا ساتھ نہ دیا اور حضرت محمد ﷺ کو رسول اللہ وپیغمبر نہ مان کر اور اللہ کے حکم کے خلاف بیت اللہ کو قبلہ نہ مان کر کفر میں مبتلا ہوگئے۔

عبادت واطاعت دراصل نام ہے اللہ کے حکم کو پورا کرنے کا، جس چیز کا جس وقت حکم دیا جائے اس حکم کی تعمیل اسی وقت کرنا ہی اطاعت وفرمانبرداری اور عبادت وغلامی ہے، جس طرح اسلام نے حکم دیا کہ عید کے دن روزہ نہ رکھیں تو روزہ نہ رکھنا عبادت وبندگی ہے، سورج کے طلوع، زوال اور غروب ہوتے وقت سجدہ نہ کرنے کا حکم ہے، تو اس وقت سجدہ نہ کرنا ہی عبادت وبندگی ہے، حالت حیض میں روزہ نہ رکھنا اور نماز نہ پڑھنا حکمِ خدا ہے، اس وقت روزہ اور نماز ادا نہ کرنا ہی عبادت وبندگی ہے، اسی طرح کسی چیز اور مقام کا تقدس اور اس کی عظمت صرف اللہ کے مقرر کرنے سے ہوتی ہے، قبلہ کی فضیلت بھی صرف اللہ کے حکم سے ہوگی، اور جب اللہ تعالیٰ حکم دے کہ اس طرف رخ کرو! تو اس حکم کو پورا کرنا ہی عبادت اور بندگی وغلامی ہے، اس کی طرف رخ کرنے میں ہی ثواب اس لئے ہوگا کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کی جائے، جب اللہ کسی چیز کو کرنے کے لئے کہے

وہ اسی وقت کرنا عبادت ہے۔

جب اللہ نے ایک سمت کو چھوڑ کر دوسری سمت رخ کرنے کا حکم دیا تو اس کو اگر یہود پورا کرتے اور اپنے قبلہ کو چھوڑ دیتے جس طرح صحابہ کرامؓ نے بیت اللہ سے رخ موڑ کر بیت المقدس کی طرف اور پھر دوبارہ حکم پر بیت المقدس سے رخ موڑ کر بیت اللہ کی طرف کرلیا، اور اللہ کے حکم کی تعمیل کی، اسی کو عبادت، عبدیت اور بندگی کہتے ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ کو حکم ملا بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں تو اس وقت آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیت المقدس کے رخ پر نماز پڑھ رہے تھے؛ حکم پر فوراً نماز ہی کی حالت میں بیت اللہ کی طرف رخ کرلیا، حالانکہ بیت المقدس اور کعبۃ اللہ ایک دوسرے سے مخالف سمت میں ہیں، امام کو حالتِ نماز میں مصلیوں کے سامنے چل کر آنا پڑا ہوگا اور پورے مصلیوں کو پلٹنا پڑا ہوگا اور عورتوں کو حالتِ نماز ہی میں پیچھے جانا پڑا ہوگا، دوسری مساجد میں لوگ باجماعت نماز کے رکوع میں تھے، باہر آواز آئی کہ بیت اللہ قبلہ بنادیا گیا، وہ لوگ رکوع ہی کی حالت میں پلٹ گئے، امام سامنے آگیا، ان کے نزدیک قبلہ سے زیادہ اللہ کی محبت اور اللہ کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا اتباع اہم تھا، انہوں نے قبلہ سے بڑھ کر اللہ کے حکم کو اصل سمجھا۔

اگر اللہ چاہتا تو نماز ختم ہونے کے بعد اپنے رسول ﷺ پر وحی نازل کر کے حکم دے سکتا تھا، مگر اللہ دیکھ رہا تھا کہ اس کا رسول اپنے صحابہؓ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہے، حالت نماز میں تحویلہ قبلہ کا حکم دے کر یہود کو بھی یہ تعلیم اور قیامت تک کے دنیا کے تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ عبادت دراصل اللہ کے حکم کو پورا کرنا ہے، چاہے وہ حکم نماز ہی کی حالت میں کیوں نہ دیا گیا ہو، عبدیت و بندگی کا طریقہ ہی یہ ہے کہ اللہ ہی سے سب زیادہ محبت کی جائے اور اللہ کی خاطر دوسری چیزوں سے محبت ہو اور جس وقت وہ حکم دے فوراً اُسے پورا کیا جائے۔

قبلہ سے محبت ہونا ایمان کا تقاضا بھی ہے!

قرآن مجید نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے قبیلے بنانے اور ان کی دعاؤں کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے اس گھر کے مقدس ہونے کا ہر ایمان والے کو احساس ہوتا ہے اور وہ فطری طور پر اللہ کے اس گھر سے وابستگی اللہ کے واسطے اس سے احترام اور محبت پیدا ہوجاتی ہے، اور کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرنا اس کی دلی تمنا بن جاتی ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کو تھی، ہر ایمان والے

کے دل میں کعبۃ اللہ یا بیت المقدس کی عظمت ومحبت اور اہمیت اس لئے ہوگی کہ اللہ کے حکم کی وجہ سے ان مقامات کو نسبت امتیاز اور مقرر کر کے قبلہ بنایا گیا۔

اللہ اگر چاہتا تو ان دونوں کے علاوہ تیسری جگہ کو بھی قبلہ بنا سکتا تھا، اس لئے کسی چیز اور مقام کا تقدس اور عظمت صرف اس لئے ہوگی کہ اللہ نے اس چیز اور جگہ کو پسند فرمایا، جس طرح اللہ نے حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ کو پسند فرمایا اور جس طرح اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کے اعمال کو حج کے ایام میں پسند فرمایا، جس طرح بی بی ہاجرہؑ کے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے اور ٹھہرنے کو پسند فرمایا اور تمام حاجیوں کو حج کے ایام میں ان مقامات پر ٹھہرنے اور دوڑنے کے ان اعمال کی نقل کرنے کا حکم دیا، اس لئے جو چیز اللہ کو پسند ہے اور جو وہ کرنے کو کہے اس چیز سے محبت کرنا اور وہ عمل کرنا عبادت و بندگی ہوگی، اللہ اگر عام کپڑے اتارنے اور احرام باندھنے کو کہے تو ایسا ہی کرنا ہوگا، حالت احرام میں خوشبو نہ لگانے اور ایام حج میں شکار نہ کرنے کا حکم دے تو ان سے بچنا ہی عبادت واطاعت ہوگی۔

جن لوگوں کے پاس حقیقی ایمان ہوگا وہ اللہ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں جیسا حکم ملے اُسے پورا کرتے ہیں، اسی کو قرآن نے فرشتوں کی اطاعت کے مظاہرے کو بیان کر کے اطاعت سمجھایا ہے کہ ان کے نزدیک اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز کی اہمیت نہیں ہے۔

تحویل قبلہ کے واقعہ سے ملنے والا سبق

☆ انسان کو جب ایمانیات کی تعلیم مکمل نہیں ملتی اور وہ اللہ کی صحیح معرفت نہیں رکھیں گے تو اللہ سے بڑھ کر محبت وعظمت مخلوقات کی رکھتے ہیں اور مخلوق سے جڑے رہتے ہیں۔

جس طرح اہل کتاب کے گروہ کے ایمان کی کمزوری، اور عربوں کا شرک میں گرفتار رہنا، اور اسباب کو اصل سمجھنا، ان کی عظمت وتقدّس اور محبت میں جینا تھا، اسی طرح دنیا کے اکثر انسان وطن کی محبت، نسلی محبت، قومی محبت، خاندان وقبیلوں کی محبت، بیٹوں کی محبت، نفسانی خواہشات میں اللہ کے حکموں کی پرواہ نہیں کرتے، اللہ سے نڈر بن کر ان اسباب سے چمٹے رہتے ہیں جس کی وجہ وہ اللہ کی اطاعت نہیں کرتے۔

☆ اگر قبلہ مقرر کرنے کی آزادی انسانوں کو دی جاتی تو پھر ان میں زبردست اختلاف پیدا

ہوجاتا، یا بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم نہ ہوتا تو انسانوں میں اختلاف ہوکر ہر مسجد کا قبلہ الگ الگ ہوجاتا اور ایک ہی مسجد میں کوئی مشرق کی طرف کوئی مغرب کی طرف رخ کرتے، اور افرا تفریح میں مبتلا ہوجاتے، اس لئے ضروری تھا کہ اس کا فیصلہ خود اللہ ہی کی طرف سے ہو، گویا یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اس نے بیت اللہ کو ایمان والوں کے لئے نماز کی سمت مقرر کردی اور پوری دنیا میں یکسانیت قائم ہوگی۔

☆ مسلمانوں کا حالت نماز میں بیت اللہ کی طرف رخ کرنے سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ یہ امت ایک ہی ہے اور ایک ہی خدا کی پرستش و بندگی کرتی ہے، ایک ہی رسول کی اتباع کرتی ہے، مسلمان قبلہ سے جڑے رہنے کے باوجود نسلوں، زبانوں، ملکوں، رنگوں، پیشوں میں الگ الگ ہونے کے باوجود ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، اسی کی وجہ سے پوری امت میں اتحاد و محبت اور بھائی چارگی پیدا ہوگی اور وطن، نسل اور زبانوں کے اختلاف کے باوجود مساواتِ انسانی اور اتحاد قائم ہوگیا، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی ہے۔

دنیا کے دوسرے مذاہب میں ایسا اتحاد و اتفاق نہیں، وہ رنگوں کے اعتبار سے اپنی عبادت گاہیں الگ الگ بنا چکے، اونچ نیچ اور ذات پات، کالے گورے کے اعتبار سے وہ ایک جگہ اور ایک عبادت گاہ میں جمع نہیں ہوسکتے، ان میں آپس میں پیشوں، ملکوں، ذاتوں، نسلوں اور قوموں کے اعتبار سے علاحدہ علاحدہ جمع ہونے کا طریقہ ہے، امیر و غریب ایک جگہ ایک عبادت خانے میں جمع نہیں ہوسکتے، وہ باوجود ایک ملک، ایک نسل اور ایک قوم ہونے کے اتحاد و اتفاق اور مساوات انسانی سے دور ہیں، ان کے قبلے اور عبادت گاہیں مختلف ہوتی ہیں اور مختلف سمتوں میں ہوتی ہیں، ایک ہی مذہب کے لوگ مختلف ملکوں میں مختلف قبلوں کی طرف عبادت میں رخ کرتے ہیں۔

بیت اللہ اللہ کی طرف رجوع ہونے کی ایک علامت ہے:

جس طرح پڑھائی کے لئے سکون، خاموشی اور شور سے دوری کا ماحول چاہئے، نیند کے لئے اندھیرا اور خاموشی کا ماحول چاہئے، اسی طرح عبادت کے لئے اللہ نے اپنی حکمت سے ہر عبادت کی کچھ ظاہری شکلیں رکھی ہیں جس سے انسان اپنی پوری روحانی طاقت، جذبات و خیالات اور جسمانی اعضاء سے تیاری کرکے اللہ سے رجوع ہوکر توبہ کرسکتا ہے، چنانچہ نماز کے لئے غسل، وضو، اذان، قبلہ رخ ہونا، جماعت کا اہتمام، تکبیرات کہنا، قیام کرنا، تلاوت کلام پاک سننے، رکوع و سجدہ کرنے،

تسبیحات پڑھنے، التحیات پڑھنے، جگہ صاف ستھری ہونے، ستر کے ڈھانکنے والی شکلیں رکھیں۔

حج میں بیت اللہ سے پہلے ایک خاص مقام سے احرام باندھنا، تلبیہ پڑھنا، نیت باندھنا، سعی کرنا، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں قیام کرنا، طواف کرنا، قربانی کرنا، حلق یا قصر کرنا اور دورانِ حج بیوی سے صحبت نہ کرنا، اسی طرح روزے میں نیت کے ساتھ سحری و افطار کرنا، کھانے پینے اور مباشرت سے بچنا، جھوٹ، غیبت، چغلی، بدزبانی اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرنا' جیسے ظاہری اعمال رکھے ہیں، اس سے انسان اپنے اندرون اور بیرون سے اللہ سے تعلق پیدا کرسکتا ہے اور اپنے پورے جسمانی اعضاء و جوراح اور روح کے ساتھ اللہ سے رجوع ہوسکتا ہے، صرف نیت یا دھیان یا گیان کے ساتھ عبادت کا طریقہ نہیں رکھا۔

عبادتوں کی ظاہری شکلیں پوری طرح ادا کرنا شرط ہے، ان تمام باتوں کا اہتمام کرنے سے انسان اللہ سے آسمان سے عبادات میں اپنا ربط و تعلق قائم کرسکتا ہے، اگر عبادات کے لئے یہ سب ظاہری شکلیں نہ ہوتیں اور اُسے صرف آنکھیں بند کرکے دھیان کرکے بیٹھے رہنے کا عبادت کا طریقہ ہوتا تو انسان یکسو ہوکر اللہ کی طرف رخ اختیار نہیں کرسکتا تھا، اس لئے کہ انسان اسباب کی دنیا میں مصروف رہتا ہے، ہمیشہ اسباب ہی کے خیالات اس کے ذہن و دماغ میں گھومتے رہتے ہیں، اس طرح گویا عبادت سے پہلے اللہ سے یکسو ہوکر تیاری کا طریقہ رکھا۔

نماز جمعہ کے لئے بھی پہلے غسل، وضو، صاف ستھرے کپڑے اور خوشبو استعمال کرنے، اذان کے ساتھ ہی کاروبار بند کرکے مسجد چلے جانے کا حکم ہے، ان تمام شکلوں کو اختیار کرنے سے انسان بار بار وسوسے اور خیالات سے کٹ کر اللہ سے رجوع ہونے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور آسمان سے اپنا ربط پیدا کرسکتا ہے، اُسے بہرحال روحانی کیفیت حاصل ہوتی رہتی ہے۔

جن لوگوں کو اللہ کی پہچان نہیں ہوتی وہ اپنے ذہن و دماغ کو عبادت کے لئے تیار نہیں کرسکتے اور وہم و گمان سے اسباب کی دنیا میں گم رہ کر صرف گیان میں ہی بیٹھ کر اپنی اندرونی پیاس کو آسمان سے تعلق و ربط پیدا نہیں کرسکتے اور خدا کی خیالی غلط شکلیں بنا کر اللہ سے رجوع ہونے کے لئے اپنے ذہن و دماغ کی تصویروں میں گم ہوجاتے ہیں اور اپنے ذہن و دماغ کو دھوکہ دیتے ہیں، وہ اپنے آپ کو اللہ سے جوڑنے کے بجائے غلط رخ سے جوڑ لیتے ہیں۔

اللہ نے ایمان والوں کو نماز کا طریقہ جو اللہ کو یاد رکھنے اور یاد کرنے اس کا ادب و احترام اور

تعظیم بجالانے اور انسان کو اپنے عاجز، مجبور اور چھوٹا محتاج ہونے کا احساس پیدا کرنے کے لئے بار بار قیام، تلاوت، رکوع اور سجدہ کرنے کا نظام رکھا، اور ساری چیزوں سے رخ موڑ کر دنیا کے اسباب سے الگ ہوکر کچھ دیر کے لئے یکسوائی کے ساتھ نماز کے شرائط پورا کرتے ہوئے رجوع ہونے کا نظام رکھا، جس کی وجہ سے انسان کا ایمان بار بار تازہ ہوتا رہتا ہے اور وہ اللہ سے غافل ہونے نہیں پاتا، اگر انسان بغیر غسل اور وضو کے نماز کو قبلہ رخ ہوکر ادا نہ کرے تو اس میں اللہ سے وابستہ ہونے اور اللہ کے سامنے کھڑے ہونے یا اللہ کے اس کو دیکھنے کا احساس پیدا نہیں ہوتا، اس لئے اللہ نے ایمان والوں کے لئے بیت اللہ کو نماز اور حج کا مرکز بنا کر اور نماز و حج کے پورے آداب و شرائط ادا کروا کر اپنی طرف دھیان پیدا کرنے کی ایک علامت اور نشانی بنائی ہے، جو مٹی اور پتھر کا صرف ایک کمرہ ہے جسے غلاف سے ڈھانک دیا جاتا ہے، ورنہ اس میں کوئی خدائی طاقت نہیں۔

انسان اپنی حکومت کی علامت و نشانی مقرر کرتا ہے:

اللہ کی توفیق سے انسان خود اپنی حکومتوں میں اپنے ملک کی نشانی اور علامت دکھانے کے لئے ایک جھنڈا مقرر کرتا ہے، سارے ملک کی عوام، فوج اور حکومت کے نمائندے اسی جھنڈے کی نسبت سے حکومت کے ساتھ جڑے رہنے کے لئے وفاداری کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ وہ جھنڈا صرف ایک بے جان چیز ہوتا ہے، ملک نہیں ہوتا، ایک لکڑی اور کپڑے کا ہوتا ہے مگر ملک سے جڑے رہنے کی علامت اور نشانی بنا رہتا ہے، فوج میں الگ الگ بٹالین ہوتی ہیں، بحری، بری، ہوائی، فوج اور حکومت کے مختلف ڈپارٹمنٹ ہوتے ہیں مگر ان کی پہچان کے لئے الگ الگ جھنڈے نہیں ہوتے، ہر ملک کا جھنڈا اس ملک کی فوج اور حکومت اور اس کے تمام شعبوں اور نمائندوں کے لئے وہ گویا ایک قبلہ نما نشانی اور علامت ہوتی ہے جس کو دیکھتے ہی دنیا کے کسی کونے میں انسان کو اپنا ملک یاد آجاتا ہے اور وہ اس کا احترام کرتا ہے، ملک کی ساری فوج اسی کے اطراف جمع ہوتی ہے، اُسے سلامی دیتی ہے، اس طرح وہ اپنے ملک کے ساتھ گویا وفاداری کا اظہار کرتی ہے، اسی کے اطراف یا اس کو سامنے رکھ کر پریڈ کرتی ہے، گویا جھنڈا' حکومت کے ساتھ ظاہری وفاداری اور احترام کی نشانی ہوتا ہے، میدانِ جنگ میں بھی جھنڈا لہرایا جاتا ہے تاکہ فوج یکسو ہوکر اتحاد قائم رکھ کر مقابلہ کرے، اسی سے فوج میں یکجہتی و اتحاد قائم رہتا ہے، بھٹکنے نہیں پاتی۔ (مثال رہبری کے لئے ہے برابری کے لئے نہیں)

دنیا میں اللہ کسی کو ان کی سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آتا، اللہ نے ایمان والوں کو اپنے سے جوڑے رکھنے اور تعلق پیدا کرنے اور وفاداری کا اظہار کرنے کے لئے بیت اللہ کو ایک بے جان نشانی اور علامت دنیا میں بنادی، بیت اللہ اللہ کے ساتھ شریک نہیں، نہ وہ اللہ جیسا ہے، اس میں کوئی خدائی طاقت وصفات نہیں، وہ تو اللہ کے حکم سے انسانوں نے پتھر اور گارے سے بنایا، وہ تو صرف نماز میں اللہ سے تعلق پیدا کرنے اور اپنے اندرونی جذبات وخیالات کی وفاداری کا اظہار کرنے کا ایک مرکز ہے، آسمانی دنیا سے ربط وتعلق پیدا کرنے کا مرکز نشانی اور علامت ہے تاکہ انسان اس کی طرف رخ کر کے اپنے ہوش وحواس کو ایک جگہ کر کے یکسوئی کے ساتھ عبادت میں خشوع خضوع پیدا کر سکے اور دنیا میں جہاں بھی رہے اس کی طرف رخ کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا تصور رکھے اور حج کے ایام میں وہاں حج کر کے اپنے اندر اکیلے اللہ ہی سے تعلق ومحبت بڑھا سکے۔

ایک ایمان والا جب بیت اللہ کی طرف رخ کرتا ہے تو دنیا کی ساری چیزوں سے رخ موڑ کر اس کی طرف رخ کر کے اللہ سے رجوع ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ اپنی محبت اور وفاداری کا اظہار کرتا ہے، جس طرح انسان جھنڈے کو ملک نہیں سمجھتا بس ملک سے نسبت ووفاداری کرنے کی ایک نشانی سمجھتا ہے، بیت اللہ بھی مؤمن کے نزدیک خدا نہیں بلکہ اللہ کی طرف رجوع ہونے کی نشانی اور علامت تصور کرتا ہے، وہ بیت اللہ کی طرف رکوع اور سجدہ کر کے بیت اللہ کو نہیں اللہ کو سجدہ اور رکوع کرنے کا تصور رکھتا ہے، اس کے نزدیک بیت اللہ ایک نشانی سمت اور علامت ہوتی ہے۔

جس طرح جھنڈے کی کوئی سمت نہیں ہوتی، اس کا اگلا اور پچھلا حصہ نہیں ہوتا، اس کے اطراف ہر طرف سے ٹھہرنے والا اپنے آپ کو اس کے سامنے تصور کرتا ہے، اسی طرح کعبہ کی بھی کوئی سمت نہیں، اس کے چاروں طرف رخ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے، اس کا کوئی اگلا پچھلا حصہ نہیں ہوتا، ہر طرف ٹھہرنے والا اپنے آپ کو اس کے سامنے پاتا ہے، پھر اس کمرے پر غلاف اُڑھا کر اُسے ڈھانک بھی دیا جاتا ہے، فتح مکہ کے بعد حضرت بلالؓ نے اس پر چڑھ کر اذان دی تھی، اس کی داغ دوزی اور مرمت کے لئے اس پر چڑھا جاتا ہے اور اندر جا کر پانی سے صاف صفائی کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کے اندر جانے والے بھی نفل نماز پڑھتے ہیں، اس کا کچھ حصہ کمرے سے باہر کھلا ہوا ہے، جو حطیم کہلاتا ہے، جس پر کوئی عمارت وغیرہ نہیں، اور ہر روز زیارت کرنے والے اس میں نفل نماز ادا کرتے ہیں، شائد اللہ نے اپنی حکمت سے دنیا کے انسانوں کو سمجھانے کے

لئے اُسے کھلا رکھوایا ہوگا کہ مسلمان اس عمارت کی عبادت نہیں کرتے، یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ مسلمان نہ اُسے خدا سمجھتے ہیں اور نہ اس کے اندر خدائی تصور رکھتے ہیں۔

اس تشریح پر غیر مسلم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی خدا سے لولگانے ایک مورتی سامنے رکھ کر خدا کا دھیان پیدا کرتے ہیں، یہ بات صحیح نہیں، وہ مورتی کو خدا سمجھتے ہیں، اس کی صورت شکل بناتے ہیں اور اس کو ایک رخ پر بٹھاتے ہیں، اس کا اگلا پچھلا حصہ ہوتا ہے، اور اسی کی تصویر ذہن میں رکھ کر عبادت کرتے ہیں، اسی سے دعاء مانگتے ہیں، اس کو خدا کی تصویر اور مورتی سمجھتے ہیں، اُسے خدا کے نام سے پکارتے ہیں اور خدا سمجھ کر گھروں میں رکھتے بھی ہیں، مؤمن کعبۃ اللہ اور حجر اسود کو نہ خدا سمجھتا ہے نہ نفع ونقصان پہنچانے والا سمجھتا ہے، بس پتھر کی عمارت اور پتھر سمجھتا ہے، غیر مسلم مورتی ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے، مسلمان دل میں بھی اللہ کی کوئی شکل وصورت نہیں بنا سکتا، اگر بنالے تو وہ شرک ہوجائے گا، نماز ناکارہ اور بیکار ہوجائیگی، پھر ہر جگہ غیر مسلم عبادت کے لئے الگ الگ خیالی شکلوں کو سامنے رکھتا ہے، کہیں جھاڑ کی، کہیں جانور کی، کہیں انسان کی، کہیں دیویوں اور دیوتاؤں کی الگ الگ تصویریں بنا کر عبادت کرتے ہیں، ان کو نفع ونقصان پہنچانے والے سمجھتے ہیں، انہی کے نام پر عبادت خانے کا نام رکھتے ہیں۔

کعبۃ اللہ میں جنت کا ایک پتھر ''حجر اسود'' کے نام سے لگا ہوا ہے، اسے لوگ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں بوسہ دیتے ہیں، اس سے بہت سارے غیر مسلمین کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ مسلمان پتھر کو خدا سمجھ رہے ہیں، حالانکہ ایک مسلمان یہ تصور رکھتے ہوئے بوسہ دیتا ہے کہ وہ صرف ایک پتھر ہے جس میں نہ کوئی خدائی طاقت ہے اور نہ وہ نفع ونقصان دے سکتا ہے، اگر ہمارے پیغمبر اس کو بوسہ نہ دیتے تو ہم بھی بوسہ نہ دیتے، غیر مسلم جب مورتی کو پوجتا ہے کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اے مورتی! تو ایک مورتی ہے جو پتھر، لکڑی اور دھات جیسی مخلوق سے تجھے ہم نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور بٹھایا ہے، تجھ میں نہ خدائی طاقت ہے، نہ تو خدا ہے اور نہ تو نفع ونقصان دے سکتی ہے، اگر کوئی ایسا کہے تو پھر وہ بچوں کے کھیلنے کی ایک گڑیا بن جائے گی، کوئی غیر مسلم یہ عقیدہ رکھ کر اُس کی عبادت نہیں کرتا، کیا ایک غیر مسلم اپنی بنائی ہوئی مورتی پر چادر اڑھا کر اُسے ڈھانک کر عبادت کرسکتا ہے؟ اگر وہ ڈھانک دے تو عبادت کرنے والے اور اس کے درمیان پردہ ہوجائے گا۔

موجودہ زمانے میں عجمی مسلمانوں میں کچھ عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، وہ مختلف

گروہوں میں بٹتے جارہے ہیں اور قرآن اور رسول کو ماننے کے باوجود ان کا حال یہ ہے کہ ہر گروہ قبلہ تو نہیں بدلا البتہ اپنی اپنی مسلکی مسجدیں الگ الگ بنارہے ہیں اور اپنی ہی مسلکوں اور گروہوں کی مسجدوں میں نماز ادا کرنے جاتے ہیں، اس پر دوسرے مسلک والوں کو نہ آنے دینے کی غرض سے تختی لگاتے ہیں کہ یہ فلاں مسلک کی مسجد ہے، حالانکہ عرب علاقوں میں اور خاص طور پر بیت اللہ اور مسجد نبوی میں سب مل کر ایک ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے جب امام ابوحنیفہؒ کی قبر کے قریب کی مسجد میں نماز ادا کی تو کوئی اختلاف نہیں کیا، ان کے مسئلہ کے مطابق نماز ادا کی مگر آج مسلمان مسجدیں الگ الگ بنا کر تفرقہ پیدا کر رہے ہیں، موجودہ زمانے میں بیت اللہ کی جگہ جماعتوں نے لے لی اور پیر و مرشد اور اکابر ان کا قبلہ بن گئے، ایک گروہ کا قبلہ فلاں پیر، دوسرے کا فلاں بزرگ، کسی کا فلاں مرشد، اس طرح بیت اللہ کی جگہ مسلک کی مسجدیں قبلہ بن گئیں۔

حضرت یحییٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو سدھرنے کا آخری موقع دیا گیا

ترجمہ: تو اے بنی اسرائیل جب بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی بات لیکر آیا جس کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا اور تم اپنے آپ کو بڑا جانتے رہے، پس بعض کو تم جھٹلاتے ہو اور بعض نبیوں کو تم نے قتل کر ڈالا۔ (البقرہ:۸۷)

ترجمہ: پھر یہ لوگ کفر میں اتنے بڑھتے گئے کہ مریم پر سخت بہتان لگایا اور خود ہی کہنے لگے کہ ہم نے مسیح ابن مریمؑ رسول اللہ تک کو قتل کر ڈالا، حالانکہ یہود نہ تو مسیح کو قتل کر سکے اور نہ صلیب پر چڑھا سکے، لیکن مسیح کی صورت بن گئی، ان کے آگے اور جو لوگ اس بارے میں اختلافی باتیں کرتے ہیں وہ خود بھی شک میں مبتلا ہیں۔ (النساء:۱۵۶، ۱۵۷)

حضرت موسیٰؑ کے بعد جب بگاڑ آیا تو وہی کچھ حرکتیں انہوں نے شروع کر دیں جو حضرت موسیٰؑ سے قبل مصر میں کرتے آرہے تھے، مگر پھر بھی کلی طور پر انہوں نے دینِ موسوی کو نہیں چھوڑا تھا، تورات کو بہر حال برائے نام صحیح مانتے تھے، کتاب کے بہت سے احکام کی جان بوجھ کر خلاف

ورزی کرتے تھے، البتہ ان کے مکار دنیا پرست عالم تورات میں آہستہ آہستہ تحریفات کر کے دین موسوی کا نقشہ بگاڑ دیا تھا اور عوام کو بدعات وخرافات اور شرکیہ عقائد واعمال کا عادی بنا دیا تھا، اور حرام وحلال سے بے پرواہ کر دیا تھا، اسی کو درست کرنے کے لئے اللہ نے مسلسل پیغمبر بنی اسرائیل میں بھیجتا رہا، ان کے بگاڑ کی وجہ سے بار بار عذابات بھی آتے رہے، مگر ان کی روش نہیں بدلی، وہ پے در پے انبیاء اور مصلحین کو قتل کرتے رہے، آخر میں اللہ نے بنی اسرائیل میں ان کی اصلاح اور توارت کی بگاڑ کو دور کرنے اور سدھرنے کا آخری موقع دینے کے لئے ایک ہی وقت میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو بھیجا اور ان کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں، یہ دونوں بھی بنی اسرائیل ہی میں سے تھے، پوری قوم کو معلوم تھا کہ یہ دونوں اللہ کے نبی ہیں، ان کا انکار انہی لوگوں نے کیا جو حق سے دشمنی رکھتے تھے، ان دونوں کی دعوت کو بھی رد کر دیا اور آخری موقع بھی کھو دیا، ان کے بعد بنی اسرائیل میں نبیوں کے آنے کا سلسلہ بند ہو گیا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو برداشت نہ کر کے جیل بھجوا دیا

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ نے بچپن ہی میں دین کی سمجھ اور نبوت عطا فرما دی، ان کو نرم دلی اور پاکیزگی عطا فرمائی، وہ بڑے پرہیزگار اور اپنے والدین کے خدمت گذار تھے، رحم دل اور بہت پاکیزہ رہتے، اللہ سے ملاقات کا بہت زیادہ شوق رکھتے تھے، اللہ کی نافرمانی سے بہت دور رہتے، اللہ نے ان پر سلامتی ہی سلامتی نازل فرمائی۔

نصاریٰ ان کو یوحنا (یحییٰ) کے نام سے جانتے ہیں، وہ دریائے یردن میں لوگوں کو بپتسمہ دیتے تھے، اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنتے اور چمڑے کا بیلٹ اپنی کمر سے باندھے رہتے تھے، وہ شہد اور ٹڈیاں کھایا کرتے، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا پیغام تھا کہ اپنے طور طریقے بدلو! ورنہ خدا تمہیں عذاب دے گا، لوگ شہر سے ان کے پاس آ کر حکمت ودانائی کی باتیں سنتے اور بپتسمہ لیتے تھے، وہ کہتے توبہ کرو! بپتسمہ لو خدا تمہارے گناہ معاف کرے گا۔ (متی)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہودی فرمانروا ہیرودیاس کے اپنے بھائی فلپس کی بیوی سے ناجائز تعلقات تھے، اس پر حضرت یحییٰ نے بار بار ٹوکا جس کی وجہ سے ان کو جیل میں ڈال دیا گیا، یہودیوں نے بادشاہ کو بہکایا، حالانکہ وہ ان کو نیک سمجھتا تھا، ہیرودیاس کی سالگرہ کے جشن

کے موقع پر معشوقہ کی بیٹی کے زبردست رقص کرنے پر اس نے اس سے قسم کھا کر کہا: مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس پر اس بدچلن عورت نے ماں کی خواہش پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مانگا، یہ سن کر بادشاہ غمگین ہوا، مگر معشوقہ کی خواہش رد نہیں کیا، چنانچہ اسی وقت قید خانہ سے حضرت یحییٰؑ کا سر کٹوا کر طشت میں رکھ کر پیش کر دیا گیا۔ (متی)

حضرت عیسیٰؑ کو حضرت یحییٰؑ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کی پوری خبر تھی کہ انہیں ۳۲ رسال کی عمر میں شہید کیا گیا، اس لئے مسیح غالباً روپوش ہو گئے تھے، حضرت مسیحؑ کے واقعہ صلیب سے دو ڈھائی سال پہلے حضرت یحییٰؑ کے یہود دشمن بن کران کو جیل بھیج دیا تھا، وہ جانتے تھے کہ وہ پیغمبر ہیں، قوم کے صالح اور نیک نوجوان ہیں، مگر وہ جب یہودیوں پر تنقید کئے اور برائی گناہ کا احساس دلایا تو یہودی برداشت نہ کر سکے، شکایت کر کے جیل بھجوادیا، اور پھر آخر میں سر قلم کروادیا۔

حضرت عیسیٰؑ نے تورات کی تحریفات کو درست کرنے کے لئے جاہلانہ طور طریقوں کو مٹانے کی محنت کی:

تورات کی اصل تعلیمات میں جو کچھ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں محفوظ تھا مسیحؑ خود بھی اس کو مانتے اور کوئی نئے دین کی دعوت نہیں دے رہے تھے، وہ تورات کی تصدیق کرتے تھے، انہوں نے خود فرمایا: ''مجھے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہے، انہوں نے کہا کہ یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں پورا کرنے آیا ہوں۔

وہ چاہتے تھے کہ جس طرح اللہ کی بادشاہی آسمانوں پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو، وہ اپنے آپ کو آسمانی بادشاہت کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کرتے تھے، اور کہتے کہ میں تمہارے جھوٹے علماء کی رہبانیت اور عقائد میں غلو، شرک اور شریعت میں اضافہ تحریفات، حلال وحرام اور جاہلانہ طور طریقے رسموں کو درست کرنے آیا ہوں، وہ اکیلے اللہ کی بندگی اور عبادت کی دعوت دیتے تھے، انسانی قانون کے بجائے خدائی قانون کی اطاعت کروانا چاہتے تھے، مسیحؑ کے زمانے میں یہود کو رومیوں کی غلامی برداشت تھی مگر نبی کی اطاعت اور اللہ کا ڈر برداشت نہیں ہوتا تھا، یہ لوگ بیمار رہ کر اپنے آپ کو تندرست سمجھتے تھے اور آج بھی وہی حال ہے، نبوت اور کتاب صرف بنی اسرائیل میں دیکھنا چاہتے تھے، اس کے باوجود حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کے وعظ ونصیحت کو برداشت نہ کر سکے، حضرت عیسیٰؑ کو جادوگر اور شعبدہ باز کہا، اور ان دونوں کے قتل کے درپے ہو گئے۔

یہود کو حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں اصلاح کا بہترین موقع تھا

یہود کو بہترین موقع تھا کہ وہ دین میں احمقانہ مذہبیت کا جتنا حصہ بعد میں داخل کرلیا تھا اسے نکال کر حضرت عیسیٰؑ کی امامت میں اپنی کتاب کو درست کرلیں اور صراط مستقیم پر ازسرنو قائم ہوجائیں، لیکن یہود کو کتاب سے زیادہ پیارا اپنے رسم ورواج اور بدعات وخرافات اور اپنے بنائے ہوئے طور طریقوں سے تھا، حقیقی دینداری کے مقابلے رسمی وبناوٹی دینداری کو پسند کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰؑ کی آمد ان کے لئے تجدید ایمان کے بجائے کفر کا سبب بن گئی، مگر جب انسان کے دل پر گناہ کا غلاف چڑھ جاتا ہے تو وہ اپنے درمیان کسی اصلاح کرنے والے کو پسند نہیں کرتا جو ان کی برائیوں پر ٹوکے، اور ناجائز کاموں سے روکے، چنانچہ بنی اسرائیل میں نبی ہی کیوں نہ ہوں ہمیشہ اس کردار والے لوگ قید اور قتل کی سزائیں پاتے رہے۔

یہی حال امت مسلمہ کا ہے، اس وقت مسلمانوں کے گمراہ فرقے اہل حق کی مخالفت کرتے ہیں انہیں گمراہ کہتے ہیں، وہ کتاب اور سنت سے زیادہ سماج کے طور طریقوں اور بدعات وخرافات کو دین سمجھ کر اس کو دل سے لگالیا ہے، اور سنت کے مقابلے بدعات وخرافات پر چل کر اسی کو دین تصور کرچکے ہیں، امت مسلمہ کے بگڑے ہوئے علماء ان کو گمراہی سکھا کر غلو میں مبتلا کررہے ہیں، اور کتاب الٰہی کے احکام مقابلے اپنے طور طریقے سکھاتے ہیں، اہل حق علماء کو کوڑے مارے اور قتل بھی کیا۔

حضرت عیسیٰؑ کی جان بوجھ کر مخالفت کرکے بے عزتی کرنا چاہا:

حضرت عیسیٰؑ جس دن پیدا ہوئے تھے اسی دن اللہ نے پوری قوم کو اس بات پر گواہ بنادیا تھا کہ یہ ایک غیر معمولی بچہ ہے، جس کی ولادت زنا سے نہیں معجزے کا نتیجہ ہے، جب حضرت مریمؑ گود میں بچہ کو لیکر آئیں تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کے گھر پر ہجوم کرکے کھڑے ہوگئے، اور انہوں نے ان کے سوالات کے جوابات دینے کے بجائے اللہ کے حکم سے خاموشی اختیار کی اور بچہ کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ تمہیں جواب دے گا، لوگوں نے کہا کہ اس پیدا ہونے والے بچے سے ہم کیا بات کریں؟

مگر یکا یک بچہ بات کرنے لگا، نہایت صاف اور فصیح زبان میں پورے مجمع سے کہا: **إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ○** (مریم:۳۰) ''میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔

اس طرح اللہ نے لوگوں کے شبہ کی ہمیشہ کے لئے جڑ کاٹ دی' جو آپ کی ولادت پر شک کر سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے جوان ہونے تک کبھی بھی حضرت مریمؑ پر الزام نہیں لگایا گیا، اور نہ حضرت عیسیٰؑ کو ناجائز ولادت کا طعنہ دیا گیا، جب آپ جوان ہوگئے اور تقریباً ۳۰ ربرس بعد نبوت کے کام کی ابتداء فرمائی اور یہودیوں کو ان کی بداعمالیوں پر ملامت کرنی شروع کی، ان کے علماء اور فقہاء کی ریاکاریوں کی پول کھولنا شروع کئے اور ان کو ٹوکنے لگے جس کی وجہ سے عوام اخلاق رذیلہ کا شکار تھے اور یہودی لوگوں کے سامنے کھلے طور پر مخالفت شروع کی تو دنیا پرست یہودی علماء نے جان بوجھ کر حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت میں دشمن ہوگئے اور انتہائی ذلیل حرکت کرتے ہوئے اس وقت وہ الزام لگانا شروع کیا جو تیس سالوں تک نہیں لگایا تھا' کہ مریم زانیہ ہے، اور عیسیٰ نعوذ باللہ ولدُ الزنا ہے۔

حالانکہ یہ لوگ بالیقین جانتے تھے کہ دونوں ماں بیٹے اس گندگی سے پاک ہیں، ان کا یہ بہتان کسی شک وشبہ کا نتیجہ نہیں جو واقعی ان کے دل ودماغ میں موجود ہوتا، انہوں نے جان بوجھ کر محض حق کی مخالفت کرنے یہ بہتان عظیم گھڑ لیا تھا، اسی بناء پر اللہ نے اسے ظلم اور جھوٹ کے بجائے کفر قرار دیا، کیونکہ اس تہمت سے ان کا مقصد خدا کے دین کی مخالفت کرنا اور پیغمبر کی دعوت کا راستہ روکنا تھا، اس کے لئے انہوں نے ایک بے گناہ عورت پر زبردستی جھوٹا الزام لگایا، ان کا اللہ سے نڈر بن جانا اس قدر تھا کہ وہ ان کو تین سال بھی برداشت نہ کر سکے، اور رسول اللہ کو رسول جانتے ہوئے بھی ان کے قتل کا منصوبہ بنایا، اور آج تک یہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کیا ہے۔

ماں کی گود میں بچپن ہی میں اللہ نے بات کروا کر یہودیوں کے لئے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رکھی تھی، پھر بھی اللہ نے آپ کو معجزات دئے، اس کے بعد یہ بات بالکل شک سے پاک ہوگئی تھی کہ یہ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں، اس لئے واقعہ یہ ہے کہ یہود نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا وہ کسی غلط فہمی کی بناء پر نہیں کیا بلکہ خوب جانتے تھے کہ ہم اس جرم کا ارتکاب جان بوجھ کر کر رہے ہیں جو اللہ کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہے، ان کی اس حرکت پر تعجب ہوتا ہے کہ اللہ کے مقابلہ حق کو جان کر نبی کو پہچان کر بھی تہمت لگائی اور اللہ کے نبی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھانے کا گمان اور غلط فہمی:

حضرت مسیحؑ کے معجزات دیکھنے کے بعد بھی بنی اسرائیل ان کے علماء پر کھلی تنقید کو تین سال بھی برداشت نہ کر سکے اور ان کے قتل کا منصوبہ بنایا، بادشاہ کے پاس جا کر ان کے خلاف اُسے غلط

باتیں بنا کر جھوٹ بیان کیا کہ مسیح عوام میں مقبول ہو کر بادشاہ بننا چاہتا ہے، لوگوں کو جزیہ دینے سے روک رہا ہے، لوگ اس کے معجزات سے دیوانے ہوتے جا رہے ہیں، بادشاہ باوجود مسیح سے نرم گوشہ رکھتا تھا لیکن ملک کے امن کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے بنی اسرائیل کے بگڑے لوگوں کی بات پر مسیحؑ کو گرفتار کرنے کا وارنٹ جاری کر دیا۔

انہوں نے وارنٹ لینے کے بعد جاسوسی کے ذریعہ ان کے مقام سے مسیح کو پکڑنا چاہا مگر اللہ نے اسی وقت حضرت مسیحؑ کو آسمان پر زندہ اٹھالیا اور مجمع میں ایک ایسا شخص جس کی صورت پوری طرح حضرت عیسیٰؑ سے ملتی تھی اس کو پکڑ کر حضرت مسیحؑ سمجھا، اس کو مارا پیٹا اور اس پر تھوکا، اس کو کانٹوں کا تاج پہنا کر کڑوا مشروب پلایا اور صلیب پر چڑھا کر تصور کیا کہ ہم نے یسوع مسیح کو قتل کر دیا، اس شخص نے صلیب پر جان دیتے وقت کہا: اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا، اس کے بعد بادشاہ سے اجازت لے کر اُسے خوشبودار چیزیں لگا کر دفن کر دیا۔

اس طرح مسیحؑ کے ماننے والے بھی مشتبہ اور غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اور سمجھے کہ ان لوگوں نے حضرت مسیحؑ کو قتل کر دیا ہے، پھر ان لوگوں نے محسوس کیا کہ قبر سے لاش غائب ہے اور زندہ ہو کر آسمانوں کی طرف چلی گئی ہے، ان کے صلیب دئے جانے کے واقعات چاروں انجیلوں میں الگ الگ بیان کئے گئے ہیں، قرآن نے ان کی موت کا انکار کیا اور کہا کہ وہ واپس بلا لئے گئے ہیں۔

پیغمبر کو خدا کا بیٹا بنا کر توحید کے ساتھ شرک ملا دیا:

حضرت مسیحؑ کا بن باپ کے پیدا ہونا اللہ کی قدرت کا کرشمہ تھا، یہ غیر معمولی طریقۂ پیدائش ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مسیح خدا تھا، یا خدائی میں کچھ حصہ بھی رکھتا تھا، حضرت مسیحؑ کے معجزات اللہ کے حکم و اجازت سے ہوتے تھے، ان کے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کے غیر معمولی معجزات سے متاثر ہو کر اور بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا ہونے پر غلو میں آ کر عقل کا استعمال کئے بغیر ان کو خدا کا بیٹا بنا دیا، یہود نے بھی حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنا دیا، قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کے تعلق سے فرمایا کہ عیسیٰؑ اللہ کا کلمہ ہیں، کسی کی پیدائش میں دو چیزیں کارفرما ہوتی ہیں، ایک نطفہ یا بیج، دوسرے اللہ کا کلمہ 'کُن'، حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق میں چونکہ مادّی چیز نہیں تھی، اللہ نے انسانوں کی آزمائش کے لئے ان کو دوسری چیز 'کُن' کی طرف نسبت کر کے فرمایا وہ اللہ کا کلمہ ہیں، یعنی ''کلمۃ اللہ'' ہیں، اس کا دوسرا مطلب ہے کہ وہ اللہ کی نشانی ہیں۔

جب کسی چیز کی طہارت اور پاکیزگی کو بیان کرنا ہو تو انسان خود اس کی تعظیم کے لئے اللہ کی طرف نسبت دیتا ہے، جیسے مسجد کو اللہ کا گھر اور بیت اللہ کو اللہ کا گھر، اسی طرح حجر اسود کو تعظیم کے طور پر اللہ کا ہاتھ کہا گیا، حضرت جبرئیلؑ نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں اللہ کے حکم سے پھونک ماری تھی، حمل ٹھہر کر حضرت عیسیٰؑ معجزہ کی شکل میں بغیر باپ کے پیدا ہوئے، حضرت عیسیٰؑ کو روح اللہ کہنے سے وہ اللہ کا کوئی جز نہیں ہیں، روح مخلوق ہے، اللہ کی ملکیت ہے، زمین و آسمان کے اندر جتنی چیزیں ہیں وہ سب اللہ کی مخلوق ہیں، کسی میں اللہ جیسا بننے کی طاقت و صلاحیت اور لیاقت و قابلیت نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی چیز اللہ کا حصہ اور جزو ہے، نہ کوئی چیز اللہ سے نکل کر دوسری شکل اختیار کی ہے۔

نصاریٰ کے عالموں نے مسیحؑ کی شخصیت کو انسانیت اور الوہیت دونوں کا مرکب بنا دیا، اس گمراہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے لئے مسیح کی حقیقت ایک معمّہ بن کر رہ گئی، ان کے فرقوں میں کسی فرقے نے ابن اللہ کہا، کسی نے تین مستقل خداؤں میں سے ایک ہونے کا عقیدہ بنایا، کسی نے مسیح ہی کو اللہ کا جسمانی ظہور قرار دیا، یعنی اللہ ان میں حلول کر گیا اور عین اللہ بنا دیا' جس طرح مشرک قوموں میں اوتار کا تصور ہے اور پھر باقاعدہ ان کی عبادت شروع کر دی، وہ لوگ مسیح کو انسان بھی مانتے ہیں اور خدا بھی، اور کہیں الگ الگ، پھر ایک بنا دیتے ہیں، یہ بڑی گمراہی ہے۔

مخلوقات کے کمالات کو دیکھ کر اسے خالق ہونے کا گمان کرنا یہ گمراہی ہے، عقلمند تو وہ ہیں جو مخلوق میں کمالات دیکھ کر اسے خالق کا کمال مانتے ہیں اور اللہ کی قدرت پر یقین بڑھاتے ہیں، ذرا عقل کا استعمال کر کے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جب وہ خدا یا خدا کے بیٹے تھے تو ان میں خدائی صفات ہونا ضروری تھا، بھلا وہ خدا کا جزء ہو کر کھانا کیوں کھاتے؟ ماں کے پیٹ سے پیدا کیسے ہوئے؟ ماں اور بیٹے دونوں کھانا کھاتے ہیں، ان کو نیند کیوں آتی تھی، ان کو خوف کیوں ہوا؟ آخر خدا انسانوں کی طرح پیدا کیسے ہوا؟ پھر خدا ہو کر مجبور بن کر صلیب پر چڑھ کر لعنت کی موت کیوں مرے گا؟ دونوں بھی انسانی ضرورتیں رکھتے تھے، اور پھر یہ کہ حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰؑ تک خدا کا بیٹا کہاں غائب ہو گیا تھا؟ لوگ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کیوں خدا کا بیٹا نہیں مانے؟

قرآن کہتا ہے کہ اللہ ان کو ان کی ماں کو موت دے تو کون بچانے والا ہے؟ مسیحؑ کی دعوت پر غور و فکر کرو، وہ اسی چیز کی دعوت دے رہے تھے جو محمد ﷺ نے دی، ان کے حواریوں کا

مذہب بھی اسلام تھا۔

قرآن نے سمجھایا کہ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام اوران کی آل یہ سب لوگ انسان تھے، ایک کی نسل سے دوسرا پیدا ہوا، ان میں نہ کوئی خدا تھا اور نہ خدائی صفات والا تھا، حضرت یحییٰ علیہ اسلام کی والدہ اور حضرت مریمؑ کی والدہ آپس میں رشتہ کی بہنیں تھیں، حضرت یحییٰؑ کی والدہ حضرت ہارونؑ کی اولاد میں سے تھیں، (لوقا) حضرت زکریاؑ ان کے خالو تھے، وہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مریمؑ کی دیکھ بھال کرتے، اسلام نے یہ سب رشتوں کی تفصیل سمجھائی، وہ حضرت مریمؑ کو دیکھ کر یہ آرزو کرتے تھے کہ کاش مجھے بھی ایسی نیک اولاد اللہ عطا کرتا، اور یہ دیکھ کر کس طرح اللہ اس گوشہ نشین لڑکی کو غیب سے رزق دے رہا ہے، انہیں بھی امید ہوئی کہ اللہ چاہے تو مجھے اس بوڑھاپے میں ہڈیاں سوکھ جانے، اس میں گودا نہ رہنے اور بوڑھاپے کے ضعف کے باوجود اولاد دے سکتا ہے۔ (ال عمران:۳۹)

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰؑ کی پیدائش کا واقعہ بیان کر کے نصاریٰ سے یہ پوچھا کہ جب یحییٰ کے والدین حضرت زکریاؑ اوران کی بیوی بوڑھے ہو چکے، ہڈیوں میں گودا باقی نہ رہا، اور بیوی بانجھ ہونے کے باوجود بوڑھاپے اور آخر عمر میں یحییٰ پیدا ہوئے، تو اس عمر میں یحییٰ کا پیدا ہونا ایک غیر معمولی بات کو دیکھ کر ان کو الٰہ نہیں بنایا گیا، لیکن حضرت عیسیٰؑ کو بن باپ کے پیدا ہونے پر اور ان کے معجزات سے متاثر ہو کر اوران کے آسمان پر اٹھائے جانے پر الٰہ کیسے بنالیا؟ اگر خدا یا خدا کا بیٹا بنانے کی دلیل تمہارے پاس غیر فطری پیدائش ہے تو حضرت آدمؑ تو بغیر ماں باپ کے اور حوا بغیر ماں کے حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کی گئیں، وہ الٰہ نہیں ہیں، حضرت عیسیٰؑ بھی انسان تھے، وہ ایک عورت ہی کے پیٹ سے پیدا ہوئے، ان کا شجرہ حسب ونسب تک کتابوں میں موجود ہے، وہ تمام انسانوں کی طرح انسانی جسم اور اعضاء رکھتے تھے، ان میں انسانی صفات تھیں، وہ انسانوں کی طرح سوتے، کھاتے پیتے، گرمی سردی محسوس کرتے، مگر یہ عجیب ذہنیت ہے کہ نصاریٰ اپنی کتابوں میں مسیح کی زندگی کو کھلے طور پر انسانی زندگی پڑھتے ہیں، پھر بھی انہیں خدا سے نسبت دیتے ہیں، گویا یہ ان کی گمراہی اور وہم وگمان ہے، ان کے پاس اس کی کوئی سند و دلیل نہیں ہے، انہوں نے کتاب کی تعلیمات سے ہٹ کر ایک نیا عقیدہ گھڑ لیا جو مسیحؑ کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے، تمام پیغمبروں اور خود تورات اور انجیل کی تعلیمات کے برعکس ہے۔

تقویٰ و پرہیزگاری کے بجائے ظاہری رنگ اختیار کر کے اپنے نفس کو دھوکہ دیا

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً . (البقرہ:۱۳۸)

ترجمہ: اللہ کا رنگ اختیار کرو! اس کے رنگ سے بہتر اور کس کا رنگ ہوگا؟!

اس آیت کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اس کے شانِ نزول کو ذہن میں رکھئے، بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ ''تم اللہ کا رنگ اختیار کرو، اس کے رنگ سے بہتر اور کس کا رنگ ہوسکتا ہے؟ اور ہم اسی رنگ کو اختیار کرنے اسی کی عبدیت و بندگی کرنے والے لوگ ہیں۔''

یہودیوں کے پاس ایک رسم تھی جو شخص بھی یہودیت میں داخل ہوتا یا گناہوں سے توبہ کرنا چاہتا تو اس کو ایک خاص رنگ کے پانی میں غسل دیا جاتا اور تصور کیا جاتا کہ اس کے سارے پچھلے گناہ معاف ہوگئے ہیں، اب وہ یہودی بننے کے قابل ہوگیا ہے، بعد میں جب مسیحیت کا دور آیا تو مسیحیوں نے بھی ان کی نقل میں اسی رسم کو ''بپتسمہ'' کے نام سے اختیار کیا، اور آج تک کرتے رہتے ہیں، جب کوئی مسیحیت قبول کرتا تو اس کو ایک خاص رنگ کے پانی میں غوطے دے کر غسل دیتے ہیں، اور تصور کرتے ہیں کہ اب اس میں مسیحیت قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوچکی ہے، اسی طرح پیدا ہونے والے بچے کو پیدائشی گنہگار سمجھ کر اُسے بھی خاص رنگ کے پانی میں غوطہ دیتے ہیں، اور یہ تصور کرتے ہیں کہ اس رنگ کی وجہ سے وہ عیسائیت قبول کرنے کے قابل بن گیا، چنانچہ یہ رسم آج تک برابر جاری ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ تعلیم دی کہ اس طرح پانی کو رنگ دار بنا کر اپنے اوپر رنگ چڑھا لینے سے انسان میں اللہ کا رنگ نہیں چڑھتا، پانی کا رنگ چڑھانے سے کسی میں تقویٰ و پرہیزگاری اور عبدیت و بندگی پیدا نہیں ہوتی، پانی کا جو بھی رنگ ہو وہ تو آہستہ آہستہ ہلکا اور پھیکا پڑ جاتا ہے، اس رنگ میں انسان کے گناہ دھونے اور تقویٰ پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہوتی، یہ رنگ تو تمہاری موت کے ساتھ ہی ختم ہوجاتا ہے، باقی ساتھ آنے والا رنگ ایمان و تقویٰ ہے، یہ عمل صرف اپنے نفس کو دھوکہ دینے اور گمراہی کی تعلیم ہے، تم کو چاہئے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی

دعوت کو سمجھیں اور آخری وحی قرآن مجید کے احکام کو قبول کر کے اپنے اوپر اللہ کا رنگ چڑھائیں جو تمام رنگوں میں سب سے اعلیٰ وسب سے عمدہ، اور سب سے پیارا وخوشنما ہے، اور تم کو دنیا وآخرت میں حسن وخوبصورتی اور کامیابی دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں انسانوں کو اپنا رنگ اختیار کرنے کی تعلیم دی، جبکہ اللہ تعالیٰ خود بظاہر ہر رنگ سے پاک ہے، پھر آخر اس نے یہاں رنگ اختیار کرنے کی تاکید کیوں کی؟ دراصل یہ بنی اسرائیل کی کم عقلی وغیر فطری عمل پر تمثیل ہے جس میں ان کی بیوقوفی کا احساس دلایا گیا، اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی اتباع کرنے کو رنگ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوگی، گویا ان کو یہ احساس دلایا جارہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو زندگی گذارنے کا راستہ اور طریقہ کی دعوت دے رہے ہیں وہی اللہ کی رضاء اور خوبصورتی کا رنگ ہے، اسی میں کامیابی اور اللہ کی رضا ہے، یہ تاکید گویا قیامت تک آنے والے انسانوں کو کی جارہی ہے کہ دنیا میں گناہوں سے پاک ہونا ہو اور دینداری اور اللہ کی عبدیت و بندگی اختیار کرنا ہو تو دنیا کے انسانوں کے سامنے اپنے لباس، اپنی پگڑی، اپنی شناخت اور اپنے حلیہ کو بظاہر متقی پرہیزگار اور اللہ والا ظاہر کرنے کے لئے کوئی رنگ اختیار نہ کرو، ہنود کے پیشواؤں اور سادھوؤں نے اپنے لئے گیروے رنگ کا لباس اختیار کر کے بظاہر مذہبی ظاہر کرنا چاہا، عیسائی پیشوا فادر، سسٹر، نن اور برادر نے ایک علاحدہ لباس اختیار کیا، سنیاس لینے والوں نے بظاہر مذہبیت ظاہر کرنے اور لوگوں پر اثر ڈالنے کے لئے ایک علاحدہ رنگ اختیار کیا، یہودی رِبّیوں نے اپنا ایک خاص رنگ اختیار کیا، کلیساؤں کے پادریوں نے اپنا ایک خاص رنگ اختیار کرلیا، اور مسلمانوں کے گمراہ مرشدوں اور پیروں نے اپنے مریدوں پر اثر ڈالنے کے لئے اپنا خاص رنگ اختیار کرلیا، ان میں سے کثیر تعداد ظاہر میں ایک رہی اور اندرون میں ایک رہی، بظاہر اوپر سے اللہ والے وخدا پرست نظر آتے ہیں مگر اندر ایمان، تقویٰ وپرہیزگاری سے خالی تھے، جس کی وجہ سے لوگوں پر اپنی مذہبیت کا صحیح اثر نہ ڈال سکے۔

اللہ نے دنیا میں عورتوں کو خوبصورت بننے، مختلف رنگوں، پھولوں، کپڑوں اور زیور سے آراستہ ہونے کی اجازت تو دی، یہ مصنوعی خوبصورتی وحسن ہے، مگر اصل انسان کی خوبصورتی و حسن کا رنگ کپڑوں سے نہیں سیرت سے آتا ہے، اور سیرت بنتی ہے اللہ کی عبدیت وبندگی اور محمد

رسول اللہ ﷺ کی اتباع واطاعت سے، قرآن مجید پر عمل کرنے سے، اس لئے اے انسان! زبردستی بظاہر کچے رنگ اختیار کر کے اپنے آپ کو دھوکہ مت دو اور لوگوں کو دیوانہ مت بناؤ۔

بنی اسرائیل کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ دنیا میں جب تم کسی برتن کے پاس میں کسی رنگ کا قطرہ ڈالتے ہو تو وہ رنگ کا قطرہ پانی کی بوند بوند میں منتقل ہو کر پانی میں اپنا اثر دکھاتا ہے، اور اس پانی سے اس رنگ کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، مگر تمہارا حال یہ ہے کہ تم کتاب الٰہی پڑھتے ہو، حق کو حق جانتے ہو، پیغمبروں کو مانتے ہو، رسول اللہ کو پہچانتے ہو، پھر بھی شریعت کا اثر تم پر ظاہر نہیں ہو رہا ہے، تم نے اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کے خلاف اپنا رنگ ہی بدل لیا، اور اللہ کی عبدیت و بندگی کے ڈھونگ رچا لئے ہیں، اصل بندگی یہ ہے کہ تم اپنے اندرون کو اللہ کے رنگ سے رنگو، وہ رنگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے، قرآن مجید پر عمل کرنے ہی سے چڑھے گا۔

اہل کتاب خود ساختہ اور بے ایمانی کے اصول بنا لیتے ہیں:

اگر کسی شخص کو کسی جگہ کوئی گری پڑی رقم یا کوئی دوسری قیمتی چیز مل جائے تو اطراف کی آبادی اگر اہل کتاب کی ہو تو اُسے اعلان کر کے واپس کر دیتے تھے اور اگر آبادی غیروں کو ہو تو بغیر اعلان کئے وہ جائز سمجھ کر رکھ لیتے تھے، ہر زمانے میں اہل کتاب اپنے مفاد اور اپنی معاشی ترقی، اپنی حفاظت اور اپنی حکومت و بدبدبہ کو برقرار رکھنے کے لئے دو ملکوں اور دو فرقوں کو لڑا کر اپنا سامان فروخت کرتے ہیں اور جان بوجھ کر باطل کا ساتھ دیتے ہیں اور ان کے دوست بنے رہتے ہیں، جس طرح مدینہ میں اوس اور خزرج یا مشرکینِ مکہ کے ساتھ رہے، مگر ہم مذہب ممالک کی آپس میں لڑائی ہونے نہیں دیتے۔

دوسروں کے ملک کی ترقی اور معدنیات اس شرط پر نکالتے ہیں کہ دنیا کے دوسرے ممالک کے مقابلہ ان کو سستے دام پر فروخت کیا جائے اور حاصل ہونے والی دولت کو ان کے ممالک کے بنکوں میں رکھا جائے، اپنے ملک کی معدنیات کو محفوظ رکھتے ہیں، بعض ممالک کو برائے نام آزاد کیا، مگر ان ملکوں میں اپنا کنٹرول باقی رکھنے کے لئے حکومت کے تمام بڑے بڑے اہم عہدوں پر اپنے سکریٹریز کو رکھ کر اپنی مرضی کے مطابق حکومت چلاتے ہیں، دنیا میں کوئی بھی ان کو ناراض کر کے حکومت نہیں کر سکتا، وہ چاہتے کہ سب ان کے محتاج، مجبور اور غلام بنے رہیں، وہ انسانوں کو اللہ کی عبدیت و بندگی کرانے کے بجائے اپنے قانون کی بندگی کراتے ہیں۔

انصاف کے نام پر بے ایمانی کی انتہاء

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِماً ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ (ال عمران:۷۵)

ترجمہ: اہل کتاب میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس دولت کا ڈھیر بھی امانت کے طور پر رکھوادو تو وہ تمہیں واپس کردیں گے، اور انہی میں سے کچھ ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار کی امانت بھی ان کے پاس رکھواؤ تو وہ تمہیں واپس نہیں دیں گے، اِلّا یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو، ان کا یہ طرز عمل اس لئے ہے کہ انہوں نے یہ کہہ رکھا ہے کہ ''اُمّیوں (غیر یہودی) کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی''، اور اس طرح وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں۔

انہوں نے یہ اصول بنالیا تھا کہ اگر کوئی اہل کتاب غیر اہل کتاب کا مال چوری چھپے لے لیں تو جائز ہے، چنانچہ ان کے نزدیک امیوں اور مشرکین کا مال چُرا لینا چھین لینا کوئی گناہ نہیں تھا' سب جائز تھا اور اب بھی جائز ہے، اور اگر کوئی یہودی غیر یہودی کا مال کھا جائے تو اس پر مذہبی اعتبار سے کوئی پوچھ نہیں کی جاسکتی، حالانکہ تورات کا ایسا کوئی حکم نہیں تھا۔

انہوں نے یہ بھی اصول بنالیا تھا کہ اگر اُمّی اور مشرک عرب اور اسرائیلی کے درمیان مقدمہ آجائے تو قاضی اگر تورات کے قانون کے مطابق اپنے مذہبی بھائی کے حق میں یہ کہہ کر فیصلہ کرے کہ یہ ہمارے قانون کے عین مطابق ہے، اور اُسے جتوائے، یا پھر تورات کے قانون میں گنجائش نہ ملے تو اُمّیوں کے قانون کو تلاش کر کے اسرائیلی کو ہی جتوائے اور کہے کہ تمہارا قانون تمہارے ہی حق میں نہیں ہے، اور اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس حیلے سے بھی ہو وہ اسرائیلی کو ہی کامیاب کرسکتا ہو تو کرے، چاہے اسرائیلی کی زیادتی اور غلطی ہی کیوں نہ ہو، ان کا یہ اصول تھا کہ غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

انہوں نے یہ بھی اصول بنایا تھا کہ اگر اسرائیلی کا جانور کسی غیر اسرائیلی کے جانور کو زخمی کردے تو اس پر کوئی تاوان اور جرمانہ نہیں ہوگا، ہاں اگر غیر اسرائیلی کا جانور اگر کسی اسرائیلی کے جانور کو زخمی کردے تو اس پر جرمانہ لگایا جائے گا۔

آج بھی ان کا یہی حال ہے کہ ان کے ایک آدمی کو بھی نقصان نہ پہنچے اور نہ مارا جائے اور یہ لوگ دنیا کے دوسرے ہزاروں انسانوں کے لئے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے، ان کی جان و مال کے برباد ہونے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

اہل کتاب کے پاس امانتداری و دیانتداری ایک پالیسی و مکاری ہے، یہ سب الفاظ اپنوں اور غیروں کے لئے الگ الگ معنیٰ رکھتے ہیں:

بظاہر اہل کتاب دنیا کے سامنے بڑے سنجیدہ اور ڈسپلین کا مظاہرہ کرتے ہیں، غیر اہل کتاب کی امانت اہل کتاب رکھے اور واپس نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں اور امانت سے انکار کردے تو کوئی جھوٹ نہیں، چنانچہ جن ملکوں میں سونا چاندی اور دوسری معدنیات نکلیں تو ان ملکوں کو غلام بنانے اور قبضہ کرنے کے منصوبے بناتے ہیں، اپنی کمپنیوں کے ذریعہ اپنے ہی آلات و مشینیں اور اپنے ہی ماہرین کو لگا کر وہاں کا مال نکالتے ہیں اور وہاں کی حکومتوں پر اپنا اثر جمائے رکھتے ہیں، اپنے سوا کسی دوسرے ملک کو ترقی کرتا ہوا دیکھ کر برداشت نہیں کر پاتے، غریب ملکوں کو سودی قرض دے کر ترقی کے نام پر غلام بنائے رکھتے ہیں۔

بظاہر اپنی تبلیغ کے لئے یہ زلزلے، طوفان، قحط پر دوڑ کر مدد کرتے ہیں اور دواخانے اور تعلیمی اداروں کے ذریعہ اپنے کلچر اور مذہب کی تبلیغ کے لئے حقوق العباد مظاہرہ کرتے ہیں، پھر دنیا کے سامنے ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ امانت دار ہیں، وعدہ کے پابند ہیں، حقوق العباد کا بڑا خیال رکھنے والے ہیں، حالانکہ ان کے اعمال کے پیچھے نیت دوسری ہوتی ہے۔

کسی بھی ملک میں قرآنی قانون کو نافذ کرنے پر ظلم و ناانصافی اور دقیانوسیت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، بظاہر یہ لوگ دنیا کے سامنے اخلاقیات کا ڈرامہ کرتے ہیں، مگر اپنے ملک کے اقتدار اور لیڈر ایسے لوگوں کو چنتے ہیں جو ظالم، جھوٹے، بدنیت، بے ایمان، تعصب پسند، اور بے انصاف،

بچوں کو بچپن ہی سے کائنات میں غور و فکر کروا کر صفاتِ الٰہی سمجھانا ہو اور ایمانِ مجمل اور ایمانِ مفصل کی سمجھ شعوری طور پر دینا ہو تو ہماری کتاب تعلیم الایمان کے تمام حصے پڑھئے اور پڑھایئے، اللہ کو بے شعوری والا ایمان نہیں بلکہ حقیقی ایمان چاہئے، اللہ نے اپنے فضل سے ہم کو مسلمان ماں باپ کے پیٹ میں پیدا کیا، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی چاہت اور پسند سے مسلمان بنیں اور صحیح ایمان کے اسلام پر زندگی گذاریں۔

زانی، شرابی وسود اور رشوت خور ہوتے ہیں، عوام اور دوسرے انسانوں کے سامنے بڑی سنجیدگی اور اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

بنی اسرئیل کے شرک سے امت مسلمہ کو سبق:

بنی اسرائیل ایک ایسی قوم ہے جو حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں یا نبی کے چلے جانے کے بعد بہت سے نبیوں کی دعوت و رہبری کے باوجود ان میں کی اکثریت بگاڑ کا شکار ہوتی چلی گئی، چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے بت بنانے کی خواہش ظاہر کی اور نبی کے غیاب میں بچھڑے کو معبود بنا کر شرک کیا اور کئی سو سال بعد بھی شرکیہ عقائد واعمال ان کی نسلوں کے رگ وریشے سے نکل نہ سکے، شرک میں گرفتا ہوتے چلے گئے، چنانچہ انہوں نے حضرت عزیرؑ کے سو سال بعد دوبارہ زندہ ہونے اور تورات کو از سر نو جمع کرنے پر ان کو خدا کا بیٹا بنا ڈالا، اسی طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور غیر معمولی معجزات اور زندہ آسمان پر اٹھالئے جانے پر ان کو الوہیت میں شامل کر کے خدا کا بیٹا بنا دیا، اور توحید کے ساتھ شرک کو ملا دیا۔

بنی اسرائیل کے اس طرح کے عقیدہ سے امت مسلمہ کو دور رہنے اور خالص توحید اختیار کرنے کا سبق ملتا ہے، اللہ نے امت مسلمہ کو شرکیہ عقائد واعمال سے بچانے کے واسطے رسول اللہ ﷺ کے لئے ''عبد'' کا لفظ زبان سے ادا کرنے کی تعلیم دی اور امت مسلمہ کو رسول اللہ ﷺ کے معجزات خاص طور پر معراج کے واقعہ میں آسمان پر جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں لیجانے پر ان کو خدا کے مقام پر بیٹھانے سے بچانے کے لئے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو)..... میں عبد کا لفظ استعمال کیا، اللہ تعالیٰ عبد کے بجائے نبی کا لفظ بھی استعمال کر سکتا تھا، مگر یہاں عبد کا لفظ استعمال کر کے گویا یہ تعلیم دی کہ وہ معراج میں آسمانوں پر گئے تو جس طرح وہ زمین پر بندے تھے آسمانوں پر بھی بندے ہی رہے، ان کے ساتھ بنی اسرائیل کی طرح کا غلو کر کے ان کو خدا کے مقام پر نہ بٹھاؤ، اور نہ بشریت سے آگے بڑھاؤ، اور نہ اللہ سے بڑھ کر پیغمبر کی محبت میں گرفتار ہو جاؤ، جیسے بنی اسرائیل نے غلو کر کے حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو الوہیت میں شریک کر دیا، اس کے باوجود جاہل لوگ رسول اللہ ﷺ کو خدا کے مقام پر تو نہیں بٹھائے اور نہ خدا کا بیٹا مانا، لیکن بشر کے مقام سے آگے بڑھا کر بشر نہیں مانا اور فوق البشر مانا، اور خدا سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ کی طرح ہر جگہ حاضر وناظر سمجھ کر لفظ ''یا''

سے یاد کرتے ہیں، دعاؤں میں بھی آپ ﷺ کے نام کے شروع میں ''یا'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، ان کو یہ تک شعور نہیں ہوتا کہ دعاء رسول اللہ ﷺ سے نہیں اللہ سے مانگی جاتی ہے۔

بنی اسرائیل کو من وسلویٰ دئے جانے پر امت مسلمہ کو سبق:

اللہ تعالیٰ نے سینا کے کھلے میدان میں ان پر ابر کا سایہ کیا اور بغیر برسات اور تالاب کے معجزاتی طور پر ایک چٹان سے بغیر تالاب، کنواں اور بغیر محنت کے پانی ملا، اور ۴۰ رسال تک اللہ تعالیٰ نے بغیر زراعت اور خرید وفروخت اور بغیر کسی محنت ومشقت اور خرچ کے من وسلویٰ عطا فرمایا، اس نعمت کے ملنے پر بنی اسرائیل نے بیزاری کا اظہار کیا اور اس کے مقابلے پیاز، ادرک، لہسن، مسور، ککڑی جیسی چیزیں طلب کیں، اگر وہ نعمت پر ناشکری نہ کرتے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت تک ان کو بغیر محنت کے اعلیٰ ترین غذا ہی دیتا رہتا تھا، بنی اسرائیل کی اس ناشکری سے امت مسلمہ کو یہ سبق ملتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بغیر محنت کے نعمتوں کا انتظام کرتا ہے اور محنت، مزدوری، نوکری و تجارت سے فراغت عطا فرما کر غذائیں، رہنے کی جگہ، زندگی کا سامان، کپڑے اور پانی وغیرہ عطا فرماتا ہے، تو نعمتوں کو غنیمت جانا جائے اور اس سہولت وآرام کے مقابلے ادنیٰ چیزیں جو محنت تکلیف سے حاصل ہوتی ہیں مانگ کر ناشکری نہ کی جائے، نعمتوں کے ملنے کے بعد اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر اللہ کی خوب عبدیت و بندگی کرتے ہوئے اس کے شکر گذار بندے بنے رہیں، اور امتِ وسط کی امامت کا حق ادا کرتے ہوئے دعوتِ دین اسلام دیتے رہیں، اس لئے کہ اللہ نے انسان کو اپنی عبادت و بندگی ہی کے لئے پیدا کیا ہے، عقلمند، سمجھدار انسان جب عبادت و بندگی کے لئے دنیا کی مصروفیات سے فراغت مل جائے تو پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مشغولیت سے پہلے فراغت کو غنیمت جانو، مگر انسان دنیوی کام دھندوں سے فراغت ملنے اور غذاؤں اور زندگی بسر کرنے کا بغیر محنت کے انتظام ہوجائے تو دین پر خوب محنت کرنے، دعوت وتبلیغ میں خوب وقت لگانے کے بجائے عیش ومستی، سستی اور بیکاری میں وقت گذار کر اللہ کا ناشکرا بنا پھرتا ہے، جس کی مثال اس وقت مسلمان گھرانوں کے بڑے لوگ عرب ملکوں میں محنت کر کے دولت بھیجتے ہیں، ان کے گھر کے افراد اللہ کی نافرمانی وناشکری میں مبتلا ہوکر آوارگی، بے دینی اختیار کر لیتے ہیں، بی بی خدیجہؓ رسول اللہ ﷺ کو پیغمبری ملنے کے بعد تجارت وغیرہ سے فارغ کر دیا اور زیادہ سے زیادہ دعوت وتبلیغ میں وقت لگانے کا موقع عطا فرمایا اور اپنا پورا مال و

دولت، اللہ کے دین کو پھیلانے میں آپ ﷺ پر قربان کر دیا، مگر مسلمان ہر زمانے میں دولت اور روپیہ پیسہ، حکومت واقتدار ملنے پر اپنی کمائی مٹی اور گارے پر ہی خرچ کئے اور کر رہے ہیں۔

بنی اسرائیل پر کئے گئے احسانات کے ذریعہ امت مسلمہ کو سبق:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار بنی اسرائیل پر کئے گئے احسانات کو یاد دلا کر ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی تلقین کی، اور ناشکرے بننے سے منع کیا، شکر گذار بننے کی تاکید اس لئے کی کہ وہ شکر ادا کر کے اللہ کے مطیع وفرمانبردار بندے بن جائیں، اس کے باوجود وہ ناشکرے ہی رہے اور اللہ کے احکام سے بغاوت کرتے رہے، اس پر ان کو ذلت اور عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔

بنی اسرائیل پر کئے گئے احسانات وانعامات سے امت مسلمہ کو بھی گویا شکر گذار بننے کا سبق ملتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی امت بنا کر ان پر بھی بے انتہاء احسانات وانعامات کی بارش کی ہے، سب سے پہلے ان کو رسول اللہ ﷺ کا امتی بنایا گیا، پھر ان کو تمام آسمانوں کتابوں کا نچوڑ قرآن مجید جیسی عظیم نعمت دی گئی اور رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر کے امت مسلمہ کو کارِ نبوت کے ذمہ دار کا مقام دیا، یہ اللہ کا امت مسلمہ کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے کہ بنی اسرائیل کو اس عہدے سے معزول کر کے امت مسلمہ کو دنیا کی امامت دی گئی، اور آخری وحی عطا کی اور کعبۃ اللہ کا وارث بنا دیا۔

قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لے لیا ہے، کروڑہا حفاظ کو قرآن حفظ کرنے کے قابل بنایا، پانچ وقت کی نمازوں کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر رکھا گیا، امت مسلمہ کی عمریں کم ہونے پر شب قدر جیسی رات عنایت فرمائی جس میں عمل صالح کر کے ایک ہزار مہینوں کے برابر عبادت کا ثواب حاصل کر سکتا ہے، وضو کے ذریعہ اپنے اعضاء کا نور بڑھانے کا انتظام فرمایا، ان کو قرآن کے ذریعہ آسان اور فطری احکام دئے اور مختلف اعمال پر زندگی ہی میں گناہ معاف ہونے کا نظم رکھا، توبہ کے ذریعہ گناہ کبیرہ معاف کرنے کا طریقہ رکھا، یہ نعمت ہے، نماز، روزہ اور دیگر اعمالِ صالحہ کے ذریعہ بار بار ایمان کے تازہ ہونے کا نظم رکھا، زکوٰۃ وصدقات کو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا طریقہ رکھا، دو بڑی عیدیں عطا فرمائیں، حج جیسی عظیم الشان عبادت عطا فرمائی، رسول اللہ ﷺ کے قبر کی زیارت سے ایمان بالرسالۃ میں تازگی کا نظم رکھا، جمعہ جیسا دن جو تمام دنوں کا سردار ہے عبادت کے لئے عطا فرمایا، آپس میں محبت بڑھانے کے لئے سلام جیسی نعمت عطا فرمائی، حجر اسود کو بوسہ دینے پر گناہ معاف ہونے کا طریقہ رکھا، حج میں طواف، سعی، قیامِ

مزدلفہ، منیٰ وعرفات رکھا، قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو محفوظ رکھا، حضور اکرم ﷺ کے ارشادات واعمال کو محفوظ رکھا، قرآن کو تحریف سے محفوظ رکھا، اذان اور نماز با جماعت کا سب سے اعلیٰ طریقہ رکھا، وضو، غسل، طہارت اور ختنہ کے ذریعہ پاکیزگی حاصل کرنے کے قابل بنایا، حرام وحلال بتلا دیا، اس لئے مسلمان اللہ کی ان نعمتوں پر بہت زیادہ شکر گذار بن کر عبدیت وبندگی کریں۔

اس تشریح سے مسلمانوں کا مختصر تقابل

إِنَّ الَّـذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ (البقرہ: ٦٢)

ترجمہ: حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہود یا نصاریٰ یا صابی' اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے' وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے، اور ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔

☆ مسلمانوں کی کثیر تعداد بنی اسرائیل کی طرح توحید اور شرک کا ملا جُلا ناقص عقیدۂ ایمان رکھتی ہے، اور صحابہ جیسے خالص ایمان سے دور ہے، اور اللہ کی صحیح معرفت حاصل کئے بغیر اسلام پر چل رہی ہے جس کی وجہ سے اللہ کے ساتھ مخلوقات کو شریک کرتی ہے، انہی سے نفع ونقصان بننے بگڑنے کے عقیدے رکھتی ہے، جس کی مثال ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، عراق، ایران، شام اور قطر وغیرہ میں ہے۔

☆ پوری دنیا میں اکثر مسلمان اسلامی کلچر کے مقابلے رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے خلاف مغربی کلچر کے شیدائی بنے ہوئے ہیں، اس کی اصل وجہ ان کو ایمانیات کی مضبوط اور پختہ تعلیم نہیں مل رہی ہے، اللہ کی پہچان حاصل کرنے کے لئے کائنات میں غور وفکر نہیں کرتے، اللہ کی صفات کو سمجھے بغیر ایمان کے الفاظ زبان پر رٹ لیتے ہیں، اور ان کو دینی تعلیم کے نام پر صرف مسائل اور اعمال کی تعلیم ملتی ہے، اور زیادہ تر اعمال کو سدھارنے کے لئے اصلاحِ معاشرہ کی ترغیب دی جاتی ہے، اور ایمان کی تعلیم برائے نام سرسری بے شعوری کے ساتھ دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے پوری دنیا میں مسلمان دن بہ دن ایمان میں کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اللہ کی پہچان حاصل کئے بغیر اسلام پر چل رہے

ہیں، اسی وجہ سے ان میں دعوتِ دین کی ہمت بھی نہیں ہے، وہ خود کلمہ پڑھ کر شرکیہ عقائد واعمال میں گرفتار ہیں، وہ ایمان کے الفاظ زبان سے ادا تو کرتے ہیں مگر ان پر ایمان میں یقین پیدا کرانے کی محنت نہیں کی جاتی، جس کی وجہ سے زیادہ تر مسلمان تقلیدی، خاندانی، نسلی، فقہی اور بے شعوری والا ایمان تو ضرور رکھتے ہیں، مگر حقیقی وشعوری ایمان سے خالی ہیں، اور زندگی کے ہر شعبہ میں کچھ اسلام پر چلتے اور باقی اسلام کی خلاف ورزی جان بوجھ کر یا بغیر سمجھے کرتے ہیں، اور قرآن وحدیث صحیح سلامت ہونے کے باوجود مختلف شرکیہ عقائد واعمال میں مبتلا ہیں، ان کو اور نئے اسلام قبول کرنے والوں کو زیادہ تر شعور کے راستہ سے ہٹ کر ذکر وعبادت کی مشق کروا کر اسلام پر چلایا جارہا ہے، جس کی وجہ سے ان کے ظاہر میں تبدیلی تو آرہی ہے مگر وہ اندر سے مسلمان نہیں بنتے، ان کے عقائد، عبادات، معاشرت، معاملات اور اخلاقیات وغیرہ کہیں پر بھی اسلام نظر نہیں آتا، کیا اس طرح دینی تعلیم دینے سے ہم لوگوں کو صحیح مسلمان بنا سکیں گے؟ کیا یہ ناقص نظامِ تعلیم نہیں؟ جس نظامِ تعلیم میں اللہ کا تعارف اور پہچان نہیں اس طریقۂ تعلیم سے انسان کو کیسے ایمان سے آراستہ کیا جاسکتا ہے؟

☆ قرآن مجید کا ستر فیصد حصہ ہر صفحہ پر ایمانیات سمجھاتا ہے اور پوری ایمانیات کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل کے نام سے یاد دلایا جاتا ہے، اس کی کوئی تفصیل نہیں سمجھائی جاتی، بس ایمانیات کے نام پر رٹا دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے ایمان کی بنیاد ہی کمزور ہوگئی، اور وہ ایمانیات میں بے شعور بنے ہوئے ہیں، اور زیادہ تر کمزور ایمان کے ساتھ اسلام کی پابندی کر لیتے ہیں، جس دن ایمانِ مفصل کے تمام حصوں پر شعوری انداز سے ایمان لایا جائے گا تو انسان کی کیفیت ہی بدل جائے گی، موجودہ زمانے میں پچاس ساٹھ سال والے لوگوں کو تک دین کی بنیادی باتیں نہیں معلوم اور نوجوان تو دین سے بالکل نابلد ہوگئے ہیں، اکثر دہریئے اور مرتد جیسی گفتگو کرتے ہیں، اور مسلمان ہو کر اسلام پر تنقید بھی کرتے ہیں، مسجدیں تو بھری نظر آتی ہیں، مگر ان میں شعور اور خشیت والے نظر نہیں آتے۔

☆ اللہ کی صحیح پہچان نہ ملنے کی وجہ سے پوری دنیا میں مسلمان نمازوں، اذان اور اقامت میں اللہ کی بڑائی برابر سنتے بولتے اور سمجھتے ہیں، مگر حکومتوں، عدالتوں، کمپنیوں، کاروبار، معاملات میں، شادی بیاہ میں، عورتوں کے لباس پہننے میں، گھروں کے رہن سہن میں، دوستی ودشمنی میں، کمانے خرچ کرنے میں کہیں پر بھی اللہ کی بڑائی نظر نہیں آتی، تقریباً ساری دنیا کے اکثر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ مسجد ہی کی حد تک اللہ کو بڑا مانتے ہیں، عمل سے اللہ کو بڑا نہیں مانتے، مسجد سے باہر اپنی نفس

کی بڑائی یا انسانی قانون کی بڑائی میں زندگی گذار رہے ہیں۔

☆ ایمان کی تعلیم ناقص ملنے کی وجہ سے دنیا کے تقریباً تمام مسلمان اللہ اور رسول کی مسلمانوں کو گفتگو کی جو تعلیمات سکھائی گئی ہیں ان کو بولے بغیر اپنی گفتگو غیر مسلموں کی طرح کرتے ہیں، اور ان کی گفتگو، اللہ کی بڑائی، تعریف، حمد، شکر، اللہ کے بھروسہ پر بات کرنے، انشاء اللہ، ماشاء اللہ، الحمد للہ، جزاک اللہ، استغفر اللہ، اللہ اکبر سے خالی ہوتی ہے، وہ بے شعوری کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں، مگر بعض لوگ اپنی گفتگو میں یا علی المدد، یا حسین المدد، یا غوث المدد، یا خواجہ المدد، یا پیرانِ پیر المدد جیسے شرکیہ الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور شاعر حضرات اپنی شاعری میں غلو کر کے شرکیہ کلام سناتے ہیں، ذرا غور کیجئے کہ ہم کتنا اسلام پر چل رہے ہیں، پھر بھی اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر مطمئن ہیں، عجمی علاقوں کی اکثر مساجد میں یا اللہ اور یا محمد کی تختیاں یکساں لگاتے ہیں، جبکہ یا حاضر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ مسلمانوں کی بڑی تعداد کے شرکیہ عقائد و اعمال کا یہ عالم ہے کہ بغداد، ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کی درگاہیں ہمیشہ انسانوں سے بھری رہتی ہیں، مسلمان دعوت و تبلیغ اور امامت کا مقام بھول کر غیر مسلموں کو اللہ کا تعارف کروانے اور اللہ سے جوڑنے کے بجائے جھنڈوں، علموں، درگاہوں اور قبروں سے جوڑ دیا ہے، اور باقاعدہ عرس اور صندل کے نام پر عبادت کے وہ طریقے جو اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں وہاں ادا کرتے ہیں، منتیں، مرادیں اور دعائیں، سجدے، رکوع، طواف، قربانی سب کچھ وہاں ہوتا ہے۔

☆ اللہ کے رسول ﷺ نے نمک کی ڈلی اور جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تب بھی اللہ سے مدد مانگنے کی تعلیم دی، مسلمان صحیح ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے غیر مسلموں کی طرح مزاروں اور درگاہوں پر جا کر اولاد، تجارت، نوکری، تندرستی، مشکلات سے نجات کے لئے منتیں اور دعائیں مانگتے ہیں، عجمی علاقوں میں درگاہیں، عبادت گاہیں بنی ہوئی ہیں، مختلف گھروں میں درگاہوں کی تصاویر لگی رہتی ہیں، اور بعض گھروں میں بزرگوں کی خیالی تصاویر ہوتی ہیں۔

☆ اسی طرح بہت بڑی تعداد تعویذ گنڈے، چھوت چھات، توہم پرستی، پتھروں کی انگوٹھیاں، تاریخوں، مہینوں اور دنوں کو منحوس سمجھنا جیسے شرک جلی و شرک خفی میں گرفتار ہے، اس کی وجہ وہ شعوری ایمان ہی سے بہت دور ہیں، ان کو توحید اور شرک میں فرق ہی نہیں معلوم، ہر ملک میں مسلمان بدعات و خرافات کے عادی ہیں اور بزرگوں کے ساتھ غلو، شرکیہ عقائد اور اعمال میں مبتلا ہیں، ان کو

اللہ کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتے ہیں، خالص ان کے سامنے اکیلے اللہ کی بڑائی کی جائے تو پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں اور اسے بے دین کہتے ہیں۔

☆ مصر میں بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی Alabaster نامی چمکدار ہلکے چکنے پالش اسٹون، جو تین یا چار رنگوں کا ہوتا ہے، جس میں سے سورج کی شعاعیں بھی گذر سکتی ہیں، اس اسٹون سے فرعون اور اس کے خاندان کی مورتیاں اور اس زمانہ کے شرکیہ مجسمے بنا کر سیاحوں کو فروخت کرتے ہیں، یعنی مسلمان دوسروں کو توحید کا درس دینے کے بجائے خود شرک و کفر کے سامان کی تجارت میں مبتلا ہیں، وہاں ایک چٹان پر ایک پتھر کا کیڑا Vittal بنا ہوا ہے جو ایک زمانے میں مصر میں پایا جاتا تھا، اب نہیں ہے، اس کے تعلق سے یہ عقیدہ ہے کہ اس کے اطراف سات چکر لگانے سے اولاد ہوتی ہے، مسلمان سیاح بھی یہی عمل کر رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ بانجھ عورت بچہ دینے کے قابل ہو جاتی ہے۔

☆ مسلمانوں کی کثیر تعداد منافقانہ انداز کے اوصاف سے بھر گئی ہے، ان میں امانت داری، دیانت داری، سچائی، صبر، وعدہ کی پابندی، غیروں کے ساتھ ہمدردی، حقوق العباد کی ادائیگی اور ایمانداری کا جذبہ بالکل نہ کے برابر ہو گیا ہے، دنیا کے فائدوں کی خاطر یا نفس کے بہکانے، بدلہ لینے، جھوٹے مقدمات ڈالتے ہیں، کثرت سے جھوٹ بول کر وعدہ خلافی کرتے ہیں، لوگوں کے مکان، دُکان، کرایہ پر لیکر امانت میں خیانت کرتے ہیں، زمینات و جائیدادوں پر ناجائز قبضے کر لیتے ہیں، اللہ سے بڑھ کر دولت کے دیوانے بنے ہوئے ہیں، مال و دولت کا ذمہ دار بنایا جائے تو غبن کرتے ہیں، قرضۂ حسنہ دے کر وصول کرنے کے لئے چپلیں گھسنا پڑتا ہے، تجارت میں زیادہ تر جھوٹ بول کر مال کماتے ہیں۔

☆ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب عرب کے ایک شہر میں گئے، وہاں انہوں نے ایک کپڑے کی دُکان پر کچھ کپڑا دیکھا، پوچھا یہ کہاں سے منگواتے ہو؟ عرب نے کہا: لندن سے! تب مولانا نے کہا: یہ کپڑا پاکستان میں بھی ملتا ہے، تب عرب نے کہا: ہم وہاں سے اس لئے نہیں منگواتے کہ وہ لوگ سیمپل ایک بھیجتے ہیں اور مال دوسرا بھیجتے ہیں۔

جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جس میں عہد و وعدہ کی پابندی نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ (متفق علیہ) یہ بھی ارشاد ہے کہ منافق کی چار علامتیں ہوتی ہیں: جھوٹ بولنا، گالی دینا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، ایک اور حدیث کا مفہوم ہے

کہ منافق میں دو خصلتیں ہوتی ہیں: ایک اخلاق نہیں ہوتے، دوسرے دین کی سمجھ نہیں ہوتی۔

☆ مسلم نوجوانوں کی بڑی تعداد مذاق و دل لگی میں بھی گالی گلوج اور فحش کلامی سے ہٹ کر بات نہیں کرتی، خود اپنی ماں بہنوں کو بے شعوری میں گالی دیتے رہتے ہیں، ان کے پاس صبر، بزدلی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

☆ پوری دنیا میں اکثر مسلمانوں کے پاس دین کے احکام پر چلنے کے لئے پیدائش سے موت تک جاہلانہ رسمیں اور بدعات وخرافات ہوتی ہیں، ہر ملک میں الگ الگ بدعات رائج ہیں، موت کے بعد زیارت، چہلم و برسی کرتے اور قبروں پر پھول اور چادر چڑھاتے، تین اور تیرہ تاریخوں کو اور چہارشنبہ کو منحوس سمجھتے ہیں، تیرہ صفر کو اپنے سر ہانے انڈے، دالیں اور چاول رات بھر رکھ کر صبح کو خیرات کرتے، مختلف کاموں کی ابتداء اور اختتام پر فاتحہ خوانی ہوتی، اجتماعی قرآن خوانی کرتے، بلند آواز سے چلاّ کر سلام پڑھتے، نماز کے بعد دعاء میں فاتحہ پڑھنا اور فجر وعصر کے بعد مصافحہ کرنا ضروری سمجھتے، مرشد اپنے مریدوں کے ساتھ قوالی اور سماع کی محفل جماتے اور مریدین وجد میں آکر جھومتے، لوٹتے اور ناچتے ہیں، اور بعض لوگ شادی کے بعد غیر مسلموں کی نقل میں ہنی مون، برتھ ڈے اور شادی کی سالگرہ مناتے۔

☆ دنیا میں سب سے زیادہ بغیر سمجھے پڑھی جانے والی کتاب قرآن مجید بن گئی ہے، مسلمانوں کی بڑی تعداد اُسے ہر روز ہدایت کی غرض سے نہیں، صرف برکت، ثواب اور خانہ پوری اور میت کی تکلیف دور کرنے، تعویذ، گنڈے اور شیاطین کو بھگانے کے لئے پڑھتے ہیں، یا پھر خود تلاوت نہ کر کے کرایہ پر لوگوں سے پڑھاتے ہیں، تقریباً پوری دنیا میں حفاظ کی بڑی تعداد رمضان میں باقاعدہ پورا قرآن تراویح میں سناتے ہیں اور مسلمان بھی بڑے اہتمام سے سنتے ہیں، مگر یہ قرآن کبھی سمجھ کر پڑھتے ہی نہیں، ان کو دنیا کے تمام کاموں موت وحیات، دعوت، نوکری، بیوی بچے، دوستوں، بیکار وقت گذارنے، نیند لینے، تفریحات میں گھومنے تو وقت ہوتا ہے، مگر اللہ کا کلام پڑھنے اور سمجھنے کے لئے وقت ہی نہ ہونے کا بہانہ کرتے ہیں، بنی اسرائیل بھی کتاب الٰہی رکھ کر اس کو پڑھتے مگر اس کو سمجھنے کی فکر ہی نہیں کرتے، اس لئے انہیں گدھے اور جانور سے تشبیہ دی گئی ہے، بعض مسلم علاقوں میں مسلمان مسجد آتے ہی قرآن لیکر بیٹھ جاتے ہیں، مگر عملی زندگی میں اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

☆ کسی مسجد میں قرآن مجید کے دروس نہیں ہوتے، عجمی علاقوں میں بھی مسلکی جھگڑوں کی وجہ

سے قرآن بہت کم سمجھایا جاتا ہے اور اختلاف کی باتیں زیادہ ہوتی ہیں، پوری دنیا میں صرف معاشرے کی اصلاح پر بیانات ہوتے ہیں، لوگ سورۂ فاتحہ اور سورۂ فیل سے سورۂ ناس یاد رکھتے اور پڑھتے ہیں، مگر نہ تجوید سے پڑھتے ہیں اور نہ ہی ان کے معنیٰ ومطلب سے واقف ہیں۔

☆ موجودہ زمانے میں زیادہ تر عورتیں پڑھنے کا ذہن رکھتی ہیں، ورنہ پچھلے زمانوں میں عورتوں کو دنیا کی بھی تعلیم نہیں دلائی جاتی تھی، مگر عورتیں دنیا کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دین کے خلاف مغربی کلچر پر آجاتی ہیں، حالانکہ دنیا کی تعلیم کے بعد قرآن کا فہم حاصل کرنا آسان ہوجاتا ہے، اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور سمجھا سکتے ہیں، پورے مسلم ممالک میں نوجوان لڑکے زیادہ تر آوارہ گردی، سگریٹ نوشی، شراب، عریاں فلمیں اور آج کل اسمارٹ فونس کے عادی ہوگئے ہیں۔

☆ پوری دنیا میں اکثر مسلمان رسول اللہ ﷺ کی ذات سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن پیغمبر کی اطاعت نہیں کرتے، وہ پیغمبر کو انسان ماننے کو بُرا سمجھتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بس رسول سے محبت کافی ہے، اعمالِ صالحہ اور اطاعت کی ضرورت نہیں، رسول ہماری شفاعت کروالیں گے، ہمارا رسول اللہ کا محبوب ہے، بھلا اس کی امت کو اللہ دوزخ میں کیوں ڈالے گا، ہم کچھ نہیں کرکے صرف رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑ کر جنت میں چلے جائیں گے، نماز اور دیگر اعمالِ صالحہ سے دور رہ کر شرکیہ عقیدہ رکھ کر صرف جمعہ کی پابندی کرکے اپنے وعظ وتقاریر میں پکار پکار کر رسول سے محبت کا اعلان کرتے ہیں، یہی لوگ زیادہ تر بدعات وخرافات اور رسوم ورواج کو دین کا حصہ بنا چکے ہیں۔

☆ عجمی علاقوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد نماز کی پابند ہی نہیں ہے، پوری دنیا میں مسلمان فجر کی نماز کے وقت سوتے پڑے رہتے ہیں، یا پھر پانچ وقت کی نماز کی جگہ نماز کی پابندی مرد لوگ صرف جمعہ، عیدین، اور مرد وعورتیں دونوں رمضان کی حد تک بڑے اہتمام سے کرتے ہیں اور رمضان کے فوراً بعد اسلام سے دور ہوجاتے ہیں مسلمانوں سے مسجدیں خالی ہوجاتی ہیں، صرف جمعہ پڑھنے والے فرض نماز کے ساتھ ہی مسجد سے ایسے بھاگتے ہیں جیسے قیدی قید سے چھوٹ کر بھاگتا ہے۔

☆ اکثر مسلم ممالک میں کرکٹ میاچ جمعہ کے دن بھی کھیلا جاتا ہے، پتہ نہیں ہزاروں مسلم مرد اور عورتیں ظہر، عصر، مغرب عشاء اور جمعہ کب اور کہاں ادا کرتے ہیں، جبکہ بعض جگہوں پر نئی فلمیں جمعہ ہی کے دن جاری ہوتی ہیں، بعض مسلمان ریلیز کے پہلے ہی دن فلم دیکھنے کی خواہش میں جمعہ کی نماز چھوڑ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ہفتہ کے دن کی بے حرمتی کرنے پر عذاب دے کر بندر

بنادیا تھا، مگر آج مسلمانوں کا ایمان اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ وہ جسارت کے ساتھ بنی اسرائیل کے عذابات جاننے کے باوجود بھی جمعہ کے دن اپنی عورتوں کو بے پردہ لیکر لندن، پاکستان، عرب، ہندوستان، بنگلہ دیش کے اسٹیڈیم میں فلم، کرکٹ اور مشاعرے وغیرہ دیکھنے کے لئے بیٹھے رہتے ہیں، کوئی بھی اس دن کرکٹ دیکھنے سے بائیکاٹ نہیں کرتا، مگر نماز کا عملاً بائیکاٹ کرتے نظر آتے ہیں۔

☆ رمضان المبارک میں بعض مسلم علاقوں میں مسلم بچے اور بڑے عبادت میں وقت گذارنے کے بجائے گلیوں میں روشنی لگا کر کرکٹ، فٹبال، شطرنج اور تاش کھیلتے ہیں، یا رات بھر ٹی وی کے سامنے جاگ کر وقت گذارتے ہیں، پھر دن میں دو بجے تک سوتے پڑے رہتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خاص طور پر رمضان کے مہینے میں عبادات کے ذریعہ تقویٰ حاصل کرنے کی تعلیم دی گئی۔

☆ باہر کے ملکوں میں اکثر عجمیوں کا یہ حال ہے کہ نماز عید کے ساتھ ہی خطبہ سنے بغیر عیدگاہ سے باہر نکلنا شروع ہوجاتے ہیں، جبکہ خطبہ بھی دو رکعت کے مساوی اور سننا واجب ہوتا ہے، دین سے ناواقفیت کا یہ عالم ہے کہ اکثر مساجد میں خطبہ کھڑے ہوکر سنتے ہیں اور خطبہ کے دوران بات بھی کرتے ہیں۔

☆ تقریباً پوری دنیا میں مسلمان راتوں کو ٹی وی، فلمیں دیکھتے یا دعوتوں میں یا ہوٹلوں میں وقت ضائع کرکے دیر تک جاگتے ہیں اور صبح فجر میں سوتے پڑے رہتے ہیں، ان کے نزدیک دعوت کی اہمیت بہت ہے نماز چھوٹ جانے کا کوئی احساس وافسوس نہیں، اکثر دولتمند فجر کی نماز کو نہیں آتے۔

☆ مسلکوں کی بنیاد پر اتنے سخت ہوگئے ہیں کہ بعض مسلم ممالک میں علماء کو اور مسجد میں نماز ادا کرنے والوں کو گولی مار کر ہلاک کردیتے ہیں، ایک مسلک کا آدمی دوسرے مسلک کی مسجد میں چلا جائے تو اس کے جانے کے بعد مسجدوں کو ناپاک ہوجانے کے تصور سے دھویا جاتا ہے، لندن میں مسجدوں میں مسلکی جھگڑوں پر لڑائی ہوتی ہے تو پولیس کو مسجد میں جوتے پہن کر جھگڑا حل کرنے کے لئے آنا پڑتا ہے، کتے بھی ساتھ مسجد میں لائے جاتے ہیں، کسی کو مسجد کی بے حرمتی کا خیال نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں بہتّر (۷۲) فرقے ہوں گے اور میری امت میں تہتّر (۷۳) فرقے ہوں گے، سوائے ایک کے سب جہنم میں جائیں گے، کیا ہماری یہ حالت بنی اسرائیل سے ملتی جلتی نہیں ہے؟ کیوں عبرت ونصیحت حاصل نہیں کرتے؟

☆ آج کل حج وعمرہ بھی تقویٰ حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ صرف برکت وتفریح اور خانہ پوری کے لئے کیا جاتا ہے، تاجر طبقہ اپنی اولاد پر محنت کرنے کے بجائے کاروبار میں برکت کے لئے

ہر سال حج وعمرہ کرتے نظر آتے ہیں، اور اولاد کی دین کی تعلیم کے لئے معمولی رقم خرچ کر کے انہیں دین سے بے شعور ہی رکھتے ہیں، پھر حاجی کی کیفیت حج وعمرہ کے بعد جیسے پہلے ہوتی ہے ویسی ہی نظر آتی ہے، مسلمان ہر سال روزے رکھ کر بھی حج اور روزوں کے بعد رمضان اور حج سے پہلے جیسے ہوتے ہیں ویسی ہی زندگی گذارتے ہیں، برسوں سے روزے رکھنے کے باوجود تبدیل نہیں ہوتے، آخر حج اور روزے کیا صرف رسم ادا کرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں؟ کیا یہ اللہ کے ساتھ مذاق نہیں؟ اکثر مسلمان روزے اور حج کے مقاصد ہی نہیں جانتے، جب روزہ اور حج تقویٰ کے لئے رکھوایا جارہا ہے تو پھر ان عبادتوں سے مقصد کیوں حاصل نہیں کرتے؟ اس کی بڑی وجہ روزے بھی ہر سال بے شعوری کے ساتھ رکھتے ہیں، اور حج بھی بے شعوری سے کرتے ہیں۔

☆ حاجیوں کی بہت بڑی تعداد بے شعور ہے، صحنِ کعبہ میں عورتیں بے پردہ پھرتی رہتی ہیں، زیادہ بازاروں میں نظر آتی ہیں، بہت سے لوگ مسلکی اختلاف کی وجہ سے حرم کی باجماعت نماز چھوڑ کر ہوٹلوں کے کمروں میں باجماعت یا انفرادی نماز ادا کر کے وہاں کی عظیم الشان نیکیوں، رحمتوں، فضائل اور ثواب سے محروم رہتے ہیں، جبکہ لاکھوں روپے خرچ کر کے حج کو جاتے ہیں۔

☆ حج کے ایام میں بعض لوگوں کو لڑتا ہوا اور گالی گلوج کرتا ہوا بھی دیکھا گیا، اور بہت سے لوگ حرمین کی نمازیں چھوڑ کر قریبی جگہ جدّہ جا کر رشتہ داروں کے پاس مہمان بن جاتے ہیں، مغربی ممالک میں حجاب پر پابندی لگائی جارہی ہے، جبکہ ساری دنیا میں اور حرم کے صحن میں حاجی عورتیں کسی کے منع کئے بغیر بے پردہ چہرہ کھلا کر رکھ پھرتی ہیں، بعض لوگ مسجد نبوی میں بیٹھ کر اللہ سے دعاء مانگنے کے بجائے حضور ﷺ کے روضہ کی طرف رخ کر کے ان سے مخاطب ہو کر مانگتے ہیں، اور دعاء میں حضور ﷺ سے اپنے مسائل حل کرنے کو کہتے ہیں، ایک شخص کو یہ کہتے سنا گیا کہ ''دین مجھے آپ سے ملا ہے، اس لئے میں اللہ سے نہیں' آپ سے دعاء مانگ رہا ہوں''، کسی کو یہ کہتے سنا گیا ''میری جو تکالیف مدینے میں رہیں' سرکارؐ مدد کرتے رہے اور سرکارؐ کو میں ہر روز پکارتا رہا''، یہ کیسی جہالت اور بے شعوری ہے، بعض عاشقینِ رسولؐ بابِ جبرئیل سے داخل ہو کر گھوم کر روضہ کا طواف کرتے ہیں۔

☆ مسلمانوں کی ایک خاص تعداد ہر روز بغیر سمجھے قرآن مجید پڑھتی ہے مگر زندگی کے تمام شعبوں میں سماج وسوسائٹی کے طریقوں کو دین سمجھ کر ان کو ادا کرتی ہے، کسی کے پاس درگاہوں کی زیارت چھوٹے حج کے برابر ہے اور وہ باقاعدہ ہر سال سفر کر کے درگاہوں کی زیارت کو جاتے ہیں،

اور کوئی ہر سال غم اور ماتم کو دین سمجھا ہوا ہے، اور یہ مسلمان دین کے کاموں میں بدعات وخرافات کا اضافہ کر کے اس کے پابند بنے ہوئے ہیں۔

☆ پوری دنیا میں اکثر مسلمان اسلامی قانون کے مطابق نکاح تو کرتے ہیں مگر نکاح کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے ملکوں کے جاہلانہ اور غیر اسلامی رسم ورواج بھی کرتے ہیں، جبکہ حضور اکرم ﷺ تمام جاہلانہ رسموں کو مٹانے آئے تھے، جس کی وجہ سے مسلمان کے نکاح کی تقریبات میں اسلام کی نورانیت نظر نہیں آتی، ایسے لوگوں زندگی بے برکت اور اللہ کی رحمت سے دور ہو رہی ہے۔

☆ عورتیں عام طور پر پروفیشنل کورسیس کرنے، نوکری کرنے یا اپنے ماں باپ کے دولتمند ہونے پر اپنے سے بڑے قابل مالدار مرد ہی سے نکاح کرنا چاہتی ہیں؛ جس کی وجہ سے عرب اور عجم میں شادی کا توازن بہت بگڑ گیا ہے، اور زنا آسان اور نکاح مشکل ہو گیا، عرب میں عورتوں کی طرف سے مرد سے بنگلہ، موٹر، سامانِ عیش، بینک بیالنس، اچھی تجارت، بڑی نوکری وغیرہ جیسی چیزوں کا مطالبہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے مرد نکاح کرنے سے عاجز ہو رہے ہیں اور وہاں لڑکیاں ۴۰ رسال تک عمریں کاٹ رہی ہیں، دولت کی کثرت سے جب چاہے لندن وامریکہ اور یوروپ جاتی ہیں۔

☆ عجمی علاقوں میں مردوں کی طرف سے قرآن مجید کے احکام کے خلاف ناجائز اور حرام چیزوں کا مطالبہ ہوتا ہے، جیسے سامانِ جہیز، ڈوری جوڑے کی کثیر رقم، اعلیٰ وعمدہ خوشحال گھرانہ، شان و شوکت والا عمدہ شادی خانے میں نکاح، خوبصورت پڑھی لکھی لڑکی چاہے خود بے دین ہو اور اس کا گھرانہ بے دین ہی کیوں نہ ہو، کثیر مہمانوں کی عمدہ قسم کی دعوت، پھر شادی کے بعد ناجائز رسموں والی دعوتوں کا اہتمام ہو، جس کی وجہ سے ہر مسلم ملک میں ہزاروں مرد اور عورتیں بے نکاح بیٹھ کر عمریں کاٹ رہے ہیں، دونوں طرف جان بوجھ کر مسلمان اپنے نبی ﷺ کے ارشادات سے منہ موڑ کر نکاح کرنا چاہتے ہیں، اسی کی وجہ سے آج نکاح مشکل اور زنا وبدکاری آسان ہوتی جا رہی ہے اور لڑکیاں غیر مسلموں کی طرف راغب ہو رہی ہیں۔

☆ بعض مسلمان نکاح کے لئے بے دینی کو جانچے بغیر غیر مسلم خوبصورت عورتوں سے عاشقی کر کے برائے نام کلمہ پڑھا کر یا اہل کتاب عورتوں سے صرف نفسانی خواہش پوری کرنے یا شہریت حاصل کرنے کے لئے نکاح کرتے ہیں، بعض تو بعد میں طلاق بھی دے دیتے ہیں، وہ عورتیں ایک دوسرے کی زبان نہیں جانتیں، نہ اسلامی کلچر اور تہذیب سے واقف ہوتیں، نہ توحید اور شرک کی

حقیقت کو سمجھتیں ہیں، ان سے ہونے والی اولاد آوارہ اور بے دین بنتی ہے، وہ عورتیں مسلمان مرد سے شادی کرنے کے باوجود اسلام سے واقف نہیں ہوتیں، نہ ان کے مرد ان پر اسلام کی محنت کرتے ہیں، کیا واقعی ہم اپنے پیغمبر ﷺ کی تعلیمات پر اور تاکید پر عمل کر رہے ہیں یا پیغمبر کو چھوڑ کر نفس کی غلامی کر رہے ہیں؟ اللہ کے احکام کو چھوڑ کر ہم نے نفس کو خدا بنالیا ہے۔

☆ اکثر مسلم ممالک میں نکاح کی تقریب میں عورتوں کی بڑی تعداد خوب زیور سونا وغیرہ اور نیم برہنہ لباس پہن کر اپنے اپنے ملک کے کلچر کے مطابق مل کر ڈانس کرتی ہیں، بعض جگہ دس سال سے کم عمر کے لڑکوں کو دعوتوں میں عورتوں میں جانے کی اجازت نہیں ہوتی، اس کی وجہ پردہ نہیں بلکہ عورتوں کا نیم برہنہ جسم ہوتا ہے، ویسے وہ کھلے بازار سب مردوں کے سامنے چہرہ کھول کر پھرتی ہیں، اکثر مقامات پر مرد اور عورتیں ملکر باجے کے ساتھ ناچتے گاتے ہیں، اکثر مسلم ممالک میں مسلم عورتیں فیشن کا باریک لباس بغیر دوڈپٹے کے بھاری بھاری صرف میا کسی پہن کر مردوں کے درمیان پھرتی ہیں، اور اکثر مسلم عورتیں اپنی زیور اور لباس کے حسن کو ظاہر کرنے کے لئے میکسی پر ڈوپٹہ نہیں اوڑھتیں، جبکہ اللہ نے سینوں پر دوپٹے ڈالنے کا حکم دیا ہے، دولہن کو بھی نیم عریاں باریک کپڑوں کا جس سے اندرونی جسم کے ابھرے ہوئے اعضاء نظر آتے ہیں انگریزوں جیسا لباس پہنا کر لایا جاتا ہے اور مہمانوں کے درمیان تقریباً مسلم جوڑے مل بیٹھ کر مہمانوں کا استقبال کرتے ہیں، اور ہوسکے تو ڈنر سے پہلے مہمانوں کے ساتھ محبت کا اظہار کرنے کے لئے بے شرمی والا ڈانس بھی کرتے ہیں، پھر دونوں مل کر کیک کاٹتے ہیں، انڈونیشیا اور ملائشیا میں تو شادی کی تقریب میں مرد اور عورتیں بے پردہ مسجد میں جمع ہوتے ہیں، دولہا دولہن کو لیکر الگ الگ بیٹھتے ہیں، ان میں پردہ نام کو بھی نہیں ہوتا، پھر ان محفلوں میں قرآن بھی سنایا جاتا ہے، کیا یہ اسلامی تہذیب اور اسلام پر عمل کرنا ہے؟

☆ آج فضول خرچی کا یہ عالم ہے کہ ساری دنیا میں بعض مسلمان مساجد میں نکاح کی تقریب کو ادا کر کے پھر بڑی بڑی عالیشان ہوٹلوں یا شادی خانوں میں ڈنر دینے کا شوق رکھتے ہیں، ہوٹل اور شادی خانوں کو حد سے زیادہ سجاتے ہیں اور کئی کئی قسم کی غذاؤں کا اہتمام کرتے ہیں، ان کو فضول خرچی کا احساس ہی نہیں رہتا، یہ سب حالات بے دینی کی علامتیں ہیں، اور مسلم معاشرے میں برکت والے نکاح نہ ہونے اور شادی سے پہلے اولاد کی صحیح تربیت نہ ہونے کی وجہ سے طلاق بہت زیادہ ہو رہی ہے، مسلم معاشرے میں اکثر عورتیں مردوں کی اطاعت میں گھریلو زندگی گذارنے

کے لئے تیار نہیں ہیں اور نہ گھر کے کام کاج کرنا چاہتی ہیں، کب تک بے ایمانی کی زندگی گذاریں گے؟! حالت یہ ہے کہ قرض حسنہ دے کر وصول کرنے کے لئے چپلیں گھسنا پڑتا ہے۔

☆ پوری دنیا میں سب سے زیادہ مسلمان بھیک مانگنے کے عادی بنتے جارہے ہیں، ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں مسلمان زیادہ بھیک مانگتے نظر آتے ہیں، حج کے موسم میں ایجنٹ لوگ لنگڑے، لولے، معذور بچوں اور عورتوں کو افریقہ اور دیگر غریب ممالک سے کنٹراکٹ پر ویزے لیکر بھیک مانگنے کے لئے لاتے ہیں اور پوری دنیا میں غریب مسلمانوں کا مزاج محنت کرنے کے بجائے بھیک مانگنے کا بنتا جارہا ہے، بے شعور عقل سے عاری علماء کا یہ حال ہے کہ ایسے بھیک مانگنے والوں کو کوئی ہنر سکھا کر خود کفیل بنانے کے لئے بجائے ان کے لئے وہ ہر سال قربانی کا گوشت رمضان راشن اور ماہانہ وظیفہ مقرر کر کے ان کو مزید ناکارہ بنا کر اسلام میں بھکاریوں کی تعداد بڑھا رہے ہیں۔

☆ اللہ کا حکم اور تاکید ہے کہ عورتیں مردوں سے پردہ کریں اور مرد پردے کے پیچھے سے اور آڑ سے کوئی چیز مانگیں، (الاحزاب) مگر پوری دنیا میں مسلمان عورتیں اللہ کے حکم کے خلاف پردے کے احکام کو توڑ کر ان کی کثیر تعداد یا تو مکمل بے پردہ ہے یا پردے کے احکام کے خلاف اسکارف باندھنا شروع کر دیا اور چہرہ کھلا رکھتے ہیں، عورت کی آنکھ، ناک، ہونٹ دیکھ کر عمر، سیکس، جوانی اور خوبصورتی وغیرہ کا مرد اندازہ لگاتا ہے، اُسے کھلا رکھ کر صرف کپڑوں، بالوں اور کانوں کو چھپایا جاتا ہے، جبکہ بالوں اور کانوں سے کسی کو پسند نہیں کیا جاتا، چہرہ جو اصل مقامِ شر ہے، جب آنکھیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں، اسی سے انسان کے اندرونی جذبات کا اظہار ہوتا ہے، جو دل کی ترجمانی کرتی ہیں، اسی سے تعلقات، دوستی، پسند اور زنا کی پہلی سیڑھی شروع ہوتی ہے، کیا اُسے کھلا رکھ کر اسلامی احکام سے بغاوت کرنا نہیں کہلاتا، کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے یا غیر مسلموں کی نقالی ہے؟

☆ غور کیجئے! عورتیں مغربی ملکوں میں نماز کے لئے مغرب کی عورتوں کا لباس پائنٹ اور جرسی پہن کر پاپ کٹ بال پر اسکارف باندھ کر مسجد آتی ہیں، اور مردوں کے پیچھے ہلکا اور برائے نام پردہ ڈال کر نماز ادا کرتی ہیں، غیر مردوں سے بلا جھجک برادر و سسٹر سے بات کی جاتی ہے، اور سارے مسلم ملکوں میں آہستہ آہستہ پردہ کا اہتمام ختم ہوتا جارہا ہے، بغیر برقعہ اور چادر کے ہندوستان، بنگلہ دیش، پاکستان، ترکی، انڈونیشیا، ملیشیا، انگلینڈ، امریکہ اور یوروپ میں تو عورتیں صرف جسمانی کپڑوں کے نیم برہنہ لباس سے سڑکوں، دکانوں، مالس اور ہوٹلوں میں پھرتی نظر آتی ہیں، اور اسلام کو مانتے

ہوئے مغربی کلچر کی نمائندگی کرتی ہیں، اور یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اسلام کو مانتی ہیں، مگر اس کے کلچر اور طور طریقوں کو پسند نہیں کرتیں، کیا یہ کتاب الٰہی کے ساتھ بغاوت نہیں ہے؟ ذرا غور کیجئے کیا ہم اپنے ان اعمال سے اللہ کی مدد و رحمت کے مستحق بن سکیں گے یا ذلت میں مبتلا ہو جائیں گے؟

☆ آج کل تقریباً تمام دنیا میں مسلم لڑکیوں کا مزاج مردوں کی برابری کا بنتا جا رہا ہے، اور وہ پروفیشنل کورسیس کر کے مردوں کی طرح سرکاری اور پرائیویٹ دفتروں، مقامی اور ملٹی نیشنل کمپنیوں، دواخانوں، اسکولوں، کالجوں اور دُکانوں میں جاب کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہیں، مغربی ممالک میں تو اکثر مسلم عورتیں ہاؤز وائف نہیں ہیں، گھریلو زندگی کو قید خانہ سمجھتی ہیں، جبکہ اللہ نے عورت کو چار دیواری کے اندر ہی محفوظ رہنے کی تاکید کی ہے، وہ تمام عورتیں غیر مردوں اور غیر مسلموں کے ساتھ نوکری میں دس دس بارہ بارہ گھنٹے گذارتی ہیں اور اپنے بچوں کو چلڈرنس کیر یا چلڈرنس ہوم کے حوالے کر دیتی ہیں۔

☆ ایسی عورتوں کو لڑکیوں کے اسکول اور کالج ''کو۔ایجوکیشن'' سے نفرت نہیں ہوتی ہے، چنانچہ ایک مسلم یونیورسٹی میں جب پہلی مرتبہ امریکہ کے صدر نے کو۔ایجوکیشن جاری کرنے کے لئے تقریر کی تو لڑکیوں کی بہت بڑی تعداد نے ناچتے گاتے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا اور صدر امریکہ کی تقریر کا گرمجوشی سے استقبال کیا، خوب تالیاں بجائیں، چنانچہ پڑھی لکھی عورتوں کی بڑی تعداد دفاتر، کمپنیوں، بینکوں، مالس، ہوٹلس اور ہوائی جہاز میں ایر ہوسٹس کی نوکریاں کرنی شروع کر دیں، جہاں تنخواہ بہت زیادہ ہوتی ہیں وہاں مردوں سے زیادہ عورتوں کو ملازم رکھا جا رہا ہے اور یہ عورتیں بغیر محرم کے بسوں، ریلوں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتی ہیں، اگر عورتیں ٹیکنیکل کورسس کے بجائے قوم کی خدمت خاص طور پر عورتوں کے اداروں میں کام کرتیں، ٹیچر، لکچرار اور ڈاکٹر بنی ہوتیں، لیڈی ٹیکنیشن بنتیں تو ان اداروں کے ذریعہ مسلم اور غیر مسلم عورتوں کو اسلامی کلچر سمجھنے کا موقع مل سکتا تھا۔

☆ نوکری کرنے والی عورتیں مردوں کی فرمانبرداری میں رہنا نہیں چاہتیں، مسلم معاشرے کے اکثر مرد ان کے غلام بنے ہوئے ہیں، گھروں پر عورتوں کا راج ہے، جن گھروں میں عورتوں کی حکومت ہے گھر کا سارا نظام بگڑا ہوا ہے، اور اولاد برباد ہو رہی ہے، ایسے گھروں میں جاہلانہ رسمیں اور بے دینی بہت ہے، اس جہالت کی سب سے بڑی وجہ مرد کچھ وعظ و نصیحت مسجدوں اور اجتماعات میں سن لیتے ہیں، عورتیں اس سے محروم رہتی ہیں، ان کو کبھی دین کی باتیں سننے کا موقع ہی نہیں ملتا، مسلمانوں کے پاس عورت کی دینی ذہن سازی کا کوئی انتظام نہیں، آج کل مسلم ممالک میں بھی

عورت کو صدر، وزیر اعظم اور منسٹر بنایا جا رہا ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی امارت میں زندگی گذرانے سے منع فرمایا۔

☆ اسی طرح مسلمانوں کے پاس توبہ مذاق بنی ہوئی ہے، وہ توبہ کر کے اللہ کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں، لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں، حقوق العباد ادا نہیں کرتے، لوگوں کے گھر اور دُکان کرایہ پر لیکر قبضہ کر لیتے ہیں، زمینات پر ناجائز قبضہ کر لیتے ہیں، قرض لیکر ڈبو دیتے ہیں، قتل وخون کر کے رشوت دے کر جھوٹے وکیلوں کو کھڑا کر کے چھوٹ جاتے ہیں اور پھر خاص راتوں میں رو رو کر اللہ سے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، گھروں سے حرام مال نکالے بغیر لوگوں سے معافی مانگے بغیر اور ان کا لوٹا ہوا مال واپس کئے بغیر لوگوں کو راضی کئے بغیر توبہ کرتے ہیں اور توبہ کے بعد پھر نئے طریقے سے گناہ جاری رکھتے ہیں، بے نمازی رہتے ہوئے توبہ کرتے ہیں، مگر توبہ کے بعد بھی نماز نہیں پڑھتے، کیا یہ اللہ کے ساتھ توبہ کا مذاق نہیں؟ بنی اسرائیل بھی دین پر چلنے کے لئے اسی انداز کا مذاق کرتے تھے۔

☆ بعض مسلمان لوگ اپنے علاقوں میں شراب پینے کی اجازت نہ ہو تو ویک اینڈ پر پڑوسی ریاست کی بارڈر (سرحد) پر ایک دو روز کے لئے جاتے ہیں اور عیاشی کرتے ہیں۔

ہندوستان میں شراب کے ایک تاجر نے کہا کہ اس کی دُکان پر ہر روز 50 سے 55 ہزار روپئے تک کی شراب فروخت ہوتی ہے، لیکن رمضان کے مہینے میں 25 سے 30 ہزار روپئے تک ہی کی شراب فروخت ہوتی ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمان ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہر روز غیر مسلموں کی طرح شراب پیتے ہیں۔

☆ بعض مسلم ممالک کے جہازوں میں شراب بھی فروخت ہوتی ہے، سیکڑوں غیر مسلم مسلم ممالک میں کام کر رہے ہیں' مگر وہ مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوئے کبھی اسلامی عقائد واعمال، اسلامی کلچر اور اسلامی تعلیمات کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں، اس کے برعکس بعض مسلم ممالک میں گھوڑوں اور اونٹوں کی ریس، اور لاٹری کے نام پر انسانوں کو جوا کھیلنے کی عادت ڈالی جا رہی ہے، اور جوے کے نام پر بڑی بڑی رقمیں دی جاتی ہیں، باروں اور ہوٹلوں میں نیم برہنہ ناچ ہوتا ہے۔

☆ چنانچہ ہمیں دنیا کے تمام مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ ''یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائے یہود''، ایسی ہی حالت رہی تو ہم اللہ کی رحمت اور مغفرت کے کیسے مستحق بنیں گے؟ عذاب الٰہی سے کیسے بچیں گے؟ کیا یہ سب اعمال' کتاب الٰہی کی نافرمانی نہیں؟ اس لئے اپنی زندگی کا

جائزہ لیجئے! ورنہ ہم بھی بنی اسرائیل کی طرح اللہ کے سامنے مجرم بن کر جائیں گے اور شیطان ہم کو بھٹکانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

☆ مسلمانوں کی بڑی تعداد جو غیر مسلموں کے علاقوں میں رہتی ہے' ان کے پاس صبر نام کی کوئی چیز نہیں نظر آتی، وہ اپنوں سے بھی اور غیروں سے بھی غصہ کو برداشت کئے بغیر قتل وخون اور مار پیٹ' گالی گلوج پر آجاتے ہیں، مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ ان کے علاقوں میں رہتے ہوئے زندگی گذارنے کے دعوتی طور طریقے اور اخلاق ہی نہیں معلوم، ان کی زندگی کے تمام اعمال بالکل غیر مسلموں کے اعمال کی طرح نظر آتے ہیں، مسلمان' غیر مسلموں کو زیادہ تر اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہوئے ان کے ساتھ جہالت وبداخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کو اپنے داعی ہونے کا مدعو کے ساتھ حسنِ سلوک کا کوئی درس اور ترغیبات نہیں ملتیں، ان کو دوسری قوموں کے ساتھ رکھنے کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔

☆ اب بھی مسلم اور غیر مسلم سیکڑوں لوگ بہت سے مسلم اور غیر مسلم ملکوں میں نوکریاں کر رہے ہیں، ان کے ساتھ مسلمان رات دن وقت گذارتے ہیں، دوستی میں ساری باتیں ہوتی ہیں، مگر دین کا نہ عملی مظاہرہ ہوتا ہے اور نہ ہی زبانی انداز میں ان کو سمجھاتے ہیں، ان کی مسلمانیت اتنی کمزور ہوتی ہے کہ وہ اپنی تہذیب کو چھوڑ کر ان کے رنگ میں، ان کے کلچر میں مل جاتے ہیں۔

☆ بعض مسلم ممالک میں مسلمان عورتیں پیشانی پر ٹیکا اور تلک لگاتی ہیں، اپنے کلچر وتہذیب کو پیش کرنے اور اسلام کا عمل سے مظاہرہ کرنے کا شوق وذہن بالکل نہیں، دوسروں کے طور طریقے اختیار کرنے کا بہت زیادہ شوق ہے، جس کی وجہ سے مسلمان عورتیں بال کھلے رکھتیں، باریک نیم برہنہ لباس پہنتیں، مردوں جیسا لباس پہنتیں، سینہ' پیٹ اور پیٹھ کھلی رکھتیں، اور نیا نیا فیشن اختیار کر کے اچھائی وپاکیزگی چھوڑ کر برائی اور گندگی اختیار کرتی ہیں، بعض تو مسلم ہی نظر نہیں آتیں۔

☆ بھلا سوچئے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کی امامت سے معزول کر کے امت مسلمہ کو دنیا کا اگر امام بنایا ہے اور امت مسلمہ اپنی کارِ نبوت کا فریضہ انجام نہ دے تو دنیا کے انسانوں کو حق کیسے سمجھ میں آئے گا؟ اسلام کی توحید اور قرآن کی تعلیمات سے وہ کیسے واقف ہوں گے؟ توحید اور شرک کو کیسے سمجھیں گے؟

☆ ہر زمانے میں مسلمان دولت آتے ہی ضرورت کے مطابق زندگی گذارنے کے بجائے محلات اور ایک دوسرے کے مقابلے میں اعلیٰ سے اعلیٰ مکانات بنانے، سونا چاندی، کپڑوں اور عمدہ

غداؤں پر دولت کو خرچ کرنے کا مزاج بنالئے ہیں، دعوتِ دین کی کوئی پرواہ نہیں، دنیا کو گمراہی سے نکالنے کا کوئی ذہن نہیں، اس امت کو دوسری قوموں کی طرح سونا چاندی، قیمتی قیمتی کپڑے، عمدہ مکانات، عمدہ سواریوں، عمدہ غذاؤں میں، نئے نئے سامان کیا غفلت میں رہنے کے لئے دئے گئے؟

☆ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایک صحابیؓ نے دومنزلہ عمدہ مکان تعمیر کیا تھا، حضور ﷺ نے دیکھ کر کچھ نہیں کہا' صرف اظہارِ ناراضگی کیا، ان صحابیؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے مکان کو زمین دوز کردیا، مطلب یہ تھا کہ مسلمان اپنی توانائی مٹی اور گاڑے پر خرچ نہ کرے بلکہ دنیا کو ضرورت کے مطابق استعمال کرکے دین کے کاموں میں اپنی جان، وقت اور دولت لگائے۔

☆ مغرب میں ایک ادارہ ناسا کے نام سے کام کرتا ہے، جو ہوائی جہازوں کا پورا انتظام کرتا ہے، جب لوگ اس ادارے میں داخل ہوتے ہیں تو داخلہ پر ایک جملہ کا پرنٹ بار بار آتا رہتا ہے کہ ''آپ پر پوری نظر رکھی جارہی ہے، You are under watch لوگ گھنٹوں وہاں ادارے میں گھومتے ہیں مگر پکڑے جانے کے ڈر سے کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگاتے، مگر افسوس ہم اللہ کو سمیع و بصیر اور علیم جاننے اور ماننے کے باوجود دنیا میں رات دن اس کی کھولے طور پر نافرمانی میں زندگی گذار رہے ہیں۔

☆ زندگی کے تقریباً ہر شعبہ میں اللہ سے بغاوت جان بوجھ کر کررہے ہیں، عورتوں کو مہر دینے کے بجائے دولت لیتے ہیں، فضول خرچی کے ذریعہ جسارت کے ساتھ شیطان کے بھائی بنتے ہیں، پانچ وقت کی نماز فرض ہونے کے باوجود صرف جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، پردہ کا سخت حکم ہونے کے باوجود اسلامی معاشرہ کو برباد کرتے ہیں، عورت کا پورا جسم ستر ہونے کے باوجود نیم برہنہ و بے پردہ پھرتی ہیں، اور دوسروں کے سامنے اسلام کا غلط مظاہرہ کرتی ہیں، جبکہ ہم آخری اور امت وسط ہیں، اس کا ادراک ہی نہیں رکھتے، دنیا کی سدھار کی ذمہ داری ہم پر رکھی گئی ہے۔

☆ اکثر مسلمان اسلام کی پابندی کو تو اہمیت نہیں دیتے' مگر مسجدوں کو سجانے کا خوب ذہن رکھتے ہیں، چنانچہ دنیا میں ہر زمانے میں مسلمانوں نے اپنی تعمیر کے اعتبار سے مساجد، مقبرے اور مختلف عمارتیں نقش و نگار کے ساتھ بہت اعلیٰ اور خوبصورت بنایا' جہاں نماز پڑھنے والے تو ہر نماز میں پندرہ بیس ہوتے ہیں لیکن مسجد کی زیب وزینت اور نقش و نگار دیکھنے آنے والے غیر مسلموں کی تعداد سیکڑوں میں ہوتی ہے جو دور سے سفر کرکے آئے ہوئے ہوتے ہیں، مگر وہ لوگ اس نقش و نگار

اور زیب وزینت سے دین واسلام کی کچھ بھی سمجھ حاصل نہیں کر سکتے، ان کو انہی کے نیم برہنہ کپڑوں پر گاون پہنا کر مسجد کے اندر چھوڑا جاتا ہے، مسجد کو سجانے کا مزاج تو بنا مگر انسانوں کو درست کرنے کی کوئی فکر نہیں، مغلوں نے اپنے دور کی عمارتوں میں سونے کے تخت، اور مسجدوں میں سونا چاندی کے بیل بوٹے تک بنائے، جسے بعد میں انگریز لوٹ کر لے گیا، آج بھی مسلمان وہی کام کر رہے ہیں، گھروں کو محلات بنا رہے ہیں، اولاد کی اور معاشرے کی بے دینی سے غافل بنے ہوئے ہیں۔

☆ پچھلے زمانوں میں حکومت ملنے پر مسلم بادشاہوں اور نوابوں نے ناچ گانا' کوٹھے پر طوائفوں کا ناچ اور ہر گھر میں ہیجڑوں کے ناچ گانے ہوتے تھے، بادشاہوں کی نقل میں عوام بھی دو دو چار چار بیویاں یا آوارہ گردی کرتے تھے، مسجدیں کم آباد ہوتی تھیں۔

☆ بعض مسلم ممالک میں مکان کا کرایہ زیادہ ہونے کی وجہ سے عورتیں مرد یا نوجوان لڑکے لڑکیاں ایک ہی گھر میں شیرنگ کے ساتھ رہتے ہیں، ان کے لئے ایک دو حمام ہی ہوتے ہیں، آپس میں ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ سب کچھ ہوتا رہتا ہے، اس طرح زنا کے ذرائع بہت زیادہ پیدا ہو سکتے ہیں۔

☆ اکثر مسلم ملکوں میں ہندوستانی، پاکستانی یا انگریزی فلموں کے ہیرو ہیروئین کے بڑے بڑے بینر اور پوسٹر سڑکوں کی دونوں جانب لگے ہوتے ہیں، آج کل تو ہر مسلم ملک میں فلم انڈسٹری کے ذریعہ فلمیں بنانے کے لئے سینما ہال کھولنے کی عام اجازت دیدی جارہی ہے، گھروں میں بلو فلمیں بھی دیکھی جاتی ہیں، کلچرل میوزک پروگرام کئے جارہے ہیں، اور ورلڈ کے مشہور مرد وعورت ڈانسرس نیم عریاں ڈانس کرنے کے لئے مدعو کئے جارہے ہیں۔

☆ ساری دنیا خاص طور پر پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش اور افغانستان کی مسلم آبادیاں انتہائی خراب ہوتی ہیں، اور کچروں اور گندگی سے بھری پڑی ہوتی ہیں، صاف صفائی کا خیال نہ اپنے گھر اور دُکان کے سامنے، نہ اپنی گلی کوچے میں اور نہ ہی سڑک پر رہتا ہے، دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچا کر سڑکوں کو کشادہ رکھنے کے بجائے گھروں کو آگے بڑھا کر گلی کے راستوں کو تنگ کر کے ان کر تیج منٹ کیا جاتا ہے، قبرستانوں پر قبضے کر کے مکانات تعمیر کر لیتے ہیں، اوقاف کی جائیدادوں پر ناجائز قبضے کر کے مالک بن جاتے ہیں۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے، مگر ہر زمانے میں مسلمانوں نے اپنی ساری دلچسپیاں' دولت اور توانائی مٹی اور گارے ہی پر خرچ کیا، اور

زمین اور عمارتیں بنانے میں محنت کی، اور آخرت سے بے پرواہ ہوکر دنیا ہی کو سب کچھ سمجھا اور سمجھ رہے ہیں، اور اپنا سارا وقت، کمائی اور محنت دنیا بنانے دنیا کو حاصل کرنے پر ہی خرچ کر رہے ہیں۔

☆ جن مسلمانوں کو امریکہ، یوروپ اور عرب ممالک میں ملازمت مل رہی ہے وہ روپیہ کما کر اپنے وطن میں وقتیہ کمائی پر شاہانہ زندگی تعیّشات والی زندگی گذارنے اور جھوٹی شان دکھانے کے لئے بہت زیادہ فضول خرچی کرتے ہیں، اور جو کچھ کماتے ہیں اس کا چار گونہ زیادہ خرچ کرتے ہیں اور شیطان کے بھائی بن جاتے ہیں، ان کو واپس آکر پیسے کی حفاظت کے ذریعہ اپنی زندگی کو سنوارنے کا ذہن ہی نہیں ہے، سارا پیسہ بچوں کی شادی بیاہ، جاہلانہ رسوم و رواج، محلات بنانے، آرام دہ سامانِ زندگی خریدنے، گاڑیاں خریدنے اور تفریحات میں خرچ کرنے کی دھن لگی رہتی ہے، جبکہ اپنے ممالک میں جہاں ملازمت نہ مل رہی ہو، کاروبار تباہ کردئے جارہے ہیں، وہاں ایسے مکانات، بنگلے اور تعیّشات کا سامان جمع کر رہے ہیں، پچھلے زمانے کے نواب بھی اِن کی زندگی کو دیکھ کر شرما جائیں، نوابوں نے بھی شاید اپنی اولاد کی شادیاں ایسی نہیں کی ہوں گے اور یہ لوگ مختصر مدت کے لئے باہر جا کر اپنے پیسے کو برباد کر رہے ہیں، کیا ان کو سورۂ کہف میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ میں دشمن کے خوف سے کشتی کو عیب دار بنائے رکھنے سے سبق اور حفاظت کا طریقہ سمجھ میں نہیں آتا؟ آخر یہ مسلمان دین کی سمجھ سے کیوں محروم ہیں؟

☆ اکثر مسلمان پوری دنیا میں سود کا نام بدل کر ''پرافِٹ'' کے نام سے یا ''ہرّاج'' کی چٹھیوں کے نام پر یا قرض دے کر مٹھائی کے نام پر یا کرایہ کے مکانات سے بچنے کے لئے رہن کے مکانات لے کر اس میں رہتے ہیں، ان کو سود کا احساس ہی نہیں۔

☆ یہ تو رہی مسلمان کی مذہبی حالت، دنیا کی حالت پر بھی غور کیجئے، دنیا میں جتنی بھی مسلم حکومتیں ہیں وہ سائنس وٹکنالوجی میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں، ایک زمانہ تھا کہ اسپین میں مسلم سائنس دانوں نے مغربی ممالک کے لوگوں کو سائنس کی تعلیم دی تھی، اب حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کو مغربی ممالک جا کر سائنس وٹکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنا پڑتا ہے، مسلمان سائنس و ٹکنالوجی کی تعلیم میں ان سے سو دو سو سال پیچھے ہوگئے ہیں، البتہ مسلمانوں کے پاس روحانی تعلیم آج بھی صحیح سلامت موجود ہے، دنیا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے، دوسرے لوگ روحانی تعلیم کے میدان میں ہزار سال پیچھے ہیں، مگر مسلمان روحانیت کی تعلیم نہ اپنے قول سے دے رہے اور نہ فعل

سے، اس کی اصل وجہ دعوتی ذہن سے خالی ہونا ہے، ان میں اللہ کے پاس جواب دہی کا احساس ختم ہوگیا ہے، بنی اسرائیل کی طرح کتابِ الٰہی سے بغاوت چل رہی ہے۔

☆ پوری دنیا میں مسلمان دنیا کی تعلیم میں بھی غیر مسلموں سے بہت پیچھے ہیں، کچھ مرد تعلیم حاصل کر رہے ہیں، زیادہ تر عورتیں بغیر تعلیم کے گھروں میں جہالت کی زندگی گذار رہی ہیں، خاص طور پر مسلم ممالک دیہاتوں میں مسلمان نہ دینی تعلیم سے آراستہ ہیں اور نہ دنیوی تعلیم سے۔

☆ چنانچہ کسی مسلم ملک کے پاس ہوائی جہاز، پانی کا جہاز، موٹر گاڑیاں بنانے کے کارخانے اور کمپنیاں نہیں ہیں، تقریباً تمام مسلم ممالک' مغربی ممالک سے یہ چیزیں خریدتے ہیں، انہوں نے ہی ایرپورٹ بنا کر دیا، شپ پورٹ بنا کر دیا اور ان کے کنٹرولنگ کے تمام عصری آلات دئے، ان میں تقریباً غیر ملکی پائلٹ، کیپٹن، انجینئرس اور میکانک ہی کام کرتے ہیں، اگر مغربی ممالک جہاز نہ دیں اور اہم افراد فراہم نہ کریں تو ان کے پورٹس بیکار و بند ہو جائیں گے اور کوئی مسافر نہ باہر جا سکے اور نہ باہر سے کوئی اِس ملک میں آسکے گا، باہر کا سامان سوئی سے لیکر موٹر اور جہاز تک باہر سے آتا ہے، باہر سے یہ چیزیں نہ ملیں تو وہ ان کو خود نہیں بنا سکتے اور نہ زندگی کے کی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔

☆ کسی بھی مسلم ملک میں اہم مشینیں بنانے کی کمپنیاں نہیں ہیں، سب مسلم ممالک مغرب کے محتاج ہیں، ان کی پرانے ماڈل کی چیزیں خرید کر اپنا کام چلاتے ہیں، عالمی بینک کے سودی قرض سے ملک کو چلاتے ہیں، ان کی فوجوں کو مغربی ممالک کے ماہرین ہی آکر تربیت دیتے ہیں۔

☆ اسرائیل جیسا چھوٹا ملک جہاں پانی کی قلت ہے، وہاں سائنس وٹکنالوجی میں ترقی کر کے کم سے کم پانی کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ غلہ واناج اور پھل ترکاری وغیرہ اُگائی جا رہی ہیں اور جانور پالے جا رہے ہیں، ان لوگوں نے اپنی سب سے بڑی عبادت گاہ بنانے کے لئے پوری دنیا سے کافی فنڈ جمع کیا، جب فنڈ جمع ہوگیا تو ان کے رِبیوں نے فیصلہ کیا کہ عبادت گاہ نہیں بلکہ اس پوری رقم سے ہمارے بچوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ بنایا جائے، یہ پیسہ قوم کی تعلیم پر خرچ کیا جائے گا، تعلیم کی وجہ سے آج وہ ساری دنیا پر اپنی تعلیمی و دماغی صلاحیتوں سے چھائے ہوئے ہیں اور پوری عیاری ومکاری کے ساتھ ساری دنیا کو اپنے بس میں کئے ہوئے ہیں۔

☆ ہندوستان جیسا ملک جہاں پہلے غربت تھی، پٹرول ڈالر کے بغیر تعلیم کو دو خانوں کے نظام کو، اسکول کو سہولتیں دے کر عوام کو ڈاکٹر، انجینئر اور سائنس دان بنایا اور بچوں کو کم سے کم فیس میں سرکاری

اسکول کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے کی سہولت دی، جس کی وجہ سے آج ہندوستان میں ہر چیز کی کمپنیاں اور کارخانے اور ہر فن کے بڑے بڑے ماہر افراد موجود ہیں اور کام کر رہے ہیں، اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں ان کو بلا کر ان سے کام لیا جا رہا ہے، امریکہ، لندن، یوروپی ممالک میں ہندوستان کے IT انجینئر اور کمپیوٹر کے ماہر بن کر دوسرے ممالک میں کام کر کے وہاں کی دولت سے اپنے ملک کی مدد کر رہے ہیں۔

☆ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ہر زمانے میں مسلم ممالک میں دولت آنے پر وہاں تعلیم کو ترقی دینے بجائے، عوام کو تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں دینے کے بجائے وہاں کی حکومت اور عوام تعیّشات میں مبتلا ہو گئیں اور ملک میں عمدہ عمارتیں اور محلات بنانے جاہلانہ رسمیں کرنے اور عمدہ فرنیچر جمع کرنے اور عمدہ سے عمدہ لباس پہننے، سونا چاندی اور مال و دولت جمع کرنے ہی کا ذہن رکھتے تھے، چاہے اولاد جاہل ہی کیوں نہ ہو، حالانکہ ان کے لئے جنت کی ضمانت تھی۔

☆ ہندوستان میں بھی مغل ایک ہزار سال تک اور نظام حیدرآباد سات سو سال تک اسی انداز پر حکومت کئے اور عوام نے بھی غفلت کی زندگی ہی گذار کر سائنس و ٹکنالوجی کی تعلیم حاصل نہیں کی، آج مشرقی مسلم ممالک میں بھی یہی کہانی دوہرائی جا رہی ہے، حالانکہ ان تمام لوگوں کو چاہئے تھا کہ پیسہ و دولت آتے ہی سیدھے سادے مکانات بنا کر ضرورت کے تحت کالج، اسکول اور دفاتر اور کمپنیوں کی عمارتیں بنا کر دوسرے ترقی یافتہ ممالک سے سائنس و ٹکنالوجی اور جدید تعلیم کے ماہرین کو عمدہ تنخواہیں دے کر ریسرچ انسٹیٹیوٹ کھولتے، اعلیٰ تعلیم کے ماہرین کے ذریعہ عوام کے لئے تعلیمی نظام قائم کرتے۔

☆ آج ہندوستان میں حکومت کی جانب سے گاؤں گاؤں اسکول، کالج، یونیورسٹیز اور دواخانے قائم ہو چکے ہیں، جہاں باہر سے آ کر بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی تعلیم اچھی اور سستی ہے، مگر مسلم ممالک میں سب سے پہلے نہ کالجس قائم کئے گئے، نہ ریسرچ سنٹر اور نہ میڈیکل انسٹیٹیوٹ اور نہ یونیورسٹی قائم کی گئی، سارا دارومدار باہر کے ممالک پر اور باہر کے افراد پر رکھا گیا، محنت کرنا ہی نہیں چاہا، کسی بھی مسلم ملک میں کوئی بھی بڑی یونیورسٹی قائم نہیں ہے۔

☆ جب دولت آتی ہے تو سمجھدار انسان اہم ضرورتوں کو پورا کرنے کی فکر کرتا ہے، عیش و مستی میں مبتلا نہیں ہوتا، مختصر زندگی جہاں صرف چند دنوں کے لئے رہنا ہے، وہاں مختصر قیام کر کے اپنی دنیا

کی زندگی کو عزت کے ساتھ بغیر محتاجی کے گذار کر چلے جانا عقلمندی سمجھتا ہے۔

☆ مسلم ممالک کے مقابلہ ہندوستان دولت بہت کم ہے، مگر پھر بھی ہر سال راکٹ خلاء میں بھیج کر سائنسی ترقی حاصل کر رہا ہے، دولتمند مسلم ممالک آج تک کچھ نہیں کر سکے، غیر مسلموں کے حربوں کو نہ سمجھ سکے، کنگھے سے نیل کٹر تک اپنے ملک میں نہیں بنا سکتے، نل کی ٹوٹیاں اور پائپ تک باہر سے آتا ہے، تسبیح اور جاءنمازیں، ملحد اور دہریت رکھنے والے ملکوں سے بن کر آتے ہیں، عام لباس اور کپڑے تک انڈونیشیا اور ملائیشیا سے آتے ہیں، پھر بھی مسلمان اپنے آپ کو دنیا کی بہادر قوم، سمجھدار قوم اور سب سے زیادہ اچھی قوم سمجھتے ہیں، نہ اسلام کی پابندی ہے اور نہ دنیا میں ترقی حاصل کرنے کی فکر۔

☆ عراق، لیبیا، مصر، شام، اور افغانستان تباہ ہو گئے، دنیا کے کسی مسلم ملک میں کوئی ایک بڑی یونیورسٹی ایسی نہیں جہاں دنیا کے مسلم اور غیر مسلم آ کر اعلیٰ اسلامی تعلیم اور روحانیت میں ترقی کی تعلیم حاصل کر کے انسان بن سکیں سوائے مصر کی جامعہ ازہر کے، لیکن آج وہاں کی حالت بھی پچھلی جیسی نہیں رہی۔

☆ دنیا کے 90% تاریخی مقامات اسلامی ملکوں میں ہیں، جہاں جانے سے اسلامی تاریخ یاد آتی ہے، مگر ہم یورپ کی سیر کرتے ہیں، انگریز اپنے مذہبی مقامات کی حفاظت کر کے ان کو یادگار کے طور پر اپنی قوم میں مذہبیت کو زندہ رکھنے کی فکر کرتے ہیں، ہم اپنی مذہبی یادگاروں کو مٹا چکے یا بند کر چکے ہیں۔

☆ ہر جمعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھتے، جان مصطفیٰ پر قربان کہتے، لڑنے مرنے کا جذبہ رکھتے، مگر دعوتِ اسلام پر شہید ہونے کا جذبہ ہی نہیں رکھتے، دنیا کی تمام مساجد میں ہر جمعہ کو خطبات میں یہود و نصاریٰ کو بد دعائیں دی جاتی ہیں، مگر اس کا اثر الٹا مسلمانوں پر ہوتا ہے، فتح مکہ کے بعد اُن قیدیوں سے جو فدیہ نہ دے سکتے تھے ان پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی کہ وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں سے فدیہ لیا تھا وہ مال مکانات، سڑکیں، سواریاں اور دنیوی متاع پر خرچ نہیں کیا، بلکہ مسلمانوں کی معیشت درست کرنے پر کیا۔

☆ دنیا کے حالات صحیح چلنے میں مسلمانوں کے اعمال کا بہت بڑا دخل ہے، جب مسلمانوں کے عقائد و اعمال صحیح رہتے ہیں تو آسمان سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور جب مسلمانوں کے عقائد و اعمال بگڑتے ہیں تو دنیا فساد کے حوالے ہو جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆